مردوں کی مثالی زندگی
کے درخشاں پہلو
تالیف
مولانا محمد ہارون معاویہ
دار الاشاعت کراچی

مردوں کی مثالی زندگی
کے درخشاں پہلو

مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو

تالیف
مولانا محمد ہارون معاویہ

دارالاشاعت

اجمالی خاکہ

(مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی باب)

تلک عشرۃ کاملہ

﴿اجمالی فہرست﴾

پہلا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی آیات

دوسرا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے حضور ﷺ کے دس مثالی ارشادات

تیسرا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے اکابرین کے دس مثالی بیانات

چوتھا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی ہدایات

پانچواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی معمولات

چھٹا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے مثالی مردوں کے دس مثالی واقعات

ساتواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے مثالی مردوں کی دس مثالی کرامات

آٹھواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے اکابرین کے دس مثالی ملفوظات

نواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی اوصاف

دسواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس آئیڈیل شخصیات

تلک عشرۃ کاملۃ

تفصیلی فہرست

دوسرا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے حضور ﷺ کے دس مثالی ارشادات

تیسرا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی بیانات

چوتھا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی ہدایات

پانچواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی معمولات

چھٹا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے مثالی مردوں کے دس مثالی واقعات

ساتواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے مثالی مردوں کی دس مثالی کرامات

آٹھواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے اکابرین کے دس مثالی ملفوظات

نواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی اوصاف

دسواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس آئیڈیل شخصیات

﴿عرضِ مؤلف﴾

اسلام نام ہے ایک دین کا اور دین اس نظام حیات کو کہتے ہیں جو انسانی زندگی سے متعلق تمام پہلوؤں کے بارے میں اپنے اصول، قوانین اور تعلیمات وہدایات رکھتا ہو۔ اور یہ سہرا اکیلے دین اسلام کے سر ہی ہے کہ مرد ہو یا عورت اس کی زندگی کے بارے میں کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں یہ نظام حیات اس کی عزت کی بلندی کے قوانین نہ رکھتا ہو اور وہ تمام قوانین محض کوئی زبردستی نفاذ نہ ہونے کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ وہ عین عقل اور فطرت کے مطابق ہیں۔ اگر دین اسلام دین حیات کا نام ہے تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ کس کی حیات؟ لازمی جواب یہ ہے کہ انسانی حیات۔ اب صاف واضح حقیقت ہے کہ انسانی حیات سے صرف عقائد، چند فرض وعبادات، چند اخلاقی اقدار ہی تعلق نہیں رکھتیں بلکہ انسانی حیات سے مذہب، عبادات، اخلاقیات، سیاسیات، معاشیات، معاشرت، تعلیم وتحقیق، سائنس اور ثقافت یہ تمام پہلو اور شعبے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کے بارے میں اصول وقوانین کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ اور ہمارا یہ اسلام پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی کے تمام ادوار میں اور انسان کی تمام حیثیتوں میں اس کے لئے مشعل راہ ہے۔ یہ ایک طرف ہمیں بتاتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کیسے گزاریں، زندگی میں نیک اعمال اور عبادات کی کیا اہمیت ہے۔ اور دوسری طرف یہ ہمیں معاشرتی زندگی میں اپنے فرائض کے بارے میں ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔

محترم قارئین! زیر نظر کتاب "مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس میں ہم نے اسلام کی واضح ہدایات واحکامات کی روشنی میں اپنے قابل احترام مسلمان بھائیوں کے لئے مثالی زندگی کا ایک خاکہ مرتب کیا ہے۔

اس کتاب کو ہم نے دس ابواب پر مرتب کیا ہے اور ہر باب میں دس دس چیزیں رکھی ہیں یوں ہماری اس کتاب میں آپ کو سو قابل عمل اور مثالی چیزیں ملیں گی۔ مثلاً پہلے باب میں دس مثالی آیات ہیں یعنی وہ دس خاص خاص آیات کہ جن میں ہماری زندگی کی فوز وفلاح مضمر ہے۔ دوسرے باب میں حضور ﷺ کے دس ارشادات ہیں یقیناً یہ دس ارشادات بھی ہماری ترقی اور کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ تیسرے باب میں اکابرین امت کے دس خاص بیانات ہیں یعنی وہ بیانات جو ہمارے اکابرین نے عصر حاضر کی ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ چوتھے باب میں دس مثالی ہدایات ہیں کہ جن پر عمل کرنا ہمارے لئے لازمی اور ضروری ہے۔

اسی طرح پانچویں باب میں دس مثالی معمولات ہیں جو ہماری زندگی کی پریشانیوں کو دور

کرسکتا ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں موجود اس کتاب میں ہم نے اسلامی تعلیمات ہی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے قرآن و حدیث سے لے کر اکابرین اسلام کے تاریخی و اصلاحی بیانات اور واقعات و کرامات تک، اسی طرح خاص خاص ہدایات سے لیکر مثالی اوصاف تک اور آخر میں کچھ آئیڈیل شخصیات کا بھی ذکر کیا ہے کہ جنکی زندگی ہمارے لئے آئیڈیل اور مشعل راہ ہے، چنانچہ اس کتاب کو ہم دس مثالی ابواب پر مرتب کررہے ہیں جو درج ذیل ترتیب کے مطابق ہوں گے۔

پہلا باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی آیات

دوسرا باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے حضور ﷺ کے دس مثالی ارشادات

تیسرا باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے اکابرین کے دس مثالی بیانات

چوتھا باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی ہدایات

پانچواں باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی معمولات

چھٹا باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے مثالی مردوں کے دس مثالی واقعات

ساتواں باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے مثالی مردوں کی دس مثالی کرامات

آٹھواں باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے اکابرین کے دس مثالی ملفوظات

نواں باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی اوصاف

دسواں باب.................................مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس آئیڈیل شخصیات

تلک عشرۃ کاملہ

دکھوں، غموں، پریشانیوں، تمام فکروں اور مصیبتوں کا مداوا بن سکتی ہے۔

مثلاً! پہلی آیت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے اور یہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اہمیت وفضیلت اور ترغیب کو مفسرین کے کلام کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ دوسری آیت میں مؤمن کی مخصوص صفات کا ذکر ہے، تیسری آیت میں اقامت صلوٰۃ کا ذکر ہے، چوتھی آیت میں ہماری زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر پیش کیا گیا ہے، پانچویں آیت میں اپنی محبوب چیز کے ذریعے نیکی کا کمال حاصل کرنے کی ترغیب ہے، چھٹی آیت میں درود وسلام کا حکم ہے کہ اپنے نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کی کس قدر تاکید اور ترغیب ہے۔ ساتویں آیت میں ناحق مال کھانے کی ممانعت ہے یعنی کسی کمزور کے مال کو زبردستی اور ناحق طریقے سے کھانا، اس کے متعلق اللہ کی طرف سے ممانعت کا ذکر ہے آٹھویں آیت میں بدنظری سے بچنے کا حکم ہے کیونکہ بدنظری زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس سے بچنا فرض عین سمجھنا چاہیے، نویں آیت میں جھگڑوں سے بچنے اور آپس میں صلح کرانے کا حکم ہے کہ جھگڑوں کا نقصان لاانتہائی ہے، ان جھگڑوں کا شکار ہو کر خاندان کے خاندان اجڑ جاتے ہیں اس لئے قرآن کریم میں ان سے بچنے کا تاکید سے حکم فرمایا گیا، دسویں آیت میں توبہ کی ترغیب اور اس پر انعام کا ذکر ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں توبہ کی بڑی ترغیب آئی ہے اور یہ ہماری ایک بہت بڑی ضرورت ہے اس لئے ہم نے توبہ کے متعلق اس آیت اور اس کی تفسیر کو اپنی کتاب میں شامل کیا اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بہرحال اس باب کی یہ دس آیتوں کا مختصر سا خاکہ ہے، علاوہ ازیں اب آپ تفصیل سے آنے والے صفحات میں ان آیتوں کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیں گے جنہیں ہم نے مستند تفاسیر سے مطالعہ کر کے لکھا ہے، کوشش کی ہے کہ آیتوں کی تفسیر میں اپنی طرف سے کوئی بات نہ بڑھائیں بلکہ من وعن جس طرح ہمارے اکابرین نے تفسیر لکھی ہے وہی نقل کردی جائے تاکہ مقصد بھی حاصل ہوجائے اور اکابرین کی تفاسیر کی نورانیت بھی برقرار رہے، لیجئے محترم مسلمان بھائیو! اور دوستو! اب آپ پہلی آیت سے پڑھنا شروع کیجئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

پہلی آیت

اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کا حکم

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ۔

ترجمہ:۔ اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین تیار ہوئی واسطے پرہیزگاروں کے۔

تفسیر... آیت مذکورہ میں دو مسئلے زیادہ اہم ہیں اول پہلی آیت کا مضمون جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر رسول کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ ہی کے اوامر کی تعمیل اور اس کی کتاب "قرآن" کی اطاعت کا نام ہے تو پھر اس کے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت کیا ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے جو آیا ہے؟!

دوسری بات جو ہمیشہ یاد رکھنے اور اپنی عملی زندگی کا جز بنانے کے قابل ہے وہ وہ صفات اور علامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول اور پرہیزگار بندوں کیلئے ان آیات میں ذکر فرمادی ہیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت محض زبانی جمع خرچ سے نہیں ہوتی بلکہ اطاعت گزاروں کے کچھ صفات اور علامات ہوتے ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔

رسول کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ سے الگ کر کے بیان کرنے کی حکمت

پہلا مسئلہ اس طرح بیان فرمایا وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

یعنی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس میں امت محمدیہ کیلئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضروری اور لازم قرار دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی لازم اور ضروری قرار دیا ہے اور یہ کچھ صرف اسی آیت

میں نہیں بلکہ پورے قرآن میں بار بار اسکا تکرار اسی طرح ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہوتا ہے وہیں اطاعت رسول کا بھی ذکر مستقلاً ہے قرآن حکیم یہ متواتر اور مسلسل ارشادات ایک انسان کو اسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ ایمان کا پہلا جز خدائے تعالیٰ کا وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے تو دوسرا جز "رسول" کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ "رسول کریم" جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب باذن خداوندی ہوتا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا قرآن کریم کا ارشاد ہے: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى"۔

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بولتے ہیں وہ خود اپنی خواہش سے نہیں کہتے، بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ "رسول" کی اطاعت بعینہٖ خداتعالیٰ کی ہی اطاعت ہوتی ہے، اس سے الگ کوئی چیز نہیں سورۃ نساء آیت ۸۰ میں خود قرآن نے بھی ان الفاظ میں اس کو واضح فرمایا: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. "یعنی جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے اطاعت کی اللہ کی"۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان دونوں اطاعتوں کو الگ الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ خصوصاً اس التزام اور اہتمام کیساتھ کہ پورے پورے قرآن کریم میں یہی عادت مستمرہ ہے کہ دونوں اطاعتوں کا ساتھ ساتھ حکم دیا جاتا ہے۔

راز اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے ایک کتاب بھیجی، اور ایک کتاب رسول، رسولؐ کے ذمہ یہ کام لگائے گئے اول یہ کہ وہ قرآن کریم کی آیت ٹھیک اسی صورت اور لب ولہجہ کیساتھ لوگوں کو پہنچا دیں جس صورت سے وہ نازل ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ لوگوں کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کریں۔

تیسرے یہ کہ وہ اس کتاب کے مضامین کی امت کو تعلیم دیں، اور اس کے مقاصد کو بیان فرمائیں، نیز یہ کہ وہ کتاب کیساتھ حکمت کی تعلیم دیں، یہ مضمون قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں تقریباً ایک ہی عنوان سے آیا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ.

معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں تک پہنچا دیں،

بلکہ اس کی تعلیم اور تبیین بھی رسول کے ذمہ ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب عرب کے فصحاء و بلغاء تھے، ان کیلئے قرآن کریم کی تعلیم کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ محض الفاظ قرآنی کے لغوی معنی ان کو سمجھا دیئے جائیں، کیونکہ وہ سب خود تو ان کو بخوبی سمجھتے تھے، بلکہ اس تعلیم و تبیین کا مقصد صرف یہی تھا اور یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم نے ایک حکم مجمل یا مبہم الفاظ میں بیان فرمایا، اس کی تشریح اور تفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے ذریعہ پہنچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں آئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے قلب مبارک میں ڈالی جس کی طرف آیت قرآن اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی "میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مثلاً قرآن نے بے شمار مواقع میں صرف اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فرمانے پر اکتفاء کیا ہے، کہیں نماز کے معنی میں قیام، رکوع اور سجود کا ذکر بھی آیا تو وہ بھی بالکل مبہم ہے ان کی کیفیات کا ذکر نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل امین نے خود آکر اللہ کے حکم سے ان تمام ارکان کی تفصیلی صورت عمل کر کے بتلائی، اور آپؐ نے اسی طرح قول و عمل کے ذریعہ امت کو پہنچا دیا۔

زکوٰۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین، پھر یہ بات کہ کس مال پر زکوٰۃ ہے اور کس مال پر نہیں، اور مقدار نصاب میں کتنا حصہ معاف ہے، یہ سب تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں اور ان کے فرامین لکھوا کر متعدد صحابہ کرامؓ کے سپرد فرمائے۔ یا مثلاً قرآن حکیم نے حکم دیا کہ لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ۔ " یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر ناحق نہ کھاؤ۔ اب اس کی یہ تفصیل کہ رائج الوقت معاملات بیع و شراء، اور اجارہ میں کیا کیا صورتیں ناحق اور بے انصافی یا غرر عام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہیں، یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن خداوندی امت کو بتلائی اسی طرح تمام شرعی احکام کا بھی یہی حال ہے۔

تو یہ تمام تفصیلات جو آنحضرت ﷺ نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے بذریعہ وحی اپنی امت کو پہنچائیں، چونکہ یہ تفصیلات قرآن کریم میں مذکور نہیں، اس لئے یہ احتمال تھا کہ کسی وقت کوئی ناواقف یہ سمجھ لے کہ یہ تفصیلی احکام خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام نہیں، اس لئے خدا تعالیٰ کی

اطاعت میں ان کی تفصیل ضروری نہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے سارے قرآن میں بار بار اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت کا ذکر کیا ہے جو حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے مگر ظاہری صورت اور تفصیل بیان کے اعتبار سے اس سے کچھ مختلف بھی ہے، اس لئے بار بار آیات کے ساتھ بتلا دیا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں جو کچھ حکم دیں اس کو بھی خدا تعالیٰ کی اطاعت سمجھ کر مانو خواہ وہ یہ قرآن زیر غور کے علاوہ دشمنان اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گڑبڑ پھیلانے اور مسلمانوں کو صحیح راستہ سے بہکانے کا بھی ایک موقع تھا، اس لئے قرآن کریم نے اس مضمون کو صرف لفظ اطاعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ مختلف عنوانات سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بتلایا ہے مثلاً آپ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ علاوہ کتاب کے کچھ اور بھی آپ کی تعلیمات میں داخل ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہے جس کو لفظ حکمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے کہیں ارشاد فرمایا لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔

یعنی رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے لئے آپ پر نازل شدہ آیات کے مطالب و مقاصد اور تشریحات کو بیان فرمائیں۔ اور کہیں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز آجاؤ۔ یہ سب انتظام اس کا کیا گیا کہ کل کوئی شخص یہ نہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف ان احکام کے مکلف ہیں جو قرآن میں آئے ہیں، جو احکام ہمیں قرآن میں نہیں ملیں ان کے ہم مکلف نہیں۔ رسول کریم ﷺ پر عالباً یہ منکشف ہو گیا تھا کہ کسی زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور تشریحات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے یہی دعویٰ کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے، اور اس لئے ایک حدیث میں صراحۃً بھی اس کا ذکر فرمایا جس کو ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی اپنی کتابوں میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

لا الفين احدكم متكئا على اريكته ياتيه الامر من امري مما امرت به او نهيت عنه فيقول لا ادري ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه یعنی ایسا نہ ہو کہ میں تم سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر دین کے متعلق یہ کہہ دے کہ ہم اس کو

نہیں ہوتے ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے، جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کی اتباع کرتے
ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ جگہ جگہ رسول ﷺ کی اطاعت کا بار بار ارشاد
اور پھر مختلف عنوانات سے رسول کے دیئے ہوئے احکام ماننے کی ہدایت یہ سب اسی خطرے کے
پیش نظر ہیں کہ کوئی شخص ذخیرہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کی ہوئی تفصیلات احکام کو قرآن
سے الگ اور اطاعت خداوندی سے جدا سمجھ کر نظر انداز نہ کر بیٹھے کیونکہ وہ درحقیقت الگ نہیں۔

دوسری آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا گیا ہے، اللہ
اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد یہ دوسرا حکم دیا گیا، یہاں مغفرت سے مراد اسباب مغفرت ہیں،
یعنی وہ اعمال صالحہ جو باعث مغفرت الٰہی ہیں، صحابہ و تابعین سے اس کی تفسیریں مختلف عنوانات
سے منقول ہیں مگر عنوان اور مضمون سب کا ایک ہی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تفسیر "
ادائے فرائض" سے فرمائی، حضرت ابن عباسؓ نے "اسلام" سے، ابو العالیہ نے "ہجرت" سے انس
بن مالک نے "تکبیر اولیٰ" سے، سعید بن جبیرؓ نے "ادائے طاعت" سے، ضحاک نے "جہاد" سے، عکرمہ
نے "توبہ" سے کی ہے، ان تمام اقوال کا حاصل یہی ہے کہ مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ
ہیں جو مغفرت الٰہی کا باعث اور سبب ہوتے ہیں۔

اس مقام پر دو باتیں قابل غور ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں مغفرت اور جنت کی
طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا جا رہا ہے حالانکہ دوسری آیت میں لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ
بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فرما کر دوسرے فضائل حاصل کرنے کی تمنا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے،
جواب اس کا یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں، ایک فضائل تو وہ ہیں جن کا حاصل کرنا انسان کے
اختیار اور بس سے باہر ہے جن کو فضائل غیر اختیاریہ کہتے ہیں، جیسے کسی کا سفید رنگ یا حسین ہونا، کسی
بڑے خاندان سے ہونا وغیرہ، دوسرے وہ فضائل جن کو انسان اپنی محنت اور کوشش سے حاصل
کر سکتا ہے، ان کو فضائل اختیاریہ کہتے ہیں، فضائل غیر اختیاریہ میں دوسرے کی فضیلت حاصل
کرنے کی کوشش بلکہ اس کی تمنا کرنے سے بھی اس لئے روکا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت
کے مطابق مخلوق میں تقسیم کئے ہیں، کسی کی کوشش کا اس میں دخل نہیں، اب رہے وہ فضائل جو کوشش

اور تمنا سے حاصل تو ہو سکتے نہیں، مابہ سوائے اس کے کہ اس کے دل میں حسد اور بغض کی آگ بھڑکتی رہے اور کوئی فائدہ نہیں، مثلاً ایک شخص کالا ہے وہ گورا ہونے کی تمنا کرتا رہے تو اس سے کیا نتیجہ نکلے گا، البتہ جو فضائل اختیاریہ ہیں ان میں مسابقت اور مقابلہ کا حکم دیا گیا، صرف ایک آیت میں نہیں، بلکہ متعدد آیتوں میں آیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے فاستبقوا الخیرات دوسری جگہ ارشاد ہے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون.

ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر کسی انسان میں فطری اور طبعی کوتاہی ہو جس کا دور کرنا اس کے بس سے باہر ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی اس کوتاہی پر قانع رہ کر دوسروں کے کمال کو دیکھے بغیر اپنا کام کرتا رہے، کیونکہ اگر وہ اپنی کوتاہی پر تاسف اور دوسروں کے کمال پر حسد کرتا رہا تو جتنا کام کر سکتا ہے اس قدر بھی نہیں کر سکے گا، اور بالکل ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔

دوسری چیز جو اس جگہ قابل غور ہے وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مغفرت کو جنت سے مقدم کیا، اس میں حسن ہے کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ جنت حاصل کر لینا مغفرت الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، کیونکہ انسان اگر تمام عمر بھی نیکیاں کرتا رہے، اور معصیت سے کنارہ کش رہے تب بھی اس کے تمام اعمال جنت کی قیمت نہیں ہو سکتے، جنت میں لے جانے والی صرف ایک ہی چیز ہے اور وہ مغفرت باری تعالیٰ ہے اور اس کا فضل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"راستی اور حق کو اختیار کرو، درمیانی راہ اختیار کرو اور (اللہ کے فضل) کی بشارت حاصل کرو، کسی شخص کا عمل اس کو جنت میں نہیں پہنچائے گا، لوگوں نے کہا: نہ آپ یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: نہ میرا عمل جنت میں پہنچائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔"

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اعمال جنت کی قیمت نہیں ہیں، لیکن عادت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسی بندے کو نوازتا ہے، جو اعمال صالحہ کرے، بلکہ جس کو اعمال صالحہ کی توفیق ہو گئی، وہی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہیں، لہٰذا اعمال کی کوتاہی میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، معلوم ہوا کہ دخول جنت کا اصلی باعث اور سبب مغفرت الٰہی ہے، اسی لئے مغفرت کے پیش نظر مطلق مغفرت نہیں فرمایا گیا، بلکہ مغفرۃ من ربکم فرمایا گیا، صفت ربوبیت کے بیان کرنے میں مزید لطف اور احسان کا اظہار مقصود ہے۔

دوسری چیز جس کی طرف دوڑنے کا حکم دیا جارہا ہے وہ جنت ہے، اور جنت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی وسعت اس قدر ہے جتنا سارا آسمان وزمین ہے، انسان کے دماغ میں آسمان وزمین کی وسعت سے زیادہ اہمیت آ ہی نہیں سکتی، اس لئے سمجھانے کیلئے جنت کے عرض کو اس سے تشبیہ دی، گویا بتلا دیا کہ جنت بہت وسیع ہے اس کے عرض میں سارے زمین وآسمان سمائے ہوئے ہیں، پھر جب اس کے عرض کا یہ حال ہے تو طول کا حال خدا جانے کیا ہوگا یہ معنی تو اس وقت ہیں جب عرض کو طول کے مطابق لیا جائے لیکن اگر عرض کو ثمن یعنی قیمت کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جنت کوئی معمولی شے نہیں ہے اس کی قیمت سارا آسمان وزمین ہیں لہٰذا ایسی قیمتی اور عظیم الشان چیز کیلئے مسابقت اور مسارعت کرو۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ "ابو مسلم کہتے ہیں کہ عرض سے مراد آیت میں وہ چیز ہے جو مبیع کے مقابلہ میں بطور قیمت پیش کی جائے مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض جنت کی قیمت لگائی جائے تو سارا آسمان وزمین اور ان کی کائنات اس کی قیمت ہوگی مقصود اس سے جنت کی عظمت اور جلالت قدر کا بیان کرنا ہے۔"

جنت کا دوسرا وصف بتلایا اعدت للمتقین، یعنی جنت پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت پیدا کی جاچکی ہے قرآن وحدیث سے واضح اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے اس طرح کہ ساتواں آسمان اس کی زمین ہے۔

(بحوالہ معارف القرآن ، مفتی اعظم)

دوسری آیت

مومن کی مخصوص صفات

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ. اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ. اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ.

ترجمہ:... ایمان والے تو وہی ہیں جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہم نے جو ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، وہی ہیں سچے ایمان والے ان کیلئے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور معافی اور روزی عزت کی۔

تفسیر... آیات مذکورہ میں ان مخصوص صفات کا بیان ہے جو ہر مومن میں ہونا چاہئے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہر مومن اپنی ظاہر اور باطنی کیفیات اور صفات کا جائزہ لیتا رہے اگر یہ صفات اس میں موجود ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے اس کو مومنین کی صفات عطا فرمادی، اور اگر ان میں سے کوئی صفات موجود نہیں یا ہے مگر ضعیف و کمزور ہے تو اس کے حاصل کرنے اور قوی کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

پہلی صفت خوف خدا

پہلی صفت یہ بیان فرمائی اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ یعنی جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت ان کے دلوں میں رچی اور بھری ہوئی ہے جس کا ایک تقاضا ہیبت و خوف ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اس کا ذکر کرکے اہل محبت کو بشارت دی گئی ہے وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی خوشخبری سنا دیجئے ان متواضع نرم خو لوگوں کو جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے۔ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کے ایک خاص تقاضا کا ذکر ہے یعنی ہیبت اور خوف اور دوسری آیت میں ذکر اللہ کی یہ خاصیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اس سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. یعنی اللہ ہی کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس خوف و ہیبت کا ذکر ہے وہ دل کے سکون و اطمینان کے خلاف نہیں جیسے کسی درندے کا یا دشمن کا خوف قلب کے سکون کو برباد کر دیتا ہے ذکر اللہ کیساتھ دل میں پیدا ہونے والا خوف اس سے بالکل مختلف ہے اور اسی لئے یہاں لفظ خوف استعمال نہیں فرمایا: "وجل" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ مطلق خوف نہیں بلکہ وہ ہیبت ہے جو بڑوں کی جلالت شان کے سبب دل میں پیدا ہوتی ہے۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ اللہ کے ذکر اور یاد سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کر رہا تھا اسی حال میں اس کو خدا تعالیٰ کی یاد آگئی تو وہ اللہ کے عذاب سے ڈر گیا۔اور گناہ سے باز آگیا۔اس صورت میں خوف سے مراد خوف عذاب ہی ہوگا۔ (بحر محیط)

اسی طرح اللہ کے ڈر سے متعلق حضرت شیخ الحدیث لکھتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ دل کا ڈر جانا ایسا ہوتا جیسا کھجور کے خشک پتوں میں آگ لگ جانا۔اس کے بعد اپنے شاگرد شہر بن حوشب کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے شہر تم بدن کی کپکپی نہیں جانتے۔انہوں نے عرض کیا جانتا ہوں۔فرمایا۔اس وقت دعا کیا کرو۔اس وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ میری کونسی دعا قبول ہوئی اور کونسی نہیں ہوئی۔لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟ فرمایا کہ جس وقت میرے بدن میں کپکپی آجائے اور دل خوف زدہ ہو جائے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں۔اس وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے۔حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آ جائے" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر ظلم کا ارادہ کرے یا کسی اور گناہ کا قصد کرے اور اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے۔

حارث بن مالک انصاریؓ ایک صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ حارثؓ کیا حال ہیں؟ عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں بے شک سچا مومن بن گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا سوچ کر کہو کیا کہتے ہو؟ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ (یعنی کس کی وجہ سے یہ طے کرلیا کہ میں سچا مومن بن گیا) عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پھیر لیا۔ رات کو جاگتا ہوں دن کو پیاسا رہتا ہوں (یعنی روزہ رکھتا ہوں) اور جنت والوں کی آپس میں ملاقاتوں کا منظر میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور جہنم والوں کے شور و شغب اور واویلا کا نظارہ بھی آنکھوں کے سامنے ہے (یعنی دوزخ جنت کا تصور ہر وقت رہتا ہے) حضور ﷺ نے فرمایا۔ حارث ؓ بیشک تم نے اپنے نفس کو دنیا سے پھیر دیا۔ اس کو مضبوط پکڑے رہو۔ تین مرتبہ حضور ﷺ نے یہی فرمایا اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کے سامنے ہر وقت دوزخ اور جنت کا منظر رہے گا وہ دنیا میں کہاں پھنس سکتا ہے۔ (از فضائل صدقات)

دوسری صفت ایمان میں ترقی

مومن کی دوسری صفت یہ بتلائی کہ جب اس کے سامنے اللہ کی آیت تلاوت کی جاتی ہیں تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ ایمان بڑھنے کیلئے ایسے معنی جن پر سب علماء مفسرین محدثین کا اتفاق ہے یہ ہیں کہ ان کا ایمان قوت و کیفیت اور نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے۔ اور یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اعمال صالحہ سے ایمان میں قوت اور ایسا شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے کہ اعمال صالحہ اس کی عادت طبعی بن جاتے ہیں جس کے چھوڑنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور گناہ سے اس کو طبعی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے پاس نہیں جاتا۔ ایمان کے اسی مقام کو حدیث میں حلاوت ایمان کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے۔

واذا حلت الحلاوۃ قلبا نشطت فی العبادۃ الاعضاء

یعنی کسی دل میں حلاوت ایمان جگہ پکڑ لیتی ہے تو اس کے ہاتھ پیر اور سب اعضاء عبادت میں راحت و لذت محسوس کرنے لگتے ہیں۔

اس لئے خلاصہ آیت کا مضمون یہ ہوا کہ مومن کامل کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ جب اسکے

سے جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جائیں تو اس کے ایمان میں جلا و ترقی ہو اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت بڑھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح عام مسلمان قرآن پاک پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں نہ قرآن کے ادب و احترام کا کوئی اہتمام ہے نہ اللہ جل شانہ کی عظمت پر کوئی نظر ہے اس کی تلاوت مقصود اور نتائج پیدا کرنے والی نہیں گو ثواب سے وہ بھی خالی نہیں ہو۔

تیسری صفت اللہ پر توکل

تیسری صفت مومن کی یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اعمال و احوال میں اس کا مکمل اعتماد اور بھروسہ صرف ذات واحد اللہ تعالیٰ پر ہو۔ صحیح حدیث میں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ نہیں کہ اپنی ضروریات کیلئے مادی اسباب اور تدابیر کو ترک کر کے بیٹھ جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مادی اسباب و آلات کو اصل کامیابی کیلئے کافی نہ سمجھے بلکہ بقدر قدرت وہمت مادی اسباب اور تدابیر کو فراہم کرنے اور استعمال کرنے کے بعد معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور سمجھے کہ اسباب بھی اسی کیلئے پیدا ہوئے ہیں اور ان کے اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتے ہیں۔ ہوگا وہی جو وہ چاہیں گے۔ ایک حدیث میں فرمایا اجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ۔ یعنی رزق اور اپنی حاجات کے حاصل کرنے کیلئے متوسط درجہ کی طلب اور مادی اسباب کے ذریعہ کوشش کر لو پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو اپنے دل و دماغ کو صرف مادی تدبیروں اور اسباب ہی میں نہ الجھا رکھو۔

چوتھی صفت اقامت صلوٰۃ

چوتھی صفت مومن کی اقامت صلوٰۃ بتلائی۔ اس میں یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ یہاں نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ نماز کی اقامت کا ذکر ہے۔ اقامت کے لفظی معنی کسی چیز کو سیدھا کھڑا کرنے کے ہیں۔ مراد اقامت صلوٰۃ سے یہ ہے کہ نماز کو پورے آداب و شرائط کے ساتھ اس طرح بجالائے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و عمل سے بتائے ہیں۔ آداب و شرائط میں کوتاہی ہوئی تو اسکو نماز پڑھنا تو کہہ سکتے ہیں مگر اقامت صلوٰۃ نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید میں نماز کے جو فوائد اور آثار و برکات ذکر کی ہیں اور فرمایا گیا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ

والمنکر۔ یعنی نماز روکتی ہے بے حیائی اور برے کاموں سے۔ یہ بھی اقامت صلوٰۃ ہی پر موقوف ہے جب نماز کے آداب میں کوتاہی ہوئی تو گو فتوی کی رو سے اس کی نماز کو جائز ہی کہا جائے مگر نماز کی برکات میں کوتاہی کی مقدار پر فرق پڑ جائیگا۔ اور بعض صورتوں میں ان برکات سے کلی طور پر محرومی ہو جاتی ہے۔

پانچویں صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

پانچویں صفت مرد مومن کی یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسکو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا عام ہے تمام صدقات و خیرات اور وقف وصل کو جس میں زکوٰۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ واجبات شرعیہ بھی داخل ہیں اور نفلی صدقات و تبرعات بھی، مہمانوں، دوستوں، بزرگوں کی مالی خدمت بھی۔

مرد مومن کی یہ پانچ صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یعنی یہی لوگ سچے مومن ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں اور زبان اور دل متفق ہیں ورنہ جن میں یہ صفات نہیں وہ زبان سے تو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے ہیں مگر ان کے دلوں میں نہ توحید کا رنگ نہ اطاعت رسول کا۔ ان کے عمال اور ان کے اقوال کی تردید کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے جب وہ حاصل نہ ہو تو حق حاصل نہیں ہوتا۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا اے ابو سعید کیا آپ مومن ہیں۔ تو آپ نے فرمایا بھائی ایمان دو قسم کے ہیں۔ تمہارے سوال کا مطلب اگر یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر اور جنت دوزخ اور قیامت اور حساب پر ایمان رکھتا ہوں تو جواب یہ ہے کہ بیشک میں مومن ہوں۔ اور اگر تمہارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ مومن کامل ہوں جس کا ذکر سورۃ انفال کی آیات میں ہے تو مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ان میں داخل ہوں یا نہیں۔ سورۃ انفال کی آیات سے وہی آیات مراد ہیں جو ابھی آپ نے سنی ہیں۔ آیات مذکورہ میں سچے مومن کی صفات و علامات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

اس میں سچے مومنین کیلئے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا۔ ایک درجات عالیہ، دوسرے مغفرت تیسرے رزق عمدہ۔ تفسیر بحر محیط میں ہے کہ اس سے پہلی آیات میں سچے مومنین کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق قلب اور باطن کیساتھ ہے جیسے ایمان، خوف خدا، توکل علی اللہ، دوسرے وہ جن کا تعلق جسمانی اعمال سے ہے جیسے نماز وغیرہ، تیسرے وہ جن کا تعلق انسان کے مال سے ہے جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

ان تینوں قسموں کے بالمقابل تین انعاموں کا ذکر آیا ہے۔ درجات عالیہ قلبی اور باطنی صفات کے مقابلہ میں اور مغفرت ان اعمال کے مقابلہ میں جو انسان کے ظاہر بدن سے متعلق ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور رزق کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے بالکل مناسب آیا ہے کہ جو کچھ خرچ کیا اس سے بہت بہتر اور بہت زیادہ اسکو آخرت میں ملے گا۔ (از معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

تیسری آیت

اقامت صلوٰۃ کا حکم

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ.

ترجمہ: ...اور قائم کرو نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے، بیشک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو، یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو۔

تفسیر: ...اس آیت میں رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے آپ کو اور آپ کی پوری امت کو اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے علماء تفسیر صحابہ و تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ "صلوٰۃ" سے مراد اس جگہ فرض نمازیں ہیں (بحر محیط، قرطبی) اور "صلوٰۃ کی اقامت" سے مراد اس کی پوری پابندی اور مداومت ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کو اس کے تمام آداب کیساتھ ادا کرنا مراد ہے، بعض نے فرمایا کہ نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔ یہ تینوں قول آیت "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" کی تفسیر میں منقول ہیں اور در حقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں یہ سبھی چیزیں "اقامت صلوٰۃ" کے مفہوم میں شامل ہیں۔

اقامت صلوٰۃ کا حکم دینے کے بعد نماز کے اوقات کا اجمالی بیان یہ ہے کہ "دن کے دونوں سروں یعنی شروع اور آخر میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو"۔ کیونکہ زلفاً زلفۃ کی جمع ہے جس کے معنی ایک حصہ اور قطعہ کے ہیں، دن کے دونوں سروں کی نماز کے متعلق اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ پہلے سرے کی نماز نماز فجر ہے، آخری سرے کی نماز بعض حضرات نے مغرب کو قرار دیا ہے کہ دن کے بالکل ختم پر ہے، اور بعض حضرات نے عصر کی نماز کو دن کے آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے کیونکہ دن کی آخری نماز وہی ہے، وقت مغرب دن کا جز نہیں بلکہ دن گزرنے کے بعد آتا ہے، اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ یعنی رات کے حصوں کی نماز سے مراد جمہور مفسرین حسن بصریؒ، مجاہدؒ، محمد بن کعبؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ وغیرہ نے مغرب و عشاء کی نماز کو قرار دیا ہے، اور ایک حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے

جس میں ارشاد فرمایا ہے: وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ مغرب وعشاء ہیں (تفسیر ابن کثیر) جبکہ طَرَفَيِ النَّهَارِ سے مراد صبح اور عصر کی نماز ہوئی اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے مغرب وعشاء کی تو اس آیت میں چار نمازوں کے اوقات کا بیان آ گیا صرف ظہر کی نماز کا بیان رہ گیا جو دوسری آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ میں آیا ہے۔

اس آیت میں اوقات مذکورہ میں ''اقامت صلوٰۃ'' کے حکم کے بعد ان کا ایک عظیم فائدہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ یعنی نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ''نیک کام'' سے تمام نیک کام مراد ہیں جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ سب داخل ہیں مگر نماز کو ان سب میں اولیت حاصل ہے، اسی طرح ''سیئات'' کا لفظ برے کاموں کو حاوی اور شامل ہے خواہ وہ کبیرہ گناہوں یا صغیرہ، لیکن قرآن مجید کی ایک دوسری آیت نیز رسول کریم ﷺ کے متعدد ارشادات نے اسکو صغیرہ گناہوں کیساتھ مخصوص قرار دیا ہے، معنی یہ ہیں کہ نیک کام جن میں نماز سب سے افضل ہے صغیرہ گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں اور ان کے گناہ کو مٹا دیتے ہیں قرآن کریم میں ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ. یعنی اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا خود کفارہ کر دیں گے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں جو انکے درمیان صادر ہوں۔ جبکہ یہ شخص کبائر یعنی بڑے گناہوں سے بچ رہا ہو مطلب یہ ہے کہ بڑے گناہ تو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے مگر چھوٹے گناہ دوسرے نیک کام نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ کرنے سے خود بھی معاف ہو جاتے ہیں مگر تفسیر بحر محیط میں محققین علماء اصول کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صغیرہ گناہ بھی نیک کام کرنے سے جبھی معاف ہو جاتے ہیں جبکہ آدمی ان کے کرنے پر نادم ہو اور آئندہ کیلئے نہ کرنے کا ارادہ کرے اور ان پر اصرار نہ کرے، روایات حدیث میں جتنے واقعات کفارہ ہو جانے کے منقول ہیں ان سب میں یہ تصریح بھی ہے کہ انکا کرنے والا جب اپنے فعل پر نادم ہوا اور آئندہ کیلئے توبہ کرے اس پر حضرت محمد ﷺ نے اسکو گناہ معاف ہو جانے کی بشارت سنائی۔ والله

اعلم۔ مشہور و معروف روایات حدیث میں کبائر یعنی بڑے گناہ ان چیزوں کو بتلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک یا برابر قرار دینا، قصداً کسی فرض نماز کا چھوڑنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، حرامکاری، چوری، شراب نوشی، ماں باپ کی نافرمانی، جھوٹی قسم، جھوٹی گواہی، جادو کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال ناجائز طور پر لے لینا، میدان جہاد سے بھاگ آنا، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا، کسی کا مال ناجائز طور پر غصب کرنا، عہد شکنی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، کسی کو گالی دینا، کسی شخص کو ناحق مجرم قرار دے دینا، وغیرہ۔ کبیرہ اور صغیرہ یعنی بڑے اور چھوٹے گناہوں کی تفصیل مستقل رسالوں میں علماء نے لکھدی ہیں، میرے (یعنی حضرت مفتی شفیع عثمانی) رسالہ گناہ بے لذت میں بھی مذکور ہے وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔

بہرحال آیت مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نیک کام کرنے سے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ برے کام کے بعد نیک کام کر لو تو وہ اسکی برائی مٹا دیگا، اور فرمایا کہ لوگوں کیساتھ خوش خلقی کیساتھ معاملہ کرو۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے آپ نے فرمایا "اگر تم سے کوئی گناہ ہو جائے تو اسکے بعد کوئی نیک کام کر لو تا کہ وہ اسکو مٹا دے۔ درحقیقت ان احادیث میں گناہ دھونے کا مسنون و محمود طریقہ بتلایا گیا ہے جیسا کہ مسند احمد میں بروایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اسکو چاہیے کہ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل ادا کر لے تو اس گناہ کی معافی ہو جائے گی اس نماز کو نماز توبہ بھی کہا جاتا ہے۔ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ، یعنی یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کیلئے۔ اس میں ذٰلک کا اشارہ قرآن کریم کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور احکام امر و نہی کی طرف بھی، جن کا ذکر اس سے پہلے آیا ہے مراد یہ ہے کہ یہ قرآن یا اسکے مذکورہ احکام ان لوگوں کیلئے ہدایت و نصیحت ہیں جو نصیحت سننے اور ماننے کے عادی ہیں اس میں اشارہ یہ ہے کہ ہٹ دھرم ضدی آدمی، جو کسی چیز پر غور ہی نہ کرے وہ ہر ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ (از معارف القرآن)

چوتھی آیت

ہماری زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ.

ترجمہ:... اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

تفسیر:... یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے، اسی لئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ و عیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی جامع ترین سورہ نحل میں یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ (ابن کثیر)

اور حضرت اکثم بن صیفیؓ تو اسی آیت کی بناء پر اسلام میں داخل ہوئے، امام ابن کثیرؒ نے حافظ حدیث ابو یعلیٰ کی کتاب معرفۃ الصحابہ میں سند کیساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی اپنی قوم کے سردار تھے جب ان کو رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت اور اشاعت اسلام کی خبر ملی تو ارادہ کیا کہ حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں مگر قوم کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب کے بڑے ہیں، آپ کا خود جانا مناسب نہیں، اکثمؓ نے کہا اچھا تو قبیلے کے دو آدمی کو منتخب کرو جو وہاں جائیں اور حالات کا جائزہ لے کر مجھے بتلائیں۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم بن صیفی کی طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کیلئے آئے ہیں، اکثم کے دو سوال یہ ہیں مَنْ اَنْتَ وَمَا اَنْتَ آپ کون ہیں اور کیا ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں، اور دوسرے

سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا بندہ اور اسکا رسول ہوں، اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۂ نحل کی یہ آیت تلاوت فرمائی: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ الآیۃ. ان دونوں قاصدوں نے درخواست کی کہ یہ جملے ہمیں پھر سنا دیجئے، تو آپ ﷺ اس آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان قاصدوں کو آیت یاد ہوگئی، قاصد واپس اکثم بن صیفی کے پاس آئے اور بتایا کہ ہم نے پہلے سوال میں چاہا تھا کہ آپ کا نسب معلوم کریں، مگر آپ ﷺ نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی، صرف باپ کا نام بیان کر دینے پر اکتفاء کیا، مگر جب ہم نے دوسروں سے آپ ﷺ کے نسب کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب شریف ہیں، اور پھر بتایا کہ حضرت محمد ﷺ نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم بیان کرتے ہیں، ان قاصدوں نے آیت مذکورہ اکثم بن صیفی کو سنائی، آیت سنتے ہی اکثم نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور برے اور رذیل اخلاق سے روکتے ہیں تم سب ان کے دین میں جلد داخل ہو جاؤ، تا کہ تم دوسرے لوگوں سے مقدم اور آگے رہو، پیچھے تابع بن کر نہ رہو۔ (ابن کثیر)

اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں سے کہنے سننے سے شرما شرمی اسلام قبول کر لیا تھا، مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں تھا، یہاں تک کہ ایک روز میں حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، اچانک آپ ﷺ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے، اور بعض عجیب حالات کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اس واقعہ کو دیکھ کر اور یہ آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط اور مستحکم ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔

اور جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے تلاوت فرمائی تو اس کا تاثر یہ تھا جو اس نے اپنی قوم قریش کے سامنے بیان کیا:

واللہ ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اصلہ لمورق واعلاہ لمثمر وما ھو بقول بشر "خدا کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے، یہ کسی انسان کا کلام

ہرگز نہیں ہو سکتا"۔

تین چیزوں کا حکم اور تین چیزوں کی ممانعت

اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے: عدل، احسان، اور اہل قرابت کو بخشش، اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے: فحش کام، اور ہر برا کام، اور ظلم و تعدی۔ ان چھ الفاظ کی شرعی مفہوم اور اس کے حدود کی تشریح یہ ہے۔

عدل: اس لفظ کے اصلی اور لغوی معنی برابر کرنے کے ہیں، اسی کی مناسبت سے حکام کا لوگوں کے نزاعی مقدمات میں انصاف کیساتھ فیصلہ عدل کہلاتا ہے قرآن کریم میں ان تحکموا بالعدل اسی معنی کیلئے آیا ہے اور اسی لحاظ سے لفظ عدل افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کو بھی کہا جاتا ہے، اور اسی کی مناسبت سے بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ لفظ عدل کی تفسیر ظاہر و باطن کی برابری سے کی ہے یعنی جو قول یا فعل انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہو اور باطن میں بھی اس کا وہی اعتقاد اور حال ہو اور اصل حقیقت یہی ہے کہ یہاں لفظ عدل اپنے عام معنی میں ہے، جو ان سب صورتوں کو شامل ہے جو مختلف ائمہ تفسیر سے منقول ہیں، ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں۔

اور ابن عربی نے فرمایا کہ لفظ عدل کے اصلی معنی برابری کرنے کے ہیں، پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے، مثلاً ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اس کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے، اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔

دوسرا عدل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کیساتھ عدل کا معاملہ کرے، وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو، اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اس کیلئے انجام کار مضر ہوں اور قناعت و صبر سے کام لے، نفس پر بلا وجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔

تیسرا عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام

مخلوقات کیساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے، اور کسی ادنیٰ یا اعلیٰ معاملہ میں بھی کسی سے خیانت نہ کرے سب لوگوں کیلئے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے، کسی انسان کو آپ کے کسی قول وفعل سے ظاہر وباطن کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔

اسی طرح ایک عدل یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملہ کا محاکمہ اس کے پاس لائیں تو فیصلہ میں کسی کی طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے، اور ایک عدل یہ بھی ہے کہ ہر معاملہ میں افراط وتفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے، ابوعبداللہ رازیؒ نے یہی معنی اختیار کر کے فرمایا ہے کہ لفظ عدل میں عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔ (بحر)

امام قرطبیؒ نے عدل کے مفہوم میں اس تفصیل کا ذکر کر کے فرمایا کہ بہت بہتر ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کا صرف لفظ عدل تمام اعمال واخلاق حسنہ کی پابندی اور برے اعمال واخلاق سے اجتناب کو حاوی اور جامع ہے۔

الاحسان: اس کے اصل لغوی معنی اچھا کرنے کے ہیں، اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ فعل یا خلق وعادت کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرے، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے شخص کیساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے، اور دوسرے معنی کیلئے عربی زبان میں لفظ احسان کیساتھ حرف "الیٰ" استعمال ہوتا ہے جیسا ایک آیت میں اَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ فرمایا ہے۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ آیت میں یہ لفظ اپنے عام مفہوم کیلئے مستعمل ہوا ہے، اس لئے احسان کی دونوں قسموں کو شامل ہے، پھر پہلی قسم کا احسان یعنی کسی کام کو اپنی ذات میں اچھا کرنا یہ بھی عام ہے عبادات کو اچھا کرنا، اعمال واخلاق کو اچھا کرنا، معاملات کو اچھا کرنا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی مشہور حدیث میں خود حضرت محمد ﷺ نے احسان کے جو معنی بیان فرمائے ہیں، وہ احسان عبادت کیلئے ہے، اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر استحضار کا یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین تو ہر شخص کو ہونا ہی چاہئے کہ حق تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہے ہیں، کیونکہ یہ تو اسلامی عقیدہ کا اہم جز ہے کہ حق تعالیٰ کے علم وبصر سے کائنات کی کوئی ذرہ خارج نہیں رہ سکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسرا حکم اس آیت میں احسان کا آیا ہے، اس میں عبادت کا احسان حدیث کی تشریح کے مطابق بھی داخل ہے، اور تمام اعمال، اخلاق، عادات کا احسان یعنی ان کو مطلوبہ صورت کے مطابق بالکل صحیح و درست کرنا بھی داخل ہے، اور تمام مخلوقات کیساتھ اچھا سلوک کرنا بھی داخل ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔

اس آیت میں اول عدل کا حکم دیا گیا پھر احسان کا بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اسکو دیدے اور اپنا وصول کرلے، نہ کم نہ زیادہ، اور کوئی تکلیف تمہیں پہنچائے تو ٹھیک اتنی ہی تکلیف تم اسکو پہنچاؤ، نہ کم نہ زیادہ، اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق میں چشم پوشی سے کام لو، کچھ کم ہو جائے تو بخوشی قبول کرلو، اسی طرح دوسرا کوئی تمہیں ہاتھ یا زبان سے ایذا پہنچائے تو تم برابر کا انتقام لینے کے بجائے اسکو معاف کردو، بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو، اسی طرح عدل کا حکم تو فرض و واجب کے درجہ میں ہوا اور احسان کا حکم نفلی اور تبرع کے طور پر ہوا۔

اِیْتَائِ ذِی الْقُرْبٰی، تیسرا حکم جو اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اِیْتَائِ ذِی الْقُرْبٰی، ہے، ایتاء کے معنی عطا یعنی کوئی چیز دینے کے ہیں، اور لفظ قربیٰ کے معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں، ذوی القربیٰ کے معنی رشتہ دار، ذوی رحم، ایتاء ذی القربیٰ کے معنی ہوئے رشتہ دار کو کچھ دینا، یہاں اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ کیا چیز دینا، لیکن ایک دوسری آیت میں اس کا مفعول مذکور ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی، "یعنی دو رشتہ دار کو اس کا حق" ظاہر یہی ہے کہ یہاں بھی یہی مفعول مراد ہے، کہ رشتہ دار کو اس کا حق دیا جائے، اس حق میں رشتہ دار کو مالی دے کر اس کی خدمت کرنا بھی داخل ہے، اور جسمانی خدمت بھی، بیمار پرسی اور خبر گیری بھی، زبانی تسلی اور ہمدردی کا اظہار بھی، اور اگرچہ لفظ احسان میں رشتہ داروں کا حق ادا کرنا بھی داخل تھا مگر اسکی زیادہ اہمیت جتلانے کیلئے علیحدہ بیان فرمایا گیا۔

یہ تین حکم ایجابی تھے، آگے تین ممانعت و حرمت کے احکام ہیں۔

وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے فحشاء اور منکر اور بغی سے۔ فحش ہر ایسے برے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی اور واضح ہو، ہر شخص اس کو برا سمجھے اور منکر وہ قول و فعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو، اس لئے اجتہادی اختلافات میں کسی جانب کو منکر نہیں کہا جا سکتا اور لفظ منکر میں تمام گناہ ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی سب داخل ہیں، اور بغی کے اصلی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں مراد اس سے ظلم و عدوان ہے، یہاں اگرچہ لفظ منکر کے مفہوم میں فحشاء بھی داخل ہے اور بغی بھی، لیکن فحشاء کو اس کی انتہائی برائی اور شناعت کی وجہ سے الگ کر کے بیان فرما دیا اور مقدم کیا، اور بغی کو اس لئے الگ کیا کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ تعدی باہمی جنگ و جدل تک یا اس سے بھی آگے عالمی فساد تک پہنچ جاتی ہے۔

حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ظلم کے سوا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب جلد دیا جاتا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ظلم پر آخرت کا عذاب شدید تو ہونا ہی ہے اس سے پہلے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ظالم کو سزا دیتے ہیں، اگرچہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ فلاں ظلم کی سزا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت نے جو چھ حکم ایجابی اور تحریمی دیئے ہیں اگر غور کیا جائے تو انسان کی انفرادی اجتماعی زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر ہیں۔

(از معارف القرآن، مفتی اعظم)

پانچویں آیت

اپنی محبوب چیز کے ذریعہ نیکی کا کمال حاصل کیجئے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

ترجمہ......تم ہرگز حاصل نہ کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو معلوم ہے۔

تفسیر......اس آیت میں مومنین کو صدقہ مقبول اور اس کے آداب بتلائے گئے ہیں۔ اس آیت کے الفاظ میں سب سے پہلے لفظ "بر" کے معنی اور اس کی حقیقت کو سمجھئے تاکہ آیت کا پورا مفہوم صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکے۔ لفظ "بر" کے لغوی اور حقیقی معنی ہیں کسی شخص کے حقوق کی پوری ادائیگی، اور اس سے کامل خیر و نیکی اور احسان اور حسن سلوک کے معنی میں بھی آتا ہے۔ "بار" یا "بر" اس شخص کیلئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے ذمہ عائد ہونے والے حقوق کو پوری طرح ادا کرے۔ قرآن کریم میں "بَرًّا بِوَالِدَتِيْ" اور "بَرًّا بِوَالِدَيْهِ" اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ان حضرات کیلئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اپنے والدین کے حقوق کو مکمل طور پر ادا کرنے والے تھے۔ اسی لفظ "بار" کی جمع "ابرار" ہے، جو قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوئی ہے۔ ارشاد ہے: اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا، اور دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ، اور ایک جگہ ارشاد ہے: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ۔ اس آخری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "بر" کا مقابل اور ضد "فجور" ہے۔

امام بخاری کے ادب المفرد میں اور ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سچ بولنے کو لازم پکڑو کیونکہ "صدق" "بر" کا ساتھی ہے اور وہ دونوں جنت میں ہیں، اور جھوٹ سے بچو کیونکہ وہ فجور کا ساتھی ہے اور یہ دونوں دوزخ میں ہیں۔

اور سورۂ بقرۃ آیت میں مذکور ہے کہ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

اس آیت میں نیک اعمال کی فہرست دے کر ان سب کو "بر" فرمایا گیا ہے، مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ اعمال "بر" میں افضل ترین یہ ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے، آیت مذکورہ میں ارشاد ہے تم ہرگز بر کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو، تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کی مکمل ادائیگی اور اس سے پوری سبکدوشی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اپنی محبوب اور پیاری چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کریں، اسی مکمل ادائیگی کو خیر کامل یا نیکی میں کمال یا ثواب عظیم سے ترجمہ کیا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ابرار کی صفت میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کی جائیں۔

آیت مذکورہ اور صحابہ کرام کا جذبۂ عمل

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو قرآنی احکام کے اولین مخاطب اور رسول کریم ﷺ کے بلاواسطہ اور احکام قرآنی کی تعمیل کے عاشق تھے، اس آیت کے نازل ہونے پر ایک ایک نے اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی، اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے حضرت محمد ﷺ کے سامنے درخواستیں ہونے لگیں، انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار حضرت ابو طلحہؓ تھے، مسجد نبوی کے بالکل مقابل اور متصل ان کا باغ تھا، جس میں ایک کنواں بیرحاء کے نام سے موسوم تھا، اب اس کی باغ کی جگہ تو باب مجیدی کے سامنے اصطفا منزل کے نام سے ایک عمارت بنی ہوئی ہے جس میں زائرین مدینہ قیام کرتے ہیں مگر اس کے شمال مشرقی گوشے میں بیرحاء اسی نام سے اب تک موجود ہے، رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء کا پانی پیتے تھے، آپ کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت ابو طلحہ کا یہ باغ بڑا قیمتی اور زرخیز اور ان کو اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت کے نازل ہونے پر وہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میرے تمام اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو صرف کر دیں، آپ نے فرمایا وہ تو عظیم الشان

منافع کو باغ ہے میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے اقرباء میں تقسیم کردیں، حضرت ابوطلحہؓ نے حضرت محمد ﷺ کے اس مشورہ کو قبول فرما کر اپنے اقرباء اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم فرمادیا (یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات صرف وہ نہیں جو عام فقراء اور مساکین پر صرف کی جائے اپنے اہل وعیال اور عزیز رشتہ داروں کو دینا بھی بڑی خیرات اور موجب ثواب ہے۔

حضرت زید بن حارثہؓ اپنا ایک گھوڑا لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنی املاک میں یہ سب سے زیادہ محبوب ہے میں اسکو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا لیکن ان سے لے کر انہی کے صاحبزادے اسامہؓ کو دیدیا، زید بن حارثہؓ اس پر کچھ دلگیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر میں واپس آگیا لیکن آنحضرت محمد ﷺ نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ صدقہ قبول کرلیا ہے (تفسیر معارف القرآن)

چند اور واقعات

اسی طرح کے چند اور واقعات ملاحظہ فرمائیے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے اس آیت شریفہ کا معلوم ہوا تو میں نے ان سب چیزوں میں غور کیا جو اللہ جل شانہ نے مجھے عطا فرمائی تھیں میں نے دیکھا کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب اپنی باندی مرجانہ ہے۔ میں نے کہا کہ وہ اللہ کے واسطے آزاد ہے۔ اس کے بعد اگر میں اس چیز سے جس کو اللہ کے واسطے دے چکا ہوں دوبارہ نفع حاصل کرنا گوارا کرتا تو اس باندی سے آزاد کردینے کے بعد نکاح کرلیتا (کہ وہ جائز تھا اور اس سے صدقہ میں کوئی نقصان نہ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس میں صورت صدقہ میں رجوع کی سی تھی) یہ مجھے گوارا نہ ہوا اس لئے اس کا نکاح اپنے غلام حضرت نافعؓ سے کردیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے تلاوت میں جب اس آیت شریفہ میں پہنچے تو نماز ہی میں اشارہ سے اپنی ایک باندی کو آزاد کردیا۔ حق تعالیٰ شانہ اور اسکے پاک رسول ﷺ کے ارشادات کی وقعت اور ان پر عمل کرنے میں جتنی قدر کو ان حضرات صحابہ کرامؓ سے [illegible] اتباع ان کے حق میں تھے حضور ﷺ کے شیدائی ہو جاتے۔

حضور ﷺ کی خدمت انہی حضرات کے شایان شان تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ جلولاء کی باندیوں میں سے ایک باندی ان کیلئے خرید لیں۔ انہوں نے ایک بہترین باندی خرید کر بھیج دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس باندی کو اپنے پاس بلایا اور یہ آیت شریفہ پڑھی اور اسکو آزاد کر دیا۔

قبیلہ بنی سلیم کے ایک شخص کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ربذہ نام ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ وہاں ان کے پاس اونٹ تھے اور انکا چرانے والا ایک ضعیف آدمی تھا۔ میں بھی وہاں ان کے قریب ہی رہتا تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ آپ کے چرواہے کی مدد کروں گا اور آپ سے فیض حاصل کروں گا۔ شاید اللہ جل شانہ آپ کی برکت سے مجھے بھی نفع عطا فرمادیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا ساتھی وہ ہے (یعنی ایسے شخص کو میں اپنا ساتھی بنا سکتا ہوں) جو میرا کہنا مانے۔ اگر تم اس کیلئے تیار ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ میرے ساتھ رہنے کا ارادہ نہ کرو۔ میں نے پوچھا کہ آپ کس چیز میں میری اطاعت چاہتے ہیں۔ فرمایا جب میں کوئی چیز کسی کو دینے کیلئے مانگوں تو سب سے بہتر چھانٹ کر دو۔ میں نے قبول کر لیا اور ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہا۔ ان کو معلوم ہوا کہ اس گھاٹ پر جو لوگ آباد ہیں ان کو تنگی ہے۔ مجھ سے فرمایا کہ ایک اونٹ میرے اونٹوں میں لاؤ۔ میں نے حسب وعدہ تلاش کیا تو ان سب میں بہترین ایک اونٹ نر تھا جو بہت سدھا ہوا تھا۔ اس جیسا کوئی یا تو ان میں نہیں تھا۔ میں نے اس کے لے جانے کا ارادہ کیا لیکن مجھے خیال ہوا کہ اس کی خوبیاں بھی (جفتی وغیرہ کیلئے) ضرورت رکھتی ہے، اس کو چھوڑ کر دوسری اونٹوں میں جو سب سے افضل اور بہتر جو نر تھا وہ ایک اونٹنی تھی میں اسکو لے گیا۔ اتفاق سے حضرت کی نظر اس اونٹ پر پڑھ گئی جسکو میں نے مصلحت کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ تم نے مجھ سے خیانت کی ہے۔ میں سمجھ گیا اور اس اونٹ کو واپس آ کر وہ اونٹ لے گیا۔ حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دو آدمی ایسے چاہئیں جو ایک ثواب کا کام کریں۔ دو شخصوں نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ ہم حاضر ہیں۔ فرمایا کہ تم میں کوئی عذر نہ ہو تو اس اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کے اتنے ٹکڑے کرتے جاؤ جتنے گھر اس گھاٹ پر آباد ہیں اور سب گھروں میں ایک ایک ٹکڑا اس گوشت کا پہنچا دو اور میرا گھر بھی ان میں شمار کر لینا جتنے وہاں سب کی

اتنا ہی جائے جتنا جتنا اور گھروں میں جائے زیادہ نہ جائے۔ ان دونوں نے قبول کرلیا اور تعمیل ارشاد کروئی۔ جب اس سے فارغ ہوگئے تو مجھے بلایا اور فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ تم میرے اس وعدہ کو جو شروع میں ہوا تھا بھول گئے تھے تب تو میں معذور سمجھتا ہوں، یا تم نے یاد ہوتے کے اسکو پس پشت ڈال دیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھولا تو نہیں تھا، مجھے وہ یاد تھا لیکن جب میں نے تلاش کیا اور یہ اونٹ سب سے افضل ملا تو مجھے آپ کی ضرورت کا خیال پیدا ہوا کہ آپ کو خود اسکی ضرورت ہے۔

فرمانے لگے محض میری ضرورت کی وجہ سے چھوڑا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ محض اسی ضرورت کی وجہ سے چھوڑا تھا۔ فرمانے لگے کہ میں اپنی ضرورت کا وقت بتاؤں، میری ضرورت کا وقت وہ ہے جب میں قبر کے گڑھے میں ڈال دیا جاؤں گا۔ وہ دن میری محتاجی کا دن ہوگا۔ تیرے ہر مال میں تین شریک ہیں۔ ایک تو مقدر شریک ہے۔ معلوم نہیں کہ تقدیر اچھے کام کو لے جائے یا برے کو، وہ کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی (یعنی جس مال کو میں عمدہ اور بہتر اور اپنے دوسرے وقت کیلئے کارآمد سمجھ کر چھوڑ دوں، معلوم نہیں کہ وہ میرے دوسرے وقت کام آسکے گا یا نہیں، تو پھر اسی وقت کیوں نہ اس کو آخرت کا ذخیرہ بنا کر اللہ کے بنک میں جمع کردوں)۔ دوسرا شریک وارث ہے جو ہر وقت اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب تو گڑھے میں جاوے تاکہ وہ سارا مال وصول کرے۔ تیسرا تو خود اس مال کا شریک ہے (کہ اپنے کام میں لا سکتا ہے) پس اس کی کوشش کر کہ تو تینوں شریکوں میں کم حصہ پانے والا نہ ہو (ایسا نہ ہو کہ مقدر اسکو لے اڑے کہ وہ ضائع ہوجائے، یا وارث لے اڑے اس سے بہتر یہی ہے کہ تو اسکو جلدی سے حق تعالیٰ شانہ کے خزانے میں جمع کردے)۔ اس کے علاوہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. اور یہ اونٹ جب مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو کیوں نہ اس کو اپنے لئے مخصوص کرکے محفوظ کرلوں اور آگے بھیج دوں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ ایک جانور کا گوشت حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے خود اسکو پسند نہیں کیا مگر وہ دوسروں کو کھانے سے منع بھی نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اسکو فقیروں کو دیدو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایسی چیزیں انکو مت دو جس کو خود کھانا پسند نہیں کرتی ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ شکر خرید کر غرباء پر تقسیم کر دیتے۔ حضرت کے خادم نے عرض کیا کہ اگر شکر کی بجائے کھانا دیا جایا کرے تو تو غرباء کو اس سے زیادہ نفع ہو۔ فرمایا صحیح ہے میرا بھی یہی خیال ہے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. اور مجھے شکر (میٹھا) زیادہ مرغوب ہے۔ یہ حضرات کسی چیز کو افضل سمجھتے ہوئے بھی حق تعالیٰ شانہ اور اسکے پاک رسول ﷺ کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنے کی اکثر کوشش کیا کرتے تھے۔ اسکی بہت سی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ محبت کی انتہا ہے کہ محبوب کی زبان سے نکلی ہوئی بات پر عمل کرنا ہے چاہے افضل دوسری چیز ہو۔ (درمنثور۔ صدقات)

آیت مذکورہ کا حاصل

الغرض آیات متذکرہ کا حاصل یہ ہے کہ حق اللہ کی مکمل ادائیگی اور نیکی کا کمال جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ آدمی اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ آیت مذکورہ میں چند مسائل قابل نظر اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اول یہ کہ اس آیت میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے اس سے مراد بعض حضرات مفسرین کے نزدیک صدقات واجبہ زکوٰۃ وغیرہ ہیں اور بعض کے نزدیک صدقات نافلہ ہیں لیکن جمہور محققین نے اسکے مفہوم کو صدقات واجبہ اور نفلیہ دونوں میں عام قرار دیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات متذکرہ بالا اس پر شاہد ہیں کہ ان کے یہ صدقات صدقات نفلیہ تھے۔

اسلئے مفہوم آیت کا یہ ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں جو صدقہ بھی ادا کرو خواہ زکوٰۃ جو فرض ہو یا کوئی نفلی صدقہ خیرات ان سب میں مکمل فضیلت اور ثواب جب ہے کہ اپنی محبوب اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ نہیں کہ صدقہ کو تاوان کی طرح سر سے ٹالنے کیلئے فالتو، بیکار یا خراب چیزوں کا انتخاب کرو قرآن کریم کی دوسری ایک آیت میں اس کے مضمون کو اور زیادہ واضح اس طرح بیان فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ.

"اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے اس میں سے عمدہ چیزوں کو چھانٹ کر اس میں سے خرچ کرو اور ردی کی چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو حالانکہ وہ چیزیں اگر تمہارے حق کے بدلے میں تمہیں دی جائیں تو تم ہرگز قبول نہ کرو گے مگر اسکے کہ کسی وجہ سے چشم پوشی کر جاؤ"۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ خراب اور بیکار چیزوں کا انتخاب کر کے صدقہ کرنا مقبول نہیں، بلکہ صدقہ مقبولہ جس پر مکمل ثواب ملتا ہے وہی ہے جو محبوب اور پیاری چیزوں میں سے خرچ کیا جائے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیت میں لفظ مِمَّا سے اشارہ کر دیا گیا ہے کہ یہ مقصود نہیں ہے کہ جتنی چیزیں اپنے نزدیک محبوب اور پیاری ہیں ان سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جتنا بھی خرچ کرتا ہے اس میں اچھی اور پیاری چیز دیکھ کر خرچ کریں تو مکمل ثواب کے مستحق ہوں گے۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ محبوب چیز خرچ کرنے صرف اسی کا متعین کہ کوئی بڑی قیمت کی چیز خرچ کی جائے، بلکہ جو چیز کسی کے نزدیک عزیز اور محبوب ہے خواہ وہ کتنی ہی قلیل اور قیمت کے اعتبار سے کم ہو اس کے خرچ کرنے سے بھی اس "بِرّ" کا مستحق ہو جائیگا، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جو چیز آدمی اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرے وہ اگرچہ ایک کھجور کا دانہ ہی ہو اس سے بھی انسان اس ثواب عظیم اور برّ کامل کا مستحق ہو جاتا ہے جس کا اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جس خیر عظیم اور برّ کا ذکر ہے اس سے وہ غریب لوگ محروم رہیں گے جن کے پاس خرچ کرنے کے لئے مال نہیں، کیونکہ آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ خیر عظیم بغیر محبوب مال خرچ کئے حاصل نہیں کی جا سکتی اور فقراء و مساکین کے پاس مال ہی نہیں جس کے ذریعے ان کی یہاں تک رسائی ہو، لیکن غور کیا جائے تو آیت کا یہ مفہوم نہیں کہ خیر عظیم اور ثواب عظیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بجز مال محبوب کے خرچ کرنے کے ان کا یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ خیر عظیم کسی دوسرے ذریعے سے مثلاً عبادات، ذکر اللہ، تلاوت قرآن، کثرت نوافل سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے، اس لئے فقراء و غرباء کو بھی یہ خیر عظیم دوسرے ذرائع سے حاصل ہو سکتی ہے، جیسا کہ بعض روایات حدیث میں صراحۃً بھی یہ مضمون آیا ہے۔

پانچواں مسئلہ: یہ ہے کہ مال کے محبوب ہونے سے کیا مراد ہے؟ قرآن کی دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اس کے کام میں آرہی ہو اور اس کو اس چیز کی حاجت ہو خواہ تندرست ہو یا بیمار ہو، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو حاجتمندوں کو کھانا کھلاتے ہیں، باوجود اس کے کہ اس کھانے کی ان کو بھی ضرورت ہے۔

اسی طرح دوسری آیت میں اسی مضمون کی مزید وضاحت اس طرح فرمائی کہ اللہ کے نیک بندے اپنے اوپر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود بھی حاجتمند ہوں۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ آیت میں بتلایا گیا ہے کہ خیر کامل اور ثواب عظیم اور صف ابرار میں داخلہ اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ کریں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرورت سے زائد فالتو مال خرچ کرنے والے کو کوئی ثواب ہی نہ ملے، بلکہ آیت کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے کہ تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے، آیت کے اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ خیر کامل اور صف ابرار میں داخلہ تو محبوب چیز خرچ کرنے پر موقوف ہے لیکن مطلق ثواب سے کوئی صدقہ خالی نہیں خواہ محبوب چیز خرچ کریں یا زائد اور فالتو اشیاء، ہاں مکروہ اور ممنوع یہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرلے کہ جب خرچ کرے فالتو اور خراب چیز کا انتخاب کر کے خرچ کیا کرے، لیکن جو شخص صدقہ خیرات میں اپنی محبوب اور عمدہ چیزیں بھی خرچ کرتا ہے اور اپنی ضرورت سے زائد چیزیں، بچا ہوا کھانا یا پرانے کپڑے یا عیب دار برتن یا استعمالی چیزیں بھی خیرات میں دے دیتا ہے، وہ ان چیزوں کو صدقہ کرنے سے کسی گناہ کا مرتکب نہیں بلکہ ان چیزوں پر بھی ضرور ثواب ملے گا، اور محبوب چیزوں کے خرچ کرنے پر اس کو خیر عظیم بھی حاصل ہوگی اور صف ابرار میں ان کا داخلہ بھی ہوگا۔ آیت کے اس آخری جملہ میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کی اصلی حقیقت اللہ پر روشن ہے کہ وہ اس کے نزدیک محبوب ہے یا نہیں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر رہا ہے یا دکھاوے اور شہرت کے لئے محض کسی کا زبانی دعویٰ اس کے لئے کافی نہیں کہ میں اپنی محبوب چیز کو اللہ کے لئے خرچ کر رہا ہوں، علیم و خبیر دلوں کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ واقع میں اس کے لئے خرچ کا کیا درجہ ہے۔

(معارف مفتی محمد شفیع قرآن)

چھٹی آیت

درود و سلام کا حکم

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

تفسیر:۔ اس سے پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کی کچھ خصوصیات و امتیازات کا ذکر تھا جن کے ضمن میں ازواج مطہرات کے پردہ کا حکم آیا تھا اور آگے بھی کچھ احکام پردے کے آئیں گے درمیان میں اس چیز کا حکم دیا گیا جس کیلئے یہ سب خصوصیت و امتیازات رکھے گئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت و شان کا اظہار اور آپ کی عظمت و محبت اور اطاعت کی ترغیب ہے۔ اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کریں مگر اس کی تعبیر و بیان میں اس طرح فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ کیلئے عمل صلوٰۃ کا ذکر فرمایا اس کے بعد عام مومنین کو اس کا حکم دیا جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو اتنا بلند فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں جس کام کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں تو عام مومنین جن پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات بے شمار ہیں ان کو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود و سلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرما لیا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی۔

صلوٰۃ وسلام کے معنی

لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے رحمت، دعا، مدح وثناء، آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو نسبت صلوٰۃ کی ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ ان کا آپ ﷺ کیلئے دعا کرنا ہے، اور عام مومنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعاء اور مدح وثناء کا مجموعہ ہے۔ عام مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں۔ اور امام بخاری نے ابوالعالیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے مدح وثناء ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بلند مرتبہ عطا فرمادیا کہ اکثر مواقع اذان واقامت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر شامل کردیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا اور غالب کیا، اور آپ ﷺ کی شریعت کا عمل قیامت تک جاری رکھا، اس کے ساتھ آپ ﷺ کی شریعت کو محفوظ رکھنے کا ذمہ حق تعالیٰ نے لے لیا، اور آخرت میں آپ ﷺ کی تعظیم یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مقام تمام مخلوق سے بلند وبالا کیا۔ اور جس وقت کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ تھی اس حال میں آپ ﷺ کو مقام شفاعت عطا فرمانا، جس کو مقام محمود کہا جاتا ہے۔

اس معنی پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام میں تو روایات حدیث کے مطابق آپ کے ساتھ آپ کے آل واصحاب کو بھی شامل کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مدح وثناء میں آپ کے سوا کسی کو شریک کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب روح المعانی وغیرہ میں یہ دیا گیا ہے کہ تعظیم اور مدح وثناء وغیرہ کے درجات بہت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو اس کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے، اور ایک درجہ میں آل واصحاب اور مومنین بھی شامل ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

اور ایک لفظ صلوٰۃ سے بیک وقت متعدد معنی رحمت، دعا، تعظیم وثناء مراد لینا جو اصطلاح میں عموم مشترک کہا جاتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک ناجائز ہے، اس کے لئے یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ لفظ صلوٰۃ کے اس جگہ ایک ہی معنی لئے جائیں یعنی آپ کی تعظیم اور مدح وثناء اور خیر خواہی پھر یہ معنی

سے صلوٰۃ یعنی درود شریف کے بہت سے مختلف صیغے منقول وماثور ہیں صلوٰۃ وسلام کے حکم کی تعمیل ہر اس صیغہ سے ہو سکتی ہے جس میں صلوٰۃ وسلام کے الفاظ ہوں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ الفاظ آنحضرت محمد ﷺ سے منقول ہوں ہاں زیادہ بابرکت اور زیادہ ثواب کے موجب ہیں، اسی لئے صحابہ کرام ؓ نے الفاظ صلوٰۃ آپ سے متعین کرانے کا سوال فرمایا تھا۔

مسئلہ قعدہ نماز میں تو قیامت تک الفاظ صلوٰۃ وسلام اسی طرح کہنا مسنون ہے جس طرح اوپر منقول ہوئے ہیں اور خارج نماز میں جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود مخاطب ہوں جیسا کہ آپ کے عہد مبارک میں وہاں تو یہی الفاظ الصلوٰۃ والسلام علیک کے اختیار کئے جائیں، آپ ﷺ کی وفات کے بعد روضہ اقدس کے سامنے جب سلام عرض کیا جائے تو اس میں بھی صیغہ السلام علیک کا اختیار کرنا مسنون ہے اس کے علاوہ جہاں غائبانہ صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو صحابہ وتابعین اور ائمہ امت سے صیغہ غائب کا استعمال کرنا منقول ہے مثلاً صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ عام محدثین کی کتابیں اس سے بھری ہیں۔

صلوٰۃ وسلام کے مذکورہ طریقہ کی حکمت

جو طریقہ صلوٰۃ وسلام کا رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک اور آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم سب مسلمان آپ ﷺ کیلئے اللہ تعالیٰ سے رحمت وسلامتی کی دعا کریں، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقصود آیت کا تو یہ تھا کہ ہم آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم کا حق خود ادا کریں مگر طریقہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حق تعظیم واطاعت پورا ادا کرنا ہمارے کسی کے بس میں نہیں، اس لئے ہم پر یہ لازم کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

صلوٰۃ وسلام کے احکام

نماز کے قعدہ اخیرہ میں صلوٰۃ (درود شریف) سنت مؤکدہ تو سب کے نزدیک ہے امام شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک واجب ہے جس کے ترک سے نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔

مسئلہ۔ اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے جب کوئی آنحضرت ﷺ کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر درود

شریف واجب ہوجاتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں آپ ﷺ کے ذکر مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے۔ جامع ترمذی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

مسئلہ... اگر ایک مجلس میں آپ کا ذکر بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہوجاتا ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ حضرات محدثین سے زیادہ کون آپ کا ذکر کرسکتا ہے کہ ان کا ہر وقت کا مشغلہ ہی حدیث رسول ہے۔ جس میں ہر وقت بار بار آپ کا ذکر آتا ہے تمام ائمہ حدیث کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود سلام پڑھتے اور لکھتے ہیں۔ تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں انہوں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی کہ اس تکرار صلوٰۃ وسلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آئی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نام مبارک آتا ہے اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک مذکور ہوتا ہے۔ حضرات محدثین کہیں صلوٰۃ وسلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ... ذکر مبارک کے وقت افضل واعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں پڑھیں اور لکھے جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں شیخ الاسلام نووی وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفا کرنا مکروہ فرمایا ہے۔ ابن حجر مکیؒ نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہونا ہے۔ جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے۔ اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں اور بعض اوقات ایک پر بھی اکتفا کرلیتے ہیں۔

(از [illegible] مفتی اعظم)

ساتویں آیت

ناحق مال کھانے کی ممانعت

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ:... اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے۔

تفسیر: اس آیت میں حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ جس طرح اس سے پہلے اسی سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۸ میں حلال طریقے سے حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی اجازت کا بیان ہے۔ جس میں ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ "یعنی اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو چیزیں حلال اور ستھری ہیں اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔"

اور سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ "یعنی جو روزی دی تم کو اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔"

کسب مال کے اچھے برے ذرائع اور اچھائی برائی کا معیار

جس طرح مال کی ضرورت اور مدار زندگی ہونے پر ساری دنیا کی ہر قوم و ملت کا اتفاق ہے، اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس کی تحصیل کے کچھ ذرائع پسندیدہ اور جائز ہیں کچھ ناپسندیدہ اور ممنوع ہیں۔ چوری، ڈاکہ، دھوکہ فریب کو ساری دنیا ہی برا کہتی ہے لیکن ان ذرائع کے

سے باہمی منازعات کی نوبت آئے۔

نیز اسکی بھی رعایت رکھی گئی ہے کہ فریقین جو رضامندی دے رہے ہیں وہ حقیقی رضامندی ہو کسی انس پر دباؤ ڈال کر کوئی رضامندی نہ لی گئی ہو شریعت اسلام میں جتنے معاملات باطل یا فاسد اور گناہ کہلاتے ہیں ان سب کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان میں وجوہ مذکور میں کسی وجہ سے خلل ہوتا ہے، کہیں دھوکہ فریب ہوتا ہے کہیں نامعلوم چیز یا نامعلوم عمل کا معاوضہ ہوتا ہے کہیں کسی کا حق غصب ہوتا ہے کہیں کسی کو نقصان پہنچا کر اپنا نفع کیا جاتا ہے، کہیں حقوق عامہ میں ناجائز تصرف ہوتا ہے، سود، قمار وغیرہ کو حرام قرار دینے کی اہم وجہ یہ ہے کہ وہ حقوق عامہ کیلئے مضر ہیں ان کے نتیجہ میں چند افراد پلتے بڑھتے ہیں اور پوری ملت مفلس ہوتی ہے ایسے معاملات فریقین کی رضامندی سے بھی اسلئے حلال نہیں کہ وہ پوری ملت کے خلاف ایک جرم ہے آیت مذکورہ ان تمام ناجائز صورتوں پر حاوی ہے:

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، یعنی نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق پر اس میں ایک بات تو یہ قابل غور ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں اموالکم آیا ہے جس کے اصلی معنی ہیں اپنے اموال، جس میں اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم جو کسی دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہو تو یہ غور کرو کہ دوسرے شخص کو بھی اپنے مال سے ایسی ہی محبت اور تعلق ہوگا جیسا تمہیں اپنے مال سے ہے، اگر وہ تمہارے مال میں ایسا ناجائز تصرف کرتا تو تمہیں جو دکھ پہنچتا اسکا اس وقت بھی ایسا ہی احساس کرو، کہ گویا وہ تمہارا مال ہے۔

اسکے علاوہ اشارہ اسطرف بھی ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتا ہے تو اسکا فطری نتیجہ یہ ہے کہ اگر یہ رسم چل پڑی تو دوسرے اسکے مال میں ایسا ہی تصرف کریں گے، اس حیثیت سے کسی شخص کے مال میں ناجائز تصرف درحقیقت اپنے مال میں ناجائز تصرف کیلئے راستہ ہموار کرنا ہے غور کیجئے اشیاء ضرورت میں ملاوٹ کی رسم چل جائے کوئی گھی میں تیل یا چربی ملا کر زائد پیسے حاصل کرے تو اس کو جب دودھ خریدنے کی ضرورت پڑے گی دودھ والا اس میں پانی ملا کر دیگا مسالے کی ضرورت ہوگی اسمیں ملاوٹ ہوگی دوا کی ضرورت ہوگی اسمیں بھی یہی منظر سامنے آئے گا تو جتنے پیسے ایک شخص نے ملاوٹ کر کے زائد حاصل کر ...

کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اسکے آخر میں خاص طور پر جھوٹا مقدمہ بنانے اور جھوٹی قسم کھانے اور جھوٹی شہادت دینے اور دلانے کی سخت ممانعت اور اس پر وعید آئی ہے ارشاد ہے وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔

یعنی نہ لے جاؤ اموال کے مقدمات حکام تک تا کہ ان کے ذریعہ تم لوگوں کے اموال کا کوئی حصہ ناجائز طریق سے کھا جاؤ جب کہ تم جانتے بھی ہو کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں بلکہ تم جھوٹا مقدمہ بنا رہے ہو۔ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی مغالطہ کی بناء پر اس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہے اور اگر عدالت میں دعویٰ دائر کر کے اسکو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہاں جیسے ایک واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَأَنْتُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ. (رواه البخاري ومسلم عن ام سلمة)

”یعنی میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے اور میں اس سے مطمئن ہو کر اسکے حق میں فیصلہ کر دوں تو (یاد رکھو کہ حقیقت حال تو صاحب معاملہ کو خود معلوم ہوتی ہے) اگر فی الواقع وہ اسکا حق نہیں ہے تو اسکو لینا نہیں چاہئے کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اسکو دوں گا وہ جہنم کا ایک قطعہ ہوگا“۔

آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد میں واضح فرما دیا کہ اگر امام یا قاضی یا امام المسلمین کسی مغالطہ کی وجہ سے کوئی فیصلہ کر دے جس میں ایک کا حق دوسرے کو ناجائز طور پر مل رہا ہو تو اس عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ اس کیلئے حلال نہیں ہو جاتا اور جس کیلئے حلال ہے اس کیلئے حرام نہیں ہو جاتا۔ الغرض عدالت کا فیصلہ کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں بناتا۔ اگر کوئی شخص دھوکہ فریب یا جھوٹی شہادت یا جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی کا مال بذریعہ عدالت لے لے تو اسکا وبال اسکی گردن پر رہے گا اسکو چاہئے کہ آخرت کے حساب و کتاب اور علیم و خبیر کی عدالت میں پیشی کا خیال کر کے اسکو چھوڑ دے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جن معاملات میں کوئی عقد یا فسخ ہوتا ہو اور جن میں قاضی یا جج کو بھی شرعاً اختیارات حاصل ہوتے ہیں، ایسے معاملات میں اگر جھوٹی قسم یا جھوٹی شہادت کی بناء پر بھی کوئی فیصلہ قاضی نے صادر کر دیا تو شرعاً وہ عقد یا فسخ صحیح ہو جائیگا، اور حلال و حرام کے احکام اس پر عائد ہو جائیں گے، اگرچہ جھوٹ بولنے اور جھوٹی شہادت دلوانے کا وبال و گناہ گردن پر رہے گا۔

مالِ حلال کی برکات اور حرام کی نحوست

حرام سے بچنے اور حلال کے حاصل کرنے کیلئے قرآن کریم نے مختلف مقامات میں مختلف عنوانات سے تاکیدیں فرمائی ہیں، ایک آیت میں اسکی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انسان کے اعمال واخلاق میں بہت بڑا دخل حلال کھانے کو ہے، اگر اسکا کھانا پینا حلال نہیں تو اس سے اخلاق حمیدہ اور اعمال صالحہ کا صدور مشکل ہے، ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۔ ”یعنی اے گروہ انبیاء حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال کی حقیقت سے واقف ہوں“۔

اس آیت میں حلال کھانے کے ساتھ عمل صالح کا حکم فرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ اعمال صالحہ کا صدور جب ہی ہو سکتا ہے جب انسان کا کھانا پینا حلال ہو، اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب انبیاء علیہم السلام کو ہے مگر یہ حکم انبیاء کیساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان اسکے مامور ہیں، اس حدیث کے آخر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حرام مال کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی، بہت سے آدمی عبادت وغیرہ میں مشقت اٹھاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کیلئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں، مگر کھانا انکا حرام، پینا انکا حرام، لباس انکا حرام ہے تو ان کی یہ دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کا ایک بہت بڑا حصہ اسی کام کیلئے وقف رہا ہے کہ امت کو حرام سے بچانے اور حلال کے استعمال کرنے کی ہدایتیں دی ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اسکی ایذاؤں سے محفوظ رہے وہ جنت میں جائیگا، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج کل تو یہ

عادات آپ ﷺ کی امت میں عام ہیں، بیشتر مسلمان ان کے پابند ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا! آئندہ بھی ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہیں گے جو ان احکام کے پابند ہوں گے (یہ حدیث ترمذی نے روایت کی ہے اور اسکو صحیح غریب کہا ہے)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ چار خصلتیں ایسی ہیں جب وہ تمہارے اندر موجود ہوں تو پھر دنیا میں کچھ حاصل نہ ہو تو تمہارے لئے کافی ہیں، وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ ایک امانت کی حفاظت دوسرے سچ بولنا، تیسرے حسن خلق، چوتھے کھانے میں حلال کا اہتمام۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت محمد ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لئے یہ دعا فرما دیجئے کہ میں مقبول الدعا ہو جاؤں، جو دعا کیا کروں قبول ہوا کرے، آپ ﷺ نے فرمایا اے سعدؓ اپنا کھانا حلال اور پاک بنا لو مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اسکا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو اس گوشت کیلئے تو جہنم کی آگ ہی لائق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک اس کا قلب اور زبان مسلم نہ ہو جائے اور جب تک اسکے پڑوسی اسکی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو جائیں، اور جب کوئی بندہ مال حرام کماتا ہے پھر اسکو صدقہ کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتا، اور اگر اس میں سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی، اور اگر اسکو اپنے وارثوں کیلئے چھوڑ جاتا ہے تو وہ جہنم کی طرف جانے کیلئے اسکا توشہ ہوتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ بری چیز سے برے عمل کو نہیں دھوتے ہاں اچھے عمل سے برے عمل کو دھو دیتے ہیں۔

محشر میں ہر انسان سے پانچ اہم سوالات

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسئل عن اربع عن عمره فيما افناه وعن شبابه فيما ابلاه وعن ماله من

آٹھویں آیت

بدنظری سے بچنے کا حکم

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔

ترجمہ... کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو اس میں خوب ستھرائی ہے ان کیلئے، بے شک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں۔

تفسیر... يَغُضُّوْا غض سے مشتق ہے جس کے معنی کم کرنے اور پست کرنے کے ہیں نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے ابن کثیر، ابن حبان نے یہی تفسیر فرمائی ہے اس میں غیر محرم عورت کی طرف بری نیت سے دیکھنا تحریماً بغیر کسی نیت سے دیکھنا کراہتہً داخل ہے اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے (مواضع ضرورت جیسے علاج معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کیلئے اس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہے۔ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں ان سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز و حرام چیزیں اس میں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز و حرام شہوت رانی اور اسکے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتداء اور انتہاء کو تصریحاً بیان فرما دیا اور درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنہ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے ان دونوں کو صراحتاً ذکر کر

نے حرام کردی گئی ہیں ان کے درمیانی مراحل مقدمات مثلاً باتیں سننا، ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب حرمت آ گئے۔

ابن کثیر نے حضرت عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ: **كل ما عصي الله به فهو كبيرة وقد ذكر الطرفين.**

یعنی جس چیز سے بھی اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو وہ سب کبیرہ ہی ہیں یعنی آیت میں ان کے دو طرف ابتداء اور انتہا کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ ابتداء نظر اٹھا کر دیکھنا اور انتہا زنا ہے۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **النظر سهم من سهام مسموم من تركها مخافتي ابدلته ايمانا يجد حلاوته في قلبه** "نظر ابلیس زہریلا تیر شیطان کے تیروں میں سے ہے جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اسکے بدلے ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کریگا"

اور صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت محمد ﷺ سے روایت کیا کہ اگر بلا ارادہ اچانک کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ آنحضرت محمد ﷺ نے حکم دیا کہ اپنی نظر اس طرف سے پھیر لو (ابن کثیر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ پہلی نظر تو معاف ہے دوسری گناہ ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ پہلی نظر جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے وہ غیر اختیاری ہونے کے سبب معاف ہے ورنہ بالقصد پہلی نظر بھی معاف نہیں۔

بے ریش لڑکوں کی طرف قصداً نظر کرنا بھی اسی حکم میں ہے

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بہت سے اسلاف امت کسی امرد (بے ریش) لڑکے کی طرف دیکھتے رہنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے اور بہت سے علماء نے اس کو حرام قرار دیا ہے (غالباً یہ اس صورت میں ہے جبکہ بدنیتی اور نفس کی خواہش کیساتھ نظر کی جائے) واللہ اعلم۔

(از معارف القرآن جلد ششم)

نویں آیت

جھگڑوں سے بچنے اور صلح کرانے کا حکم

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ.

ترجمہ و تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا تمہارے دو بھائیوں کے درمیان کوئی رنجش یا لڑائی ہو گئی ہو تو تمہیں چاہئے کہ ان کے درمیان صلح کراؤ اور صلح کرانے میں اللہ سے ڈرو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سزاوار اور مستحق ہو جاؤ۔

قرآن و سنت میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے باہمی جھگڑے کسی قیمت پر پسند نہیں، مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو یا جھگڑا ہو یا ایک دوسرے سے کھچاؤ تناؤ کی صورت پیدا ہو یا رنجش ہو یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ حتی الامکان اس آپس کی رنجشوں اور جھگڑوں کو، باہمی نفرتوں اور عداوتوں کو کسی طرح ختم کرو۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟

ارشاد فرمایا: "اصلاح ذات البین فساد ذات البین الحالقة" (ابوداؤد)

یعنی لوگوں کے درمیان صلح کرانا اور اسلئے اس کے جھگڑے مونڈنے والے ہیں یعنی مسلمانوں کے درمیان آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں فساد برپا ہو جائے، ایک دوسرے کے نام لینے کے روادار نہ رہیں، ایک دوسرے سے بات نہ کریں بلکہ ایک دوسرے سے زبان اور ہاتھ سے لڑائی کریں یہ چیز انسان کے دین کو مونڈنے والی ہیں۔ یعنی انسان کے اندر جو دین کا جذبہ ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جو جذبہ ہے وہ اس کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے بالآخر انسان کا دین

تباہ ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ آپس کے جھگڑے اور فساد سے بچو۔

بزرگوں نے فرمایا کہ آپس میں لڑائی جھگڑے کرنا اور ایک دوسرے سے بغض اور عداوت رکھنا یہ انسان کے باطن کو اتنا زیادہ تباہ کرتا ہے کہ اس سے زیادہ تباہ کرنے والی چیز یں کوئی اور نہیں ہیں۔ اب اگر انسان نماز بھی پڑھ رہا ہے روزے بھی رکھ رہا ہے تسبیحات بھی پڑھ رہا ہے وظیفے اور نوافل کا بھی پابند ہے ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر وہ انسان لڑائی جھگڑے میں لگ جاتا ہے تو یہ لڑائی جھگڑا اس کے باطن کو تباہ و برباد کر دیگا اور اسکو اندر سے کھوکلا کر دیگا اسلئے کہ اس لڑائی کے نتیجے میں اسکے دل میں دوسرے کی طرف سے بغض ہوگا اور اس بغض کی خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو کبھی انصاف پر قائم نہیں رہنے دیگا لہذا وہ انسان دوسرے کیساتھ کبھی ہاتھ سے زیادتی کریگا کبھی زبان سے زیادتی کریگا کبھی دوسرے کا مال حق چھیننے کی کوشش کریگا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا پیر کے دن اور جمعرات کے دن تمام انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یوں تو ہر وقت ساری مخلوق کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل سے واقف ہیں یہاں تک کہ دلوں کے بھید کو جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس وقت کیا خیال آرہا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ ویسے تو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ ان دنوں میں مخلوق کے اعمال پیش کئے جائیں تاکہ ان کی بنیاد پر ان کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

بہر حال اعمال پیش ہونے کے بعد جب کسی انسان کے بارے میں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ شخص اس ہفتے کے اندر ایمان کی حالت میں رہا اور اسنے اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں آج کے دن اسکی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں یعنی یہ شخص ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیگا بلکہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہوجائیگا لہذا اس کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ بھی اعلان فرمادیتے ہیں: "الا من بينه وبين اخيه شحناء فيقال انظروا هذين حتى يصطلحا"

لیکن جن دو شخصوں کے درمیان آپس میں کینہ اور بغض ہو ان کو روک لیا جائے۔ ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ میں ابھی نہیں کرتا یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان آپس میں صلح نہ ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ اس شخص کے جنتی ہونے کا اعلان کیوں روک دیا گیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ یوں تو جو شخص بھی کوئی گناہ کریگا قاعدے کے اعتبار سے اسکو اس گناہ کا بدلہ ملے گا اس کے بعد جنت میں جائیگا لیکن اور جتنے گناہ ہیں ان کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ گناہ اسکو کفر اور شرک میں مبتلا کر دیں گے اسلئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چونکہ صاحب ایمان ہے اسلئے اسکے جنتی ہونے کا اعلان ابھی کر دوں۔ جہاں تک اس کے گناہوں کا تعلق ہے تو اگر یہ ان سے توبہ کر لیگا تو معاف ہو جائیں گے اور اگر توبہ نہیں کریگا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں چلا جائیگا۔ لیکن بغض اور عداوت ایسے گناہ ہیں کہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں یہ اسکو کفر اور شرک میں مبتلا نہ کر دیں اور اسکا ایمان سلب نہ ہو جائے اسلئے اسکے جنتی ہونے کا فیصلہ اس وقت تک کیلئے روک دو جب تک یہ آپس میں صلح نہ کر لیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو مسلمانوں میں آپس کا باہمی بغض اور نفرت کتنا ناپسند ہے۔ شب برات کے بارے میں یہ حدیث آپ حضرات نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں لیکن دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی ایک وہ شخص جس کے دل میں دوسرے مسلمان کے لئے بغض ہو کینہ ہو اور عداوت ہو۔ وہ رات جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں رحمت کی ہوائیں چل رہی ہیں اس حالت میں بھی وہ شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اپنا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا ہو اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔

اور بغض کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی بدخواہی کی فکر کرنا کہ اس کو کسی طرح نقصان پہنچ جائے یا اس کی بدنامی ہو جس سے اس کو برا سمجھیں اس پر کوئی بیماری آجائے اس کی تجارت بند ہو جائے یا اس کو تکلیف پہنچ جائے تو اگر دل میں دوسرے شخص کی طرف سے بدخواہی پیدا ہو جائے اسی کو بغض کہتے ہیں لیکن اگر ایک شخص مظلوم ہے کسی دوسرے شخص نے اس پر ظلم کیا ہے تو ظاہر ہے

کہ مظلوم کے دل میں ظالم کے خلاف جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ آپ سے اس ظلم کو دفع کیا جائے یا یہ کہ وہ ظلم نہ کرے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے کی اور بچنے کے ظلم کا دفاع کرنے کی بھی اجازت دے رکھی ہے چنانچہ اس وقت مظلوم اس ظالم کے اس ظلم کو تو اچھا نہ سمجھے لیکن اس وقت بھی اس ظالم کی ذات سے کوئی کینہ نہ رکھے اس کی ذات سے بغض نہ کرے اور بدخواہی کی فکر کرے تو مظلوم کا یہ عمل بغض میں داخل نہ ہوگا۔

یہ بغض حسد سے پیدا ہوتا ہے۔ دل میں پہلے دوسرے کی طرف سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ گیا، میں پیچھے رہ گیا اور اب اس کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے دل میں جلن اور کڑھن ہو رہی ہے، تکلیف ہو رہی ہے اور دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ کسی طرح سے نقصان پہنچاؤں اور نقصان پہنچانا قدرت اور اختیار میں نہیں ہے، اس کے نتیجے میں جو گھٹن پیدا ہوتی ہے اس سے انسان کے دل میں بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بغض سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ اپنے دل سے پہلے حسد کو ختم کرے، اور بزرگوں نے حسد دور کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ حسد پیدا ہو رہا ہے کہ وہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا تو اس حسد کا علاج یہ ہے کہ وہ اس شخص کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ! اس کو اور ترقی عطا فرما، جس وقت اس کے حق میں یہ دعا کرے گا اس وقت دل پر آرے چل جائیں گے، اس کے لئے دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ اس کی ترقی ختم ہو، یہ نقصان اٹھائے، لیکن زبان سے وہ یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! اس کو اور ترقی عطا فرما۔ چاہے دل پر آرے چل جائیں، لیکن تکلف اور زبردستی اس کے حق میں یہ دعا کرے۔ حسد دور کرنے کا یہ علاج ہے اور جب حسد دور ہو جائے گا تو ان شاء اللہ بغض بھی دور ہو جائے گا۔ لہٰذا ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھے اور جس کے بارے میں بھی یہ خیال ہو کہ اس کی طرف سے دل میں بغض پیدا ہو رہا ہے تو اس شخص کو اپنی ہر وقت کی دعاؤں میں شامل کرے۔ یہ حسد اور کینہ کا بہترین علاج ہے۔

دشمنوں پر رحم، نبی ﷺ کی سیرت

دیکھئے! مشرکین مکہ نے حضور اقدس ﷺ پر کیا کیا ظلم کئے اور آپ کو تکلیف دینے ایذاء پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک کہ آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے، اعلان

کر دیا کہ جو شخص حضور اقدس ﷺ کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ غزوہ احد کے موقع پر آپ ﷺ پر تیروں کی بارش کی گئی کہ آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا، دندان مبارک شہید ہوئے لیکن اس موقع پر آپ ﷺ کی زبان پر یہ دعا تھی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرمایئے ان کو علم نہیں ہے یہ ناواقف اور جاہل ہیں میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں اس لئے میرے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ اندازہ لگایئے کہ وہ لوگ ظالم تھے اور ان کے ظلم میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے دل میں ان کی طرف سے بغض اور کینہ کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تو یہ بھی آپ ﷺ کی عظیم سنت اور آپ کا اسوہ ہے کہ بدخواہی کا بدلہ بدخواہی سے نہ دیں بلکہ اس کے حق میں دعا کریں اور یہی حسد اور بغض کو دور کرنے کا بہترین علاج ہے۔ بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ آپس کے جھگڑے آخر کار دل میں بغض اور حسد پیدا کر دیتے ہیں، اسلئے کہ جب جھگڑا ہوتا ہو تو دل میں بغض ضرور پیدا ہوگا۔ اور جب بغض پیدا ہوگا تو دل کی دنیا تباہ ہو جائیگی، اور باطن خراب ہوگا، اور اسکے نتیجے میں انسان اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیگا۔ اسلئے حکم یہ ہے کہ آپس کے جھگڑے سے بچو، اور ان سے دور رہو۔

جھگڑا علم کا نور زائل کر دیتا ہے

یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جھگڑا تو جسمانی ہوتا ہے، جس میں ہاتھا پائی ہوتی ہے اور ایک جھگڑا پڑھے لکھوں کا اور علماء کا ہوتا ہے، وہ ہے مجادلہ، مناظرہ اور بحث و مباحثہ۔ ایک عالم نے ایک بات پیش کی، دوسرے نے اس کے خلاف بات کی، اس نے ایک دلیل دی، دوسرے نے اس کی دلیل کا رد لکھ دیا، سوال و جواب، اور رد و قدح کا ایک لا متناہی سلسلہ چل پڑتا ہے، اسکو بھی بزرگوں نے کبھی پسند نہیں فرمایا، اسلئے کہ اسکی وجہ سے باطن کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "المراء یذھب بنور العلم" یعنی علمی جھگڑے علم کے نور کو زائل کر دیتے ہیں۔ دیکھئے، ایک تو ہوتا ہے مذاکرہ مثلاً ایک عالم نے ایک مسئلہ پیش کیا، دوسرے عالم نے کہا کہ اس مسئلہ میں مجھے فلاں اشکال ہے، اب دونوں بیٹھ کر افہام و تفہیم کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ ہے "مذاکرہ" یہ بڑا اچھا عمل ہے لیکن

یہ جھگڑا کہ ایک عالم نے دوسرے کے خلاف ایک مسئلے کے سلسلے میں اشتہار شائع کر دیا یا کوئی پمفلٹ یا کتاب شائع کر دی۔ اب دوسرے عالم نے اس کے خلاف کتاب شائع کر دی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یا ایک عالم نے دوسرے کے خلاف تقریر کر دی۔ دوسرے عالم نے اس کے خلاف تقریر کر دی، اور یوں مخالفت برائے مخالفت کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ ہے جدال اور جھگڑا جسے ہمارے بزرگوں نے منع فرمایا ہے۔

جھگڑوں کے نتائج

آج ہمارا معاشرہ جھگڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ آگ ہے جو لگی ہوئی ہے اور ظلمت پورے معاشرے میں اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ عبادتوں کے نور محسوس نہیں ہوتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں، کہیں خاندانوں میں جھگڑے ہو رہے ہیں تو کہیں میاں بیوی میں جھگڑا ہے، کہیں دوستوں میں جھگڑا ہے، کہیں بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے، کہیں رشتہ داروں میں جھگڑا ہے، اور تو اور علماء کرام کے درمیان آپس میں جھگڑے ہو رہے ہیں، اہل دین میں جھگڑے ہو رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں دین کا نور ختم ہو چکا ہے۔

جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب کا ایک ملفوظ آپ حضرات کو سناتا ہوں جو بڑا زریں اصول ہے۔ اگر انسان اس اصول پر عمل کر لے تو امید ہے کہ انشاء اللہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ

"ایک کام یہ کر لو کہ دوسروں سے امید رکھنا چھوڑ دو، جب امید چھوڑ دو گے تو پھر انتقام کا جذبہ بھی دل میں پیدا نہیں ہو گا اور جھگڑے کی نوبت نہیں آئے گی۔" دوسرے لوگوں سے جو شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً یہ کہ فلاں شخص کو ایسا کرنا چاہئے تھا، اس نے نہیں کیا، فلاں شخص کو میری عزت کرنی چاہئے تھی، اس نے نہیں کی، فلاں شخص کو میری خاطر مدارت کرنی چاہئے تھی، انہوں نے نہیں کی، یا فلاں شخص کے ساتھ میں نے فلاں احسان کیا تھا، اس نے بدلہ نہیں دیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ شکایتیں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ دوسروں سے جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں، اور جب وہ توقع پوری نہیں ہوئی تو اس کے نتیجے میں دل

میں گرہ پڑ گئی کہ اس نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا، اور دل میں شکایت پیدا ہو گئی ...

ایسے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو اس سے جا کر کہہ دو کہ مجھے تم سے شکایت ہے تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، مجھے بری لگی، پسند نہیں آئی، یہ کہہ کر اپنا دل صاف کر لو، لیکن آج کل بات کہہ کر دل صاف کرنے کا دستور ختم ہو گیا بلکہ اب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو اور اس شکایت کو دل میں لیکر بیٹھ جاتا ہے......

اسکے بعد کسی اور موقع پر کوئی اور بات پیش آ گئی، ایک گرہ اور پڑ گئی، چنانچہ آہستہ آہستہ دل میں گرہیں پڑتی چلی جاتی ہیں، وہ پھر بغض کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور بغض کے نتیجے میں آپس میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہیں۔

جنت میں گھر کی ضمانت

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ومن ترک المراء وھو محق بنی لہ فی وسط الجنۃ یعنی میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے یعنی جو شخص حق پر ہونے کے باوجود یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں حق کا زیادہ مطالبہ کرونگا تو جھگڑا کھڑا ہو جائے گا، چلو اس حق کو چھوڑ دیتا کہ جھگڑا ختم ہو جائے، اس کے لئے حضور اقدس ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو جھگڑا ختم کرانے کی کتنی فکر تھی، تا کہ آپس کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ہاں.... ! اگر معاملہ کہیں بہت آگے بڑھ جائے اور قابل برداشت نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کی اجازت ہے کہ مظلوم ظالم کا دفاع بھی کرے اور اس سے بدلہ لینا بھی جائز ہے لیکن حتی الامکان یہ کوشش ہو کہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

توقعات مت رکھو

اسلئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جھگڑے کی جڑ اس طرح کاٹو کہ کسی سے کوئی توقع ہی مت رکھو۔ کیا مخلوق سے توقعات کئے بیٹھے ہو کہ فلاں یہ دیدیگا، فلاں یہ کام کر دیگا، توقع تو صرف اس سے وابستہ کرو جو خالق اور مالک ہے بلکہ دنیا والوں سے تو برائی کی توقع رکھو کہ ان سے تو ہمیشہ برائی

ہی ملے گی اور پھر برائی کی توقع رکھنے کے بعد اگر کبھی اچھائی مل جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ یا اللہ! آپ کا شکر اور احسان ہے، اور اگر برائی ملے تو خیال رکھو کہ مجھے پہلے ہی برائی ہی کی توقع تھی تو اب اسکے نتیجے میں دل میں شکایت اور بغض پیدا نہیں ہوگا۔ اور پھر دشمنی بھی پیدا نہیں ہوگی، نہ جھگڑا ہوگا لہٰذا کسی سے توقع ہی مت رکھو۔

بدلہ لینے کی نیت مت کرو

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور اصول یہ بیان فرمایا کہ جب تم کسی دوسرے کیساتھ کوئی نیکی کرو، یا اچھا سلوک کرو تو صرف اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرو، مثلاً کسی کی خدمت یا کسی شخص کی سفارش کرو، یا کسی کیساتھ اچھا برتاؤ کرو یا کسی کی عزت کرو تو یہ سوچ کر کرو کہ میں اللہ کو راضی کرنے کیلئے یہ برتاؤ کر رہا ہوں، اپنی آخرت سنوارنے کیلئے یہ کام کر رہا ہوں، جب اس نیت کیساتھ اچھا برتاؤ کروگے تو اس صورت میں اس برتاؤ پر بدلہ کا انتظار نہیں کروگے۔ اب اگر فرض کر لیا کہ آپ نے ایک شخص کیساتھ اچھا سلوک کیا مگر اس شخص نے تمہارے اچھے سلوک کا بدلہ اچھائی کیساتھ نہیں دیا، اور اس نے تمہارے احسان کرنے کو بھی تسلیم نہیں کیا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ میں نے تو اسکے ساتھ یہ سلوک کیا تھا اور اس نے میرے ساتھ الٹا سلوک کیا، لیکن اگر آپ نے اسکے ساتھ اچھا سلوک صرف اللہ کو راضی کرنے کیلئے کیا تھا تو اس صورت میں اسکی طرف سے برے سلوک پر کبھی شکایت پیدا نہیں ہوگی، اسلئے کہ آپ کا مقصود تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی۔ اگر ان دو اصولوں پر ہم سب عمل کر لیں تو پھر آپس کے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے تو میں اسکو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔

صلح کرانا صدقہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کی طرف سے انسان کے ذمہ روزانہ ایک صدقہ کرنا واجب ہے۔

اسلئے کہ ہر جوڑ ایک مستقل نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے، اور ایک انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں، لہٰذا ہر انسان کے روزانہ تین سو ساٹھ صدقے واجب ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس صدقے کو اتنا آسان فرما دیا کہ انسان کے چھوٹے چھوٹے عمل کو صدقے کے اندر شمار فرما دیا، تا کہ کسی طرح تین سو ساٹھ کی گنتی پوری ہو جائے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، کہ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا اور رنجش تھی، تم نے ان دونوں کے درمیان مصالحت کرادی، یہ مصالحت کرانا ایک صدقہ ہے، اسی طرح ایک شخص اپنے گھوڑے پر سواری پر سوار ہونا چاہ رہا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس سے سوار نہیں ہوا جا رہا تھا، اب تم نے سوار ہونے میں اسکی مدد کردی، اور اسکو سہارا دیدیا، یہ سہارا دینا اور سوار کرادینا ایک صدقہ ہے، یا ایک شخص اپنی سواری پر سامان لادنا چاہتا تھا، لیکن اس بے چارے سے لادا نہیں جا رہا تھا، اب تم نے اسکی مدد کرتے ہوئے سامان لدوا دیا، اسکی سواری پر رکھوا دیا، یہ ایک صدقہ ہے۔ اس طرح کسی شخص سے کوئی اچھا کلمہ کہہ دیا، مثلاً کوئی غمزدہ آدمی تھا، تم نے اسکو کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا، اور اسکی تسلی کردی، یا کسی سے ایسی بات کہہ دی جس سے اس مسلمان کا دل خوش ہو گیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے، اسی طرح جب نماز کیلئے تم مسجد کی طرف جا رہے ہو تو ہر قدم جو مسجد کی طرف اٹھ رہا ہے، وہ ایک صدقہ شمار ہو رہا ہے۔ اسی طرح راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہے، جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، آپ نے اسکو راستے سے ہٹا دیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ بہر حال اس حدیث میں سب سے پہلی چیز جسکو صدقہ شمار کرایا ہے، وہ ہے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا، اس سے معلوم ہوا کہ صلح کرانا اجر و ثواب کا موجب ہے۔

اسلام کا کرشمہ

"وعن ام کلثوم بنت عقبۃ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا، قالت: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فینمی خیراً او یقول خیراً"۔

یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک صحابیہ ہیں، اور عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ہیں، اور عقبہ بن ابی معیط حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا، انتہا درجے کا مشرک، اور حضور اقدس

ﷺ کو تکلیف پہنچانے والے، جیسے ابوجہل اور امیہ بن ابی خلف تھے، جو کفر قسم کے مشرک تھے یہ بھی انہیں میں سے تھا، اور یہ وہ شخص تھا جس کیلئے حضور اقدس ﷺ نے بددعا فرمائی، چنانچہ بددعا کرتے ہوئے فرمایا: "اللھم سلط علیہ کلبامن کلابک"۔ اے اللہ! درندوں میں سے کسی درندے کو اس پر مسلط فرما دے۔

حضور اقدس ﷺ کی یہ بددعا قبول ہوئی اور آخر ایک شیر کے ذریعہ اسکا انتقال ہوا، تو ایک طرف باپ تو ایسا دشمن اسلام تھا، دوسری طرف بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اور صحابیہ بن گئیں۔

ایسا شخص جھوٹا نہیں

بہرحال! حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان مصالحت کی خاطر کوئی اچھی بات ادھر سے ادھر پہنچا دیتا ہے، یا ایک کی بات دوسرے کو اس انداز سے نقل کرتا ہے کہ اسکے دل میں دوسرے کی قدر پیدا ہو اور نفرت دور ہو جائے، ایسا شخص کذاب اور جھوٹا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص ایسی بات کہہ رہا ہے جو بظاہر سچی نہیں ہے لیکن وہ بات اس لئے کہہ رہا ہے تاکہ اسکے دل سے دوسرے مسلمان کی برائی نکل جائے، آپس کے دلوں کا غبار دور ہو جائے اور نفرتیں ختم ہو جائیں، اس مقصد سے اگر وہ کوئی بات کہہ رہا ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں شمار نہیں ہوگا۔

صریح جھوٹ جائز نہیں

علماء کرام نے فرمایا کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں، البتہ ایسی گول مول بات کرنا جس کا ظاہری مفہوم تو واقعہ کے خلاف ہے لیکن دل میں ایسے معنی مراد لے لئے جو واقعہ کے مطابق تھے، مثلاً دو آدمیوں کے درمیان نفرت اور لڑائی ہے، یہ اسکا نام سننے کا روادار نہیں، وہ اسکا نام سننے کا روادار نہیں، اب ایک شخص ان میں سے ایک کے پاس گیا تو اس نے دوسرے کی شکایت کرنی شروع کر دی کہ وہ تو میرا ایسا دشمن ہے، تو اس شخص نے کہا کہ تم تو اسکی برائیاں بیان کر رہے ہو حالانکہ وہ تو تمہارا بہت خیر خواہ ہے، ابھی میں نے خود سنا ہے تمہارے حق میں دعا کر رہا تھا۔

اب دیکھئے کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے نیت یہ کی تھی کہ اس نے دل میں یہ مراد لے لیا کہ آپ نے یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا "اللّٰھم اغفر للمؤمنین" اے اللہ! تمام مؤمنین کی مغفرت فرما۔ چونکہ یہ بھی مسلمان تھا، اس لئے یہ بھی اس دعا میں داخل ہو گیا تھا۔ اب سامنے والا یہ سمجھے گا کہ حقیقت میں یہ میرا نام لے کر میرے لئے دعا کر رہا ہو گا۔ ایسی بات کہہ دینا جھوٹ میں داخل نہیں، بلکہ انشاء اللہ اس پر بھی اجر و ثواب ملے گا۔

زبان سے اچھی بات نکالو

اور جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کے ارادے سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسی بات ڈال دیتے ہیں کہ اس سے ایسی بات ہو کہ جس سے اس کے دل سے دوسرے کی نفرت دور ہو جائے، ایسی بات نہ کہو کہ اس کے دل میں نفرت کی آگ تو پہلے سے ہی لگی ہوئی ہے اور اب آپ نے جا کر ایسی بات سنادی جس نے آگ پر تیل کا کام کیا اور جس کے نتیجے میں نفرت دور ہونے کے بجائے نفرت کی آگ اور بھڑک گئی، یہ بات درست نہیں، بلکہ شرارت کا کام ہے، جو حضور اقدس ﷺ کو انتہائی ناپسند ہے۔

صلح کرانے کی اہمیت

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ آپ نے سنا ہو گا کہ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" یعنی ایسا جھوٹ جس کے ذریعہ دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت مقصود ہو، اس سچ سے بہتر ہے جس سچ سے فتنہ پیدا ہو، لیکن اس جھوٹ سے مراد یہ نہیں کہ صریح جھوٹ بول دیا جائے بلکہ ایسی بات کہہ دے جو دو معنی رکھتی ہو۔ جب حضور اقدس ﷺ نے اس قسم کے جھوٹ کی اجازت دے دی تو آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ختم کرانے کی کس قدر اہمیت ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے، سامنے گلی میں دو آدمیوں کے جھگڑنے کی آواز آئی اور جھگڑا اس بات کا تھا کہ ان میں سے ایک نے

دوسرے سے قرضہ لیا تھا، قرض خواہ دوسرے سے قرض کا مطالبہ کر رہا تھا کہ میرا قرضہ واپس کرو، مقروض یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت میرے اندر سارا قرضہ واپس کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، کم کچھ قرضہ لے لو، کچھ چھوڑ دو، اس جھگڑے کے دوران دونوں کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں، اور جھگڑے کے دوران اس قرض خواہ نے یہ قسم کھالی واللہ لا افعل، خدا کی قسم میں قرضہ کم نہیں کروں گا، اس دوران حضور اقدس ﷺ بھی گھر سے تشریف لے آئے، اور آکر آپ نے پوچھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کروں گا؟ اسی وقت وہ شخص آگے بڑھا اور کہا میں ہوں یا رسول اللہ، اور پھر فوراً دوسرا جملہ یہ کہا کہ یہ شخص جتنا چاہے اس قرض میں سے کم دیدے، میں چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔

صحابہ کرام کی حالت

یہ تھے صحابہ کرام کہ کہاں تو جذبات کا یہ عالم تھا کہ آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ وہ کم کرانا چاہتے تھے تو یہ کم کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور کم نہ کرنے پر قسم بھی کھالی کہ میں کم نہیں کروں گا، اسکے بعد تو حضور اقدس ﷺ نے صحابی سے قرضہ چھوڑنے کا حکم فرمایا اور نہ ہی چھوڑنے کا مشورہ دیا، بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ کہاں ہے وہ شخص جو یہ قسم کھا رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کروں گا، بس اتنی بات سننے کے بعد وہ ڈھیلے پڑ گئے، اور سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، اور جھگڑا ختم ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے آگے اس قدر نرم تھے کہ جب آپ کی زبان سے ایک جملہ سن لیا تو اس کے بعد مجال نہیں تھی کہ آگے بڑھ جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس جذبہ کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمادے اور تمام مسلمانوں کے درمیان آپس کے اختلافات اور جھگڑے ختم فرمادے، اور تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(اسلام میں رسول کی عظمت)

دسویں آیت

توبہ کی ترغیب اور اس پر انعام

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

ترجمہ:... اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ امید ہے تمہارا رب اتار دے اوپر سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں جس دن اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں اے ہمارے رب پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

تفسیر... توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع ہونے کے ہیں مراد گناہوں سے لوٹنا ہے اور اصطلاح قرآن و سنت میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم ہو اور آئندہ اس کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم کرے۔ اور نصوح کو اگر مصدر نصح و نصیحت سے لیا جائے تو اس کے معنی خالص کرنے کے ہیں اور مصدر نصاحت سے مشتق قرار دیں تو اس کے معنی کپڑے کے سینے اور جوڑ لگانے کے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے نصوح کے معنی یہ ہوں گے کہ ریا اور نمود سے خالص ہو محض اللہ تعالیٰ کے خوف عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر اس کو چھوڑے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے نصوح اس کے لئے ہوگا کہ اعمال صالحہ کا جو جامہ گناہ کی وجہ سے پھٹ گیا ہے توبہ اس کے خرق یعنی پھٹن کو سینے والی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے گذشتہ عمل پر نادم ہو اور دوبارہ اس کی

طرف نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ اور کلبی نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے بدن اور اعضاء کو آئندہ اس گناہ سے روکے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت (۲) جو فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوڑے ہیں ان کی قضا (۳) کسی کا مال وغیرہ جو ظلماً لیا تھا واپسی (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی (۵) آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم و ارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے دیکھ لے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو شرائط توبہ بیان فرمائی ہیں وہ سبھی کے نزدیک مسلم ہیں بعض نے مختصر اور بعض نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

لفظ عسیٰ کا ترجمہ امید ہے اور یہاں مراد اس سے وعدہ ہے مگر اس وعدہ کو بلفظ امید تعبیر کرکے اس طرف اشارہ کر دیا کہ توبہ ہو یا انسان کے دوسرے اعمال صالحہ ان میں سے کوئی بھی جنت و مغفرت کی قیمت نہیں اور نہ اللہ کے ذمہ از روئے انصاف یہ لازم آتا ہے جو عمل صالح کرے اس کو ضرور جنت میں ہی داخل کریں کیونکہ اعمال صالحہ کا ایک بدلہ تو ہر انسان کو دنیوی زندگی میں عطا ہونے والی نعمتوں سے مل چکا ہے۔ اس کے بدلے میں از روئے قانون و قاعدہ جنت ملنا ضروری نہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام ہی پر موقوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو بھی، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے بھی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت کا معاملہ فرما دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں نیکی اور بدی کے اعتبار سے تین قسم کی مخلوق پیدا کی ہے پہلی قسم کی مخلوق وہ ہے جس سے نیکی کا صدور ہوتا ہے لیکن اس سے کبھی گناہ نہیں ہو سکتا یہ نورانی مخلوق فرشتے ہیں جن کے بارے میں رب کریم فرماتے ہیں: لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو۔

فرشتوں کے اندر بدی کی صلاحیت ہی نہیں وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے، وہ تو نور ہی نور ہیں، ظلمت اور شر کا وہاں بالکل گذر نہیں۔ دوسری قسم کی وہ مخلوق ہے جس کے اندر نیکی کی صلاحیت بھی

ہے اور بدی کی بھی یہ مخلوق انسان اور جن ہے۔

کتنا ہی بدکار انسان کیوں نہ ہو اس کے اندر نیکی کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کثرت گناہ کی وجہ سے یہ صلاحیت زنگ آلود ہو جاتی ہے اور نیکی کے جذبات دب جاتے ہیں اور کتنا ہی نیک انسان کیوں نہ ہو اس کے اندر گناہ کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کوئی ایسا فرد بشر ایسا نہیں ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ بعض صحابہ کرام تک سے گناہ کا صدور ہوا مگر انہوں نے اس طرح توبہ کی کہ ان کی توبہ پہ ہزاروں اور لاکھوں نیکیوں کو قربان کیا جا سکتا ہے اور رب کریم نے انہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ کا دوامی سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا۔ اسی لئے ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم ان میں سے کسی کی بھی خطاؤں پر انگلی اٹھائیں، جب ان کا رب ان سے راضی ہے اور وہ اپنے رب سے راضی ہیں تو ہم کون ہیں طعن و تشنیع کی زبانیں دراز کرنے والے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تک سے گناہ ہو سکتا ہے تو ہم کون ہیں کہ ہم سے کبھی گناہ ہی سرزد نہ ہو مگر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ موت کی علامت شروع ہونے سے پہلے تک ہر انسان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان اللّٰہ عزوجل یقبل توبة العبد مالم یغرغر، بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی حالت نہ ہو جائے۔ لیکن موت کی واضح علامات شروع ہونے کے بعد دروازہ توبہ بند ہو جاتا ہے اس حالت میں تو فرعون نے بھی توبہ کی تھی مگر اس کی توبہ قبول نہ ہوئی جب یہ ڈوبنے لگا تو اس نے کہا تھا۔

اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. یقین کر لیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر کہ ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں۔

لیکن جواب آیا: آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ. اب یہ کہتا ہے اور نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور رہا گمراہوں میں تیری گردن تو کبھی جھکتی ہی نہیں تھی، تجھے تو اپنے اقتدار اور مادی طاقت پر بڑا ناز تھا تم تو ربوبیت کے دعویدار اور انسانوں کو رزق رسانی کے ٹھیکیدار بنے تھے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو حقارت سے ٹھکرایا کرتے تھے، اب جبکہ عذاب کی گرفت میں آچکے ہو اور تمہیں موت آنکھوں کے سامنے دکھائی دے رہی ہے، اب توبہ کر رہے ہو اس وقت کی توبہ

سابقہ گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا، وہ دل شکستہ بوڑھا گناہوں کا انبار لے کر آیا تھا اب نیکیوں کا بارگراں لے کر واپس پلٹتا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

اگر اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے جیسا کہ گناہوں کو نیکیوں سے بدلنے پر قادر ہے اور یقیناً قادر ہے تو مجھے کہنے دیجئے ایک عجیب بات کہنا چاہتا ہوں لیکن اگر آپ سنجیدگی سے غور کریں گے تو میری بات کی تصدیق کریں گے، وہ یہ کہ بعض اوقات گناہ بالواسطہ اللہ کو راضی کرنے کا سبب بن جاتا ہے اور کبھی کبھی نیکی بالواسطہ اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بن جاتی ہے آپ کو یقیناً میری بات پر حیرت ہوئی ہوگی آپ کہیں گے کہ گناہ تو غلاظت ہے، نجاست ہے، ظلمت ہے، شر ہے وہ کیسے اللہ کے قرب کا ذریعہ بن سکتا ہے؟

اور نیکی طہارت ہے، خوشبو ہے، نور ہے، خیر ہے، وہ کیسے رب کریم سے دوری کا سبب بن سکتی ہے؟ جب کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد اس پر نادم ہو جاتا ہے، اسے یہ احساس ستانے لگتا ہے کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی، میں غلام ہوں وہ آقا ہے، میں مرزوق ہوں وہ رازق ہے، میں مخلوق ہوں وہ خالق ہے، میں منعم علیہ ہوں وہ منعم ہے،

مجھ پر اس کے انعامات اور احسانات کی کوئی حد ہی نہیں، پھر میں نے اس کی حکم عدولی کیوں کی، میں قیامت کے دن کیا جواب دوں گا، میں عذاب الیم و عظیم کو کیسے برداشت کر سکوں گا، میں حضور اکرم ﷺ کو کیسے منہ دکھاؤں گا۔

جب ان احساسات و جذبات کے ساتھ وہ اپنے مالک کو پکارتا ہے اور آنکھوں سے اشک ندامت بہاتا ہے تو اس کے آنسو زمین پر گرنے سے پہلے ہی بارگاہ صمدیت میں قبول ہو جاتے ہیں اور ان آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے اور اگر وہ اپنی توبہ پر قائم رہے تو صرف ان کی آنکھوں پر ہی نہیں اس کے پورے وجود پر آگ حرام ہو جاتی ہے قرآن کریم میں ہے:

اے نبی! جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے

کہہ دو کہ تم پر سلامتی ہے تمہارے پروردگار نے تم پر رحمت لازم ٹھہرا لی ہے کہ جس نے تم میں سے نادانی سے کوئی برا کام کیا پھر اس نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب کوئی گناہ کر لیتا ہے پھر کہتا ہے کہ مولا! میں نے گناہ کر لیا، مجھے معاف فرما دے، رب فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، پھر جتنا رب چاہتا ہے بندہ ٹھہرا رہتا ہے پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے، کہتا ہے یارب میں نے گناہ کر لیا بخش دے، رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو بخشتا ہے اور پکڑ بھی لیتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، پھر بندہ ٹھہرا رہتا ہے جب تک رب چاہتا ہے، پھر گناہ کر بیٹھتا ہے، عرض کرتا ہے یارب! میں نے گناہ کر لیا مجھے معاف کر دے تو رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو بخشتا ہے اور پکڑ بھی لیتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا جو چاہے کرے۔ اس گناہگار کے برعکس جو انسان نیکی کرتا ہے مگر اپنی نیکی پر اتراتا ہے فخر کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے تو اس کی نیکی اس کے لئے وبال بن جاتی ہے اور وہ بارگاہ صمدیت سے بہت دور ہو جاتا ہے۔

اللہ کے ایک نیک بندے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے بعض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کا نام بھی لیتے ہیں، واللہ اعلم ان کا واقعہ ہے یا کسی دوسرے بزرگ کا ہے کہ ایک رات انہیں ایسی گہری نیند آئی کہ نماز تہجد قضا ہو گئی آپ پر بے تحاشا روئے اور گڑگڑا کر اپنے رب سے معافی مانگتے رہے آپ میں سے کچھ لوگ سوچیں گے بھلا یہ کون سا گناہ تھا جس پر معافی مانگی اور توبہ کرنے کی ضرورت پیش آئی بہت فرض نمازیں ختم ہو جاتی ہیں عمریں گزر جاتی ہیں روتے اور انہیں توبہ کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور وہ تہجد کے قضا ہونے پر آہ و زاری کرنے لگتے تھے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں ان کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے انہیں سنتوں کے فوت ہونے کا جس قدر قلق اور افسوس ہوتا ہے شاید ہمیں فرائض و واجبات کے فوت ہونے کا اتنا افسوس نہ ہو۔

میں بتا رہا تھا کہ گناہ پر ندامت انسان کو اللہ کا قرب عطا کر دیتا ہے اور نیکی پر تکبر انسان کو اللہ سے دور کر دیتا ہے۔ بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا واقعہ حدیث میں بیان ہوا ہے جن میں سے ایک

تھا بڑا نیک اور پارسا اور دوسرا انتہائی گنہگار اور فاسق و فاجر شخص جنگل سے گزر رہا تھا اس نے اس انسان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک جگہ بیٹھا ہے اور اس پر بادل سایہ کئے ہوئے ہے اس کے دل پر بڑا اثر ہوا دل میں سوچا ہوگا کہ ایک طرف مجھ جیسا بدبخت انسان ہے جس کی زندگی کا ہر لمحہ فسق و فجور اور مالک کی معصیت میں گزرتا ہے دوسری طرف یہ نیک انسان جس کی نیکی اور پارسائی سے اللہ تعالیٰ اس قدر خوش ہے کہ بادل اس پر سایہ فگن ہے اس کا جی چاہا کہ میں بھی چند ساعتیں اس کی صحبت میں بیٹھوں تاکہ مجھے بھی سعادت حاصل ہو وہ خطاکار انسان جب اس زاہد خشک کے پاس بیٹھنے کے لئے آگے بڑھا تو اس نے بڑی نفرت کا اظہار کیا اور اسے اپنے قریب آنے سے منع کر دیا۔

آواز آئی کہ آج سے تم دونوں اپنی زندگی کا آغاز نئے سرے سے کرو۔ اے زاہد خشک تو خود دار تیرے تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنے نے تمہاری نیکیوں کو برباد کر دیا اور اے خطاکار انسان! تیرے عجز و انکسار کی وجہ سے ہم نے تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا۔ لہٰذا تم دونوں اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرو۔ نہ اُس کے اعمال نامہ میں نیکیاں، نہ اِس کے اعمال نامہ میں برائیاں رہیں دونوں کا رجسٹر صاف ہو گیا۔ سوچئے ان میں سے کون زیادہ خسارے میں ہے وہ جس کی سالہا سال کی محنت برباد ہو گئی یا وہ جس نے اپنے آپ کو گناہوں کی غلاظت سے یکسر پاک کر لیا۔

اللہ کی رحمت پر نظر

ہمیں گناہوں سے بچنا تو ضرور چاہئے لیکن گناہوں کی کثرت کی وجہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہر وقت اپنے مالک حقیقی کی رحمت پر نظر رکھنی چاہئے جو اس قدر رحیم ہے کہ کبائر سے بچنے کی وجہ سے صغائر کو خود معاف کر دیتا ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا. (النساء)

جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں سے جو بھاری کام ہیں (یعنی بڑے بڑے گناہ) اگر تم ان سے بچتے رہے تو ہم تمہاری خفیف برائیاں (یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ) تم سے دور کر دیں گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ

نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور گناہ تحریر فرما دیے ہیں تو جو نیکی کا ارادہ کرے اور کرے نہیں تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھتا ہے، پھر اگر ارادہ کرے اور نیکی کرے تو اسے اپنے ہاں اس سے سات سو گنا تک بلکہ بہت زیادہ گنا تک لکھ لیتا ہے، اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے پھر اگر گناہ کا ارادہ کرے پھر کر بھی لے تو اسے اللہ تعالیٰ ایک گناہ لکھتا ہے۔

رحمت کا کوئی ٹھکانہ بھی ہے؟ گناہ کا ارادہ کیا مگر اللہ کے ڈر سے باز آگیا تو اس پر بھی نیکی مل جاتی ہے، گناہ کے بعد نیکی کرلی تو اس سے گناہ بھی معاف ہوجاتا ہے اور ثواب بھی مل جاتا ہے۔

حضرت ابوذر اور معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈر تو جہاں بھی ہو اور برائی کے بعد نیکی کر یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ۔ اس حدیث میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرلے یہ نیکی گناہ کی مغفرت اور کفارہ کا باعث ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ. "بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو ختم کردیتی ہیں"۔

یہ بھی اللہ جل شانہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ نیکیوں کے ذریعے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں، متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جب کوئی مومن بندہ وضو کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے اور ہاتھوں سے اور پاؤں اور چہرے سے اور سر سے اور کانوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کو فرض نماز حاضر ہو جائے (یعنی نماز کا وقت حاضر ہو جائے) پھر وہ نماز کے لئے اچھی طرح وضو کرے اور نماز کا رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے کرے تو یہ نماز اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی، جب تک کہ کبیرہ گناہ نہ کرے اور یہ کفارہ ہونا ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو ان کے درمیان ہوں جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل بنی آدم

خطاء وخیر الخطائین التوابون۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو خوب زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔

گنہگار مگر بہترین گنہگار وہ شخص ہے جو گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرلیتا ہے کیونکہ گناہ پر نادم ہو کر توبہ کرنا حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور گناہ پر ڈٹ جانا اور اس کی الٹی سیدھی تاویلیں پیش کرنا ابلیس کا طریقہ ہے۔ آدم علیہ السلام سے معمولی سی اجتہادی خطا ہوئی تو وہ اس قدر روئے کہ رونے سے چہرے پر نشان پڑ گئے اور آنسوؤں سے بہت بڑا گڑھا ہو گیا مگر ان کے چہرے پر ندامت کی زردی بھی نہیں جاتی۔ آدم علیہ السلام کو اپنی اجتہادی خطا پر ندامت ہوتی ہے تو رب کریم معافی مانگنے کا طریقہ اور الفاظ خود سکھاتے ہیں: ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ یہ بھی ان کی ذرہ نوازی ہے کہ اپنے کمزور بندوں کو راضی کرنے کا طریقہ بھی خود بتلاتے ہیں۔

توبہ کی ترتیب

یوں تو ہر شخص ہی کو توبہ اور استغفار کرنا چاہئے لیکن پھر بھی علماء نے توبہ کی ایک ترتیب بتائی ہے۔ فیلسوف اسلام امام غزالی توبہ کی ترتیب مقرر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سب سے توبہ کرلی چاہئے۔

☆ 1۔ سب سے پہلے کفر اور شرک سے توبہ کرنی چاہئے۔

☆ 2۔ تمام گناہوں سے توبہ خواہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔

☆ 3۔ ظاہری گناہوں کے ساتھ ساتھ باطنی گناہوں سے بھی توبہ کریں مثلاً حسد، کینہ، بغض وغیرہ۔ ہم لوگ اندر ہی اندر آگ لئے بیٹھے ہیں، باہر کی معصومیت بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا لیکن اندر سے دل پر وہ دھبے لگے ہیں کہ ان کی برائیاں سب باطنی گناہ ہیں۔

☆ 4۔ توبہ جلد سے جلد کریں۔ بعض لوگ ایسی جوانی پا کر بچاتے رہتے ہیں کہ بڑھاپے میں توبہ کرلیں گے اس کو حدیث کی زبان میں طول امل کہتے ہیں یعنی لمبی لمبی امیدیں باندھنا۔

توبہ کے سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ گناہ جو معاف ہو گئے ہیں ان کی اطلاع تو

کریں، جو چھپ کر کر چکے ہیں ان کی چھپ کر توبہ کریں۔ جو کھلم کھلا کر چکے ہیں ان کی اعلانیہ توبہ بھی کرنی چاہئے۔ جب یہ سب کچھ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت جوش میں آجاتی ہے۔

یہ جو باتیں میں نے بیان کی ہیں جس توبہ کے اندر موجود ہوں اسے توبۃ النصوح کہتے ہیں یعنی پکی اور سچی توبہ۔ ایسی توبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی شان کریمی جوش میں آتی ہے۔ حدیث قدسی ہے: رحمتی وسعت غضبی میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے۔ رحمت اور محبت اللہ تعالیٰ کی اصل صفتیں ہیں فرماتے ہیں: ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وآمنتم۔ اگر تم شکر گزار بندے ہو اور ایمان لے آؤ تو وہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟

اللہ تعالیٰ کی اصل صفات رحمانیت اور رحیمیت ہیں۔ حضور ﷺ نے اس کی بہت عمدہ مثال ارشاد فرمائی۔ آپ کے پاس عورتیں اور مرد قیدی بن کر آئے۔ ایک عورت پریشان بھاگی پھر رہی تھی اس کا بچہ گم ہو گیا تھا۔ وہ بیچاری ماں کی ماری کبھی اس بچے کو چومتی کبھی اس بچے کو اٹھاتی اور چھاتی سے لگاتی۔ حضور ﷺ نے جب اس عورت کی حالت کو دیکھا تو صحابہ سے فرمایا کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہ نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا، اور سو حصوں میں سے ایک حصہ اپنی مخلوق پر تقسیم فرمایا تو وہ ایک حصہ روئے زمین کے جانداروں میں، ماؤں کی ممتا، والدوں کی شفقت، بھائیوں کی اور بہنوں کی محبت ہیں، تمام دنیا کی کروڑوں ماؤں کی ممتا اس کی رحمت کے سوویں حصے سے بھی کم ہے، وہ تو سراپا رحمت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتے ہیں، اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ جو سفر پر جا رہا ہے اور سامان خورد ونوش اونٹ پر لدا ہوا ہے اور راستے میں تھک کے لئے درخت کے نیچے جاتا ہے تھوڑی دیر کو آنکھ لگ جاتی ہے اسی دوران اس کا اونٹ کہیں چلا جاتا ہے وہ شخص جب جاگتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اونٹ غائب ہے، ادھر بھاگتا ہے ادھر بھاگتا ہے کہیں اسے دور تک نظر نہیں آتا، پریشان ہو جاتا ہے، کہیں دور دور تک آب ودانہ نہیں ہے پانی کا کوئی انتظام نہیں، پریشان اور زندگی سے مایوس ہو کر اسی جگہ وہ موت کے انتظار میں لیٹ جاتا ہے۔ اس کی آنکھ لگ جاتی ہے، جب آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتا ہے کہ اونٹ سامان سمیت وہیں آ کے کھڑا ہوا ہے تو اتنا خوش ہوتا

ہے کہ کہتا ہے اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی فرط مسرت میں اسے ہوش نہیں رہتا وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جتنی خوشی اسے اونٹ ملنے پر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے گنہگار بندے کی توبہ سے ہوتی ہے، وہ تو سراپا مغفرت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ رحمت باری بندے کی مغفرت کا بہانہ تلاش کرتی ہے بہا (یعنی قیمت) تلاش نہیں کرتی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے، آخر وہ توبہ کی غرض سے نکلا اور ایک زاہد و عابد کے پاس حاضر ہوا، اپنا حال بتا کر توبہ کی قبولیت کا راستہ پوچھا تو اس نے کہا کہ تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اس نے عابد کو بھی قتل کر دیا، اور پھر کسی نقد والے کی تلاش شروع کر دی۔ چنانچہ ایک شخص نے اس سے کہا کہ تو فلاں گاؤں چلا جا کہ وہاں ایک بزرگ عالم ہے جو تجھے توبہ کا طریقہ بتلائے گا، پس وہ اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا، جب آدھی راہ طے کر لی تو اس کی موت آ گئی اور اس نے اپنا سینہ اس گاؤں کی طرف جھکا دیا۔ اس وقت رحمت اور عذاب کے فرشتے اس کے پاس جمع ہو گئے، عذاب کے فرشتوں نے اسے قاتل اور مجرم ٹھہرایا، جبکہ رحمت کے فرشتوں نے اسے تائب بتایا کیونکہ وہ توبہ کے لئے اس گاؤں کی طرف جا رہا تھا، چنانچہ اگلی بستی اور جس بستی کو چھوڑا تھا دونوں کا فاصلہ ناپنے کا حکم ہوا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی بستی کو قریب ہونے کا حکم دیا، چنانچہ وہ اس بستی سے بالشت بھر قریب نکلا۔ اس طرح اللہ عزوجل نے اس کی بخشش کے سامان پیدا کر دیئے اور اس کی روح رحمت کے فرشتے لے گئے۔

استغفار کی برکتیں

توبہ سے صرف گناہ ہی معاف نہیں ہوتے، بلکہ اس سے بے شمار دینی، دنیاوی، مادی اور روحانی فوائد اور برکتیں بھی حاصل ہوتی ہیں، رب کریم کا وعدہ ہے کہ اور یہ کہ تم لوگ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اسی کی طرف متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر تک خوش عیش زندگی بخشے گا اور زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کے حضور میں وہ بھیج دے گا تمہارے اوپر خوب بارشیں اور بڑھا دے گا تمہاری قوت میں زیادہ قوت اور مت پھرو مجرم بنتے ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار تلقین کی تھی کہ پس میں نے کہا تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے وہ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغات بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری فرمادے گا۔ غالبا حسن بصریؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص نے قحط سالی اور بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا استغفار کی کثرت کرو۔ دوسرے نے فقر وفاقہ کا رونا رویا آپ نے اسے بھی استغفار کی تلقین کی۔ تیسرے نے حصول اولاد کا وظیفہ بتانے کی درخواست کی آپ نے اسے بھی استغفار کا حکم دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے تعجب سے دریافت کیا کہ یا حضرت! یہ کیا معاملہ ہے سائلین مختلف ہیں مگر آپ ہر شخص کو ایک ہی جواب دے رہے ہیں یا ایک ہی دعا سکھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے سورۃ نوح میں نہیں پڑھا کہ استغفار کرو گے تو تمہارا رب بارش برسائے گا مال دے گا، اولاد عطا کرے گا، باغات پھل دیں گے نہریں پانی سے بھر جائیں گی۔ یہ سب استغفار کی برکتیں اور ثمرات ہیں۔

ہر مشکل کا حل

خود رسول اللہ ﷺ نے بھی توبہ اور استغفار کو ہر پریشانی کا حل بتایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص استغفار کو اپنے اوپر لازم کرلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر دشواری سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ بنادے گا اور ہر دکھ سے نجات دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ (ابوداؤد) آج کون شخص ہے جو پریشان نہیں، کون ہے جو حالات سے شکوہ کناں نہیں، کون ہے جسے کوئی مشکل درپیش نہیں، کون ہے جسے اولاد کی نافرمانی یا رزق کی تنگی کی شکایت نہیں، اللہ کے سچے رسولؐ نے ان سب مسائل کا ایک مؤثر علاج بتلادیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مالک حقیقی سے ہی حکم عدولیوں کی سچے دل سے معافی مانگ کر اسے راضی کرلے، جب وہ راضی ہوجائے گا تو تمام مشکلات ہباءً منثورا ہوجائیں گی اور تمام مسائل حل ہوجائیں گے۔

ظاہر ہے کہ تمام مسائل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور انہیں حل کرنا بھی اسی کے ہاتھ میں

ہے۔ لہٰذا ادھر ادھر ہاتھ مارنے کے بجائے اسی کی طرف رجوع کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ استغفار کا التزام کرے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لئے دو امانتیں نازل فرمائی ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ پس جب میں دنیا سے پردہ کر جاؤں (تو ایک امان اٹھ جائے گی اور دوسری امان) یعنی استغفار قیامت کے لئے اپنی امت کے اندر چھوڑ جاؤں گا۔

اس حدیث میں عذاب دنیاوی سے محفوظ رہنے کے لئے دو چیزیں ارشاد فرمائی ایک غیر اختیاری یعنی حضور اقدس ﷺ کا اس دنیا میں تشریف فرما ہونا یہ امر بندوں کے اختیار میں نہیں، جب اللہ نے چاہا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وفات دے کر اٹھا لیا جس کی وجہ سے امان کا ایک ذریعہ جاتا رہا اور دوسرا ذریعہ باقی ہے جو اپنے اختیار میں ہے یعنی استغفار کرتے رہیں اور عذاب سے بچتے رہیں۔ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا یہی ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو امانتیں نازل فرمائیں جن میں سے ایک آپ کا وجود گرامی ہے اور دوسرا استغفار ہے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد قیامت تک کے لئے امت کے لئے ایک امان یعنی استغفار باقی ہے۔ اہل مکہ مشرک تھے ابوجہل ان کا سردار تھا۔ اس نے پتھر برسنے یا دردناک عذاب آنے کی دعا مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ہوتے ہوئے اور استغفار میں مشغول ہوتے ہوئے ان پر عذاب بھیجے۔ حضور اکرم ﷺ ہجرت سے پہلے ان کے اندر موجود تھے یہ تو ظاہر ہی ہے، اور استغفار کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ زمانہ شرک میں جو حج کرتے تھے اس میں غفرانک غفرانک کہتے جاتے تھے۔ یہ الفاظ طلب مغفرت کے لئے بولے جاتے ہیں، جب مشرکوں کو امان دی گئی کہ جب تک استغفار کرتے رہیں گے عذاب دنیا میں مبتلا نہ ہوں گے تو مومنین بطریق اولیٰ استغفار کی وجہ سے عذاب دنیا سے محفوظ رہیں گے۔

کثرت استغفار اور رحمتوں کی آبشار

میں اگر یوں کہوں کہ کثرت استغفار رحمتوں کی آبشار ہے تو یہ قطعاً مبالغہ نہیں ہوگا۔ وہ

دنیا اور آخرت میں مبارک اور خوش قسمت ہیں جنہیں کثرت استغفار کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے عبداللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے بہت بہتر ہے جو قیامت کے دن اپنے نامہ اعمال میں کثیر استغفار پائے۔ دل کی ظلمت اور کدورت کا علاج بھی یہ ہے کہ استغفار کیا جائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب مومن بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے، پس اگر توبہ و استغفار کرلے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو یہ سیاہ داغ بھی بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جائے گا یہی وہ زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا۔ (ترمذی)

توبہ سے غفلت کے اسباب

جب توبہ کے اس قدر فضائل و ثمرات ہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ لوگ توبہ نہیں کرتے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ نہ کرنے کے مختلف اسباب بیان فرمائے ہیں۔ توبہ نہ کرنے کا پہلا سبب یہ ہے کہ آخرت پر کامل ایمان نہیں ہوتا۔ اگر انسان کا آخرت پر وہاں کے جزا و سزا پر کامل ایمان ہو تو وہ کبھی بھی توبہ سے غافل نہیں رہ سکتا۔ جس شخص کو یقین ہے کہ گناہوں سے توبہ نہ کرنے کی وجہ سے دہکتے شعلوں کی نذر ہو سکتا ہوں، لوہے کے گرزوں سے میری پٹائی ہو سکتی ہے، کھولتا ہوا گندا پانی اور جہنمیوں کی پیپ میرا مشروب بنے گی، خوفناک اژدھے مجھ پر مسلط کر دیئے جائیں گے۔ اور اگر میں توبہ کر لوں تو ان ہولناک عذاب سے بچ جاؤں گا تو بتائیے کہ وہ توبہ کرنے کو ترجیح دیگا یا توبہ سے غافل رہیگا؟

توبہ سے غفلت کا دوسرا سبب خواہشات کی غلامی ہے۔ سب کچھ جانتے بوجھتے انسان شہوات و خواہشات کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور اس سے نکلنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم کو بنانے کے بعد جبرائیل کو اس کے معائنہ کیلئے بھیجا۔ جبرائیل نے جنت کی نعمتیں اور اسباب عیش دیکھ کر عرض کی کہ ان کے بارے میں جو بھی سنے گا وہاں جانے کی ضرور کوشش کرے گا۔ اور جہنم کی کلفتیں اور ہولناک سزاؤں کے معائنہ کے بعد عرض کیا کہ ان کے بارے

میں جو بھی ہیں سے ایک ہو وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرے گا جو جہنم میں لے جانے کا سبب بنے۔ پھر رب تعالیٰ نے جنت کو مکارہ (ایسے اعمال جو نفس پر مشکل ہوں) کے ساتھ اور جہنم کو شہوات و مرغوبات کے ساتھ ڈھانپ دیا اور جبرائیل کو دوبارہ معائنہ کا حکم دیا۔ جبرائیل نے مشاہدہ کے بعد عرض کیا کہ اے رب العالمین! اب تو ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو جہنم سے بچ سکیں اور جنت میں داخل ہو سکیں۔

توبہ سے غفلت کا تیسرا سبب یہ مفروضہ ہے کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے، ادھار کے وعدے پر نقد سے کیوں محروم ہوا جائے۔

تیری گلی چھوڑ کر بہشت عدن میں جائے کون .... نقد کا سودا چھوڑ کر وعدہ پر دل لگائے کون

توبہ سے غفلت کا چوتھا سبب یہ وسوسہ ہے کہ توبہ تو کرلوں مگر ٹوٹ جائے تو کیا فائدہ؟ یہ بالکل ایسے ہے کہ بھوک لگی ہوئی ہے کھانا نہیں کھاتے اس لئے کہ شام کو پھر بھوک لگ جائیگی، پھر کھانا کھانے سے کیا فائدہ؟ ملیریا ہو رہا ہے بیمار ہیں لیکن اس کا علاج نہیں کرتے اس لئے کہ اگلے موسم میں پھر ملیریا ہو جائیگا۔ یہ شیطان کی چالیں اور نفس کے وسوسے ہیں، اس وقت تو علاج کرو بعد کا بعد میں دیکھا جائیگا، اس وقت تو روحانی بھوک کا ازالہ کرو بعد میں پھر بھوک لگی تو پھر توبہ کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ. (البقرہ) اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو بار بار توبہ کرنے والے اور پاکیزگی اختیار کرنے والے ہیں۔

بعض مفسرین علماء کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو بار بار توبہ کرتے ہیں کیونکہ ان کی توبہ بار بار ٹوٹتی ہے۔ ایک عجیب حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم سارے کے سارے نیک بن جاؤ، اتنے نیک بن جاؤ کہ تم سے کوئی گناہ بھی سرزد نہیں ہوتا میں تم سب کو ختم کردوں گا اور ایک ایسی امت پیدا کروں گا جو یذنبون ویستغفرون ثم یذنبون ثم یستغفرون ثم یذنبون ثم یستغفرون۔ یعنی وہ لوگ گناہ کریں گے پھر معافی مانگیں گے، پھر گناہ کریں گے پھر معافی مانگیں گے، پھر گناہ کریں گے پھر معافی مانگیں گے۔ توبہ ٹوٹتی ہے تو ٹوٹتی رہے ایک بار تو سچی توبہ کریں گے، اس وقت پورے اخلاص اور عزم کے ساتھ توبہ کریں گے خواہ دس منٹ کے بعد ہی ٹوٹتی ہے تو ٹوٹ جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ ہیں جن کی پوری زندگی گناہوں میں گزرتی چلی آرہی ہے، مثلاً چالیس سال سے شراب پیتے چلے آرہے ہیں، وہ توبہ کرنا چاہتے

بھی گناہ چھڑوا دے گا اور آئندہ گناہ کا موقع فراہم کر کے نہیں دے گا یہ بہت آسان اور مجرب نسخہ ہے ضرور کریں۔ اس بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ نے بہت عجیب بات فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص زندگی بھر توبہ کرتا رہے اور اسکی توبہ ٹوٹتی رہے تو پھر گناہ کے فوراً بعد توبہ کرے اور پھر توبہ ٹوٹ جائے زندگی ساری اگر اسکی ایسی گزر جائے تو بھی یہ اسکی استقامت ہے۔ اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ شخص آخر دم تک میری راہ میں لڑتا تو رہا اس نے ہتھیار تو نہیں پھینکے۔ مستقل طور پر باطل پرست تو نہیں ہو گیا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ استقامت کا اجر عطا فرما دیں گے کہ میری راہ میں چلتے ہوئے کبھی سر کے بل کبھی منہ کے بل گرتا رہا لیکن پھر بھی توبہ کرتا رہا اور میری ہی طرف آگے کو بڑھتا رہا۔ تو مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ توبہ کا بار بار کرنا خواہ توبہ ٹوٹتی رہے توبہ کے نہ کرنے سے بہت بہتر ہے۔

توبہ سے غفلت کا پانچواں سبب یہ وسوسہ ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے گناہ کئے جاؤ وہ معاف کر دے گا، یہ حماقت کی بات ہے۔ قرآن مجید میں غفور رحیم کا استعمال مشروط معانی میں ہوا ہے۔ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ. میں غفور رحیم ہوں صرف اس شخص کیلئے جو توبہ کرے ایمان لے آئے عمل صالح کرے اور پھر ہدایت یافتہ ہو جائے۔

ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ جس طرح سے عام لوگ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم سمجھتے ہیں ایسے ہی اگر ہم اللہ کو غفور رحیم سمجھتے ہیں تو لیجئے میں ایک گناہ بتاتا ہوں وہ آپ کر کے دکھائیں۔ زہر پڑیا کھا کے بتائیں، دیکھیں سزا دیتا ہے یا غفور رحیم ہونے کی وجہ سے معاف کر دیتا ہے۔ اپنا چھت پر سے چھلانگ لگا کر دیکھیں یہ بھی ایک غلطی ہے وہ معاف کر دیگا وہ غفور رحیم ہے۔ آپ کہیں گے یہ تو معاف نہیں کریگا اسلئے کہ یہ تو جسمانی غلطی ہے تو وہ روحانی غلطیوں کو کیوں معاف کریگا؟ اگر اللہ تعالیٰ مادی زہر کو معاف نہیں کرتے ہیں تو روحانی زہر کو کیوں معاف کریں گے۔ اگر سنکھیا مادی زہر ہے تو شراب روحانی زہر ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ جسمانی زہر کا استعمال تو معاف نہ کرے اور روحانی زہر کا استعمال معاف کر دے۔ تمام گناہ روحانی زہر ہیں یہ ساری خودکشیاں ہیں یہ اس وقت تک قابل معافی نہیں جب تک ان سے صدق دل سے توبہ نہ کر لی جائے۔ توبہ سے غفلت کا ساتواں سبب قنوطیت ہے۔ انسان گناہوں میں ڈوب جانے کے بعد اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور

جو جی میں آتا ہے کرگزرتے ہیں، سوچتا ہے کہ اب نجات سے تو گئے، ساری عمر تو یونہی گزری، یہ مایوسی کی کیفیت ہے، اور انتہائی مہلک کیفیت ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مجرم مثلاً چنگیز، ہلاکو اور فرعون سب اسی قنوطیت کا شکار تھے، انہیں یقین تھا کہ ہماری مغفرت نہیں ہو سکتی، اب جو جی میں آئے وہ ظلم کرو، پھر وہ ظلم کر کے اس سے مزہ لیتے تھے۔ قرآن میں اس مایوسی کی کیفیت کو ختم کیا گیا ہے، اور بدترین مجرموں کیلئے بھی توبہ کا راستہ کھلا ہوا ثابت کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

([illegible])

دوسرا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے حضورؐ کے دس مثالی ارشادات

قابل احترام بھائیو! یہ باب ہماری کتاب "مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو" کا دوسرا باب ہے۔ اس باب میں ہم مردوں کی مثالی زندگی کے لئے حضور سرور کونین ﷺ کے دس مثالی ارشاد پیش کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کے تمام ارشادات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، پیغمبر ﷺ کے اقوال میں ہی ہماری کامیابی اور فوز و فلاح مضمر ہے، جی ہاں اگر ہم حضور ﷺ کی تعلیمات کو دل و جان سے قبول کریں گے تو یقیناً ہم ترقی کریں گے، ورنہ حضور کی تعلیمات سے ہٹ کر ہم قعر مذلت میں گرتے چلے جائیں گے، تاریخ گواہ ہے کہ جب تک امت مسلمہ نے اپنے آقائے دو عالم ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کو اپنائے رکھا، یہ کامیاب رہے اور ترقی کرتے رہے اور جب اس امت نے اپنے نبی کی تعلیمات کو چھوڑ کر غیروں کی تعلیمات کو اپنایا تو اللہ نے انہیں غیروں ہی کا غلام بنا دیا۔ آج بھی اگر مسلم قوم اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات پر گامزن ہو جائے تو بیشک یہ امت دوبارہ وہ گم گشتہ عزت و عظمت حاصل کر سکتی ہے۔

چنانچہ اسی لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اپنی اس کتاب میں حضور ﷺ کے خاص خاص دس ارشادات آپ کے سامنے رکھیں، ویسے تو آپ ﷺ کا ہر ارشاد و حدیث خاص ہی ہے لیکن ہم نے فی الحال محض دس پر ہی اکتفا کیا، کیونکہ پوری کتاب میں ہماری ترتیب دس کے اعتبار سے چل رہی ہے۔ بہر حال مناسب ہے کہ پہلے ہم حضور ﷺ کے ان دس ارشادات کے عنوان آپ کو بتا دیں اور پھر اپنی کتاب کو آگے بڑھائیں۔

چنانچہ پہلے ارشاد میں ایمان کامل کی چار علامتیں مذکور ہیں کہ اگر ان چار علامتوں پر دل

دونوں سے عمل کر لیا جائے تو ایمان کامل واکمل بن سکتا ہے، دوسرے ارشاد میں تین صفات اپنانے پر تین انعامات کا ذکر ہے کہ جو حضور ﷺ کی بتائی ہوئی ان تین صفات پر عمل کرے گا وہ تین انعامات کا مستحق ہو جائے گا، تین صفات اور تین انعامات کیا ہیں اس دوسرے ارشاد کے ذیل میں آپ تفصیل سے پڑھیں گے، تیسرے ارشاد میں صبر وشکر کی تلقین ہے کہ صبر وشکر کے کیا کیا فوائد ہیں تاکہ ہمیں ترغیب ہو اور ہم صبر وشکر جیسی عظیم دولت سے بہرہ ور ہوں، ویسے ان صفات کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے آگے نقل کردہ اوصاف میں بھی ان کو شامل کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان صفات کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، چوتھے ارشاد میں قناعت کی ترغیب ودعوت ہے کہ قناعت کس قدر فائدے کی چیز ہے۔ پانچویں ارشاد میں تین ایسی چیزوں (اعمال) کا ذکر ہے کہ جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، وہ تین چیزیں یا تین اعمال کیا ہیں، آنے والے ارشاد میں آپ مطالعہ کریں گے، چھٹے ارشاد میں حضور ﷺ کی چھ زریں نصیحتیں ہیں، بے شک ان نصیحتوں میں ایک ایک نصیحت آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

ساتویں ارشاد میں بیویوں کے حقوق اور ان کی رعایت ومدارات کی تاکید ہے، آٹھویں ارشاد میں خرچ کرنے والوں کے لئے فرشتوں کی دعا ہے، تاکہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا شوق پیدا ہو، نویں ارشاد میں منافق شخص کی تین علامتیں بتائی گئی ہیں، تاکہ ان علامتوں کو پڑھ کر ہم نفاق جیسی بری بیماریوں سے بچنے کی کوشش کر سکیں، دسویں اور آخری ارشاد میں آخرت کا فائدہ اور نقصان کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بہر حال اس باب میں آنے والے دس ارشادات کا مختصر سا خاکہ ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، باقی آنے والے اوراق میں ان ارشادات سے متعلق آپ تفصیل سے پڑھیں گے ان شاء اللہ، پچھلے باب کی طرح یہاں بھی ہم نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ حضور ﷺ کے ارشادات کی تشریح اپنی طرف سے کرنے کے بجائے اکابرین اور علماء کرام کی تشریحات کو پیش کریں، تاکہ اکابرین کے خلوص اور نورانیت سے ہم پوری طرح استفادہ کر سکیں، تو قابل احترام دوستو! اب ہم اپنی بات کو سمیٹتے ہیں اور آپ حضور ﷺ کے ارشادات اور ان کی تشریحات کا مطالعہ کرنا شروع کیجئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پہلا ارشاد

ایمان کامل کی چار علامتیں

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لئے دے، اور کسی کو دینے سے منع کرے تو اللہ کے لئے منع کرے۔ اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے، اور اگر کسی سے بغض اور عناد رکھے تو اللہ کے لئے رکھے تو اس شخص کا ایمان کامل ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے ایمان کے کامل ہونے کی گواہی دی۔

تشریح...... ایمان کامل کی پہلی علامت یہ بیان فرمائی کہ دے تو اللہ کے لئے دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی موقع پر کچھ خرچ کر رہا ہے تو اس خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ انسان اپنی ذات پر بھی خرچ کرتا ہے، اپنے اہل وعیال پر بھی خرچ کرتا ہے اور صدقہ خیرات بھی کرتا ہے تو ان تمام مواقع پر خرچ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ صدقہ خیرات میں تو یہ بات واضح ہے کہ اسکو دیتے وقت یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے یہ صدقہ دے رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسکا ثواب مجھے عطا فرمادیں۔ اس صدقہ دینے میں احسان جتانا مقصود نہ ہو، نام ونمود مقصود نہ ہو، دکھاوا مقصود نہ ہو تو یہ دینا اللہ کیلئے ہوا۔

صدقہ خیرات کے علاوہ بھی جہاں خرچ کرو تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کر لو۔ مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کوئی چیز خریدی اور دکاندار کو پیسے دیدیئے۔ اب بظاہر تو یہ ایک دنیاوی معاملہ ہے لیکن اگر وہ چیز مثلاً گوشت ترکاری خریدتے وقت یہ نیت کر لی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اہل وعیال کے جو حقوق میرے ذمے عائد کر رکھے ہیں، ان حقوق کی ادائیگی کیلئے یہ خریداری کر رہا ہوں۔ اور اگر اسی طرح دوسری نیت یہ کر لی کہ میں دکاندار کے ساتھ خرید وفروخت کا جو معاملہ

کر رہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اس حلال طریقے کے مطابق کر رہا ہوں جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جائز کیا ہے اور حرام طریقے سے معاملہ نہیں کر رہا ہوں۔ تو ان روپوں کیساتھ خریداری کا جو معاملہ کیا اور دکاندار کو پیسے دیدیئے، یہ دین اللہ تعالیٰ کیلئے ہوا۔ اگرچہ بظاہر یہ نظر آ رہا ہے کہ تم نے ایک دنیاوی لین دین کا معاملہ کیا اور گوشت خریدا یا کپڑا خریدا یا ترکاری خریدی لیکن یہ دین اللہ کیلئے ہوا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دین اور دنیا میں صرف زاویہ نگاہ بدلنے کا فرق ہے۔ اگر زاویہ نگاہ بدل لو تو وہی دنیا تمہارے حق میں دین بن جائیگی۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ تم دنیا کے اندر جو کچھ کام کر رہے ہو سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، یہ سب کرتے رہو مگر ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو۔ مثلاً کھانا کھانا ایک دنیاوی کام ہے لیکن کھانا کھاتے وقت یہ سوچ لو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

(ان لنفسک علیک حقا) (صحیح بخاری)

یعنی تمہارے نفس کا بھی تمہارے اوپر کچھ حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی کیلئے کھانا کھا رہا ہوں اور یہ سوچ لو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کھانا آتا تو آپ ﷺ اسکو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر اس پر شکر کرتے ہوئے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ میں بھی آپ کی اسی سنت کی اتباع میں کھانا کھا رہا ہوں۔ تو اب یہی دنیا کا کام دین کا کام بن گیا۔ لہٰذا وہ سارے کام جن کو ہم دنیاوی کام سمجھتے ہیں، ان میں کوئی بھی ایسا کام نہیں ہے جس کو ہم زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے دین نہ بنا سکیں اور اسکو اللہ کیلئے نہ بنا سکیں۔ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی جتنے کام ہم کرتے ہیں ان کے بارے میں ذرا ہم سوچیں کہ میں ان کے اندر زاویہ نگاہ بدل کر کس طرح انکو دین بنا سکتا ہوں۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ صدقہ کرنا صرف اسکا نام ہے کہ آدمی کسی ضرورت مند کو پیسے دیدے یا کسی غریب کو کھانا کھلا دے وغیرہ۔ بس یہ کام صدقہ ہے اسکے علاوہ کوئی کام صدقہ نہیں۔ لیکن حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نیک کام جو نیت سے کیا جائے وہ صدقہ ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ کھانے کا وہ لقمہ جو انسان اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے، یہ بھی صدقہ ہے۔ یہ صدقہ اسلئے ہے کہ آدمی یہ کام اسلئے کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ یہ حق عائد کیا ہے، اس حق کی ادائیگی

کیلئے میں یہ کام کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ اسکو اس کام پر صدقہ اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ یہ سب کام اللہ کیلئے دینے میں داخل ہیں۔

دوسری علامت یہ بیان فرمائی کہ اگر روکے اور منع کرے تو اللہ کیلئے روکے۔ مثلاً کسی جگہ پر پیسہ خرچ کرنے سے بچایا تو وہ بچانا بھی اللہ کیلئے ہو۔ چونکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فضول خرچی نہ کرو۔ اس فضول خرچی سے بچنے کیلئے میں اتنا پیسہ بچا رہا ہوں۔ تو یہ بچانا اور روکنا اللہ کیلئے ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص آپ سے ایسے کام کیلئے پیسوں کا مطالبہ کر رہا ہے جو کام شرعاً ممنوع ہے۔ اب آپ نے اس کام کیلئے اسکو پیسے نہیں دیئے تو یہ نہ دینا اللہ کیلئے ہوا۔

ہمارے معاشرے میں نہ جانے کیسے کیسے رسم و رواج پڑ گئے ہیں کہ اس موقع پر فلاں تحفہ دیا جاتا ہے، اس موقع پر فلاں تحفہ دیا جاتا ہے، اس موقع پر یہ رسم ہے۔ اگر اس موقع پر نہیں دیئے تو ناک کٹ جائیگی۔ اب اس موقع پر تحفہ دینے کا نہ تو شریعت نے کوئی حکم دیا اور نہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم دیا۔ مثلاً تقریبات اور شادیوں میں "نیوتہ" دیا جاتا ہے، اسکو اس قدر لازمی سمجھا جاتا ہے کہ چاہے کسی کے پاس پیسے ہوں یا نہ ہوں۔ چاہے وہ قرض لے، چاہے وہ حرام طریقے سے کما کر دے یا رشوت لے کر دے۔ لیکن یہ "نیوتہ" ضرور دے۔ اگر نہیں دیا تو معاشرے میں ناک کٹ جائیگی۔ اب ایک شخص کے پاس دینے کیلئے پیسے موجود ہیں اور معاشرے کی طرف سے دینے کا مطالبہ بھی ہے لیکن وہ شخص صرف اسلئے نہیں دے رہا ہے کہ چاہے معاشرے کے اندر ناک کٹ جائے لیکن میرا اللہ تعالیٰ تو راضی نہیں ہوگا۔ اب یہ روکنا اللہ کیلئے ہوگا۔ یہ بھی ایمان کامل کی علامت ہے۔

تیسری علامت یہ بیان فرمائی کہ اگر محبت کرے تو اللہ کیلئے محبت کرے۔ دیکھئے۔ ایک محبت تو بغیر کسی شائبہ کے خالصۃً اللہ کیلئے ہوتی ہی ہے۔ جیسے کسی اللہ والے سے محبت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے محبت اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ اس سے پیسے کمائیں گے بلکہ اس سے محبت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس سے محبت اور تعلق رکھیں گے تو ہمارے دین کا فائدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ یہ محبت اللہ کیلئے ہے اور بڑی برکت کی اور بڑے فائدے کی چیز ہے۔

بعض اوقات شیطان اور انسان کا نفس اس محبت میں بھی صحیح راستے میں گمراہ کر دیتا ہے۔

مثلاً اولیاء اللہ سے اس تعلق کے وقت شیطان یہ نیت ان کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ اگر ہم ان کے مقرب بنیں گے تو دنیا والوں کی نگاہ میں ہماری قدر و قیمت بڑھ جائیگی۔ العیاذ باللہ یا مثلاً لوگ یہ کہیں گے یہ صاحب تو فلاں بزرگ کے خاص آدمی ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو محبت خالص اللہ کیلئے ہونی چاہئے تھی وہ اللہ کیلئے نہیں ہوتی بلکہ وہ محبت دنیاداری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یا بعض لوگ کسی اللہ والے کیساتھ اسلئے رابطہ جوڑ لیتے ہیں کہ ان کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، صاحب منصب اور صاحب اقتدار بھی آتے ہیں اور بڑے بڑے مالدار لوگ بھی آتے ہیں۔ جب ہم ان بزرگ کے پاس جائیں گے تو ان لوگوں سے بھی تعلقات قائم ہو نگے اور پھر اس تعلق کے ذریعہ ان سے اپنی ضروریات اور اپنے مقاصد پورے کریں گے۔ العیاذ باللہ۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو محبت اللہ کیلئے ہونی تھی وہ دنیا حاصل کرنے کیلئے ہوگی۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی اللہ والے کے پاس یا کسی استاد کے پاس یا کسی شیخ کے پاس دین حاصل کرنے کیلئے جارہا ہے تو یہ محبت خالص اللہ کیلئے ہے اور حب فی اللہ میں داخل ہے اور اس محبت پر اللہ تعالیٰ نے بڑے ثمرات اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

لیکن اس محبت کے علاوہ جو دنیاوی محبتیں کہلاتی ہیں مثلاً ماں سے محبت ہے یا باپ سے محبت ہے یا بھائی بہن سے محبت ہے یا بیوی بچوں سے محبت ہے۔ رشتہ داروں سے محبت ہے، دوستوں سے محبت ہے۔ اگر انسان ذرا زاویہ نگاہ بدل لے تو یہ محبتیں بھی اللہ کیلئے ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص والدین سے محبت اسلئے کرے کہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ والدین سے محبت کرو۔ یہاں تک فرمادیا کہ اگر کوئی شخص والدین پر محبت سے ایک نظر ڈالے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ اب بظاہر دیکھنے میں وہ شخص طبعی تقاضے کے نتیجے میں والدین سے محبت کر رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ محبت اللہ کیلئے ہے۔

بیوی سے محبت ہے۔ اب بظاہر تو یہ محبت نفسانی تقاضے سے ہے۔ لیکن اس محبت میں اگر آدمی یہ نیت کرے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس محبت کا حکم دیا ہے اور میں حضور اقدس ﷺ کی سنت کی اتباع میں بیوی سے محبت کر رہا ہوں تو یہی محبت اب اللہ کیلئے ہوگی۔ اب اگر ایک شخص اللہ

کیلئے بیوی سے محبت کر رہا ہے اور دوسرا شخص اپنی نفسانی خواہشات کیلئے بیوی سے محبت کر رہا ہے تو بظاہر دیکھنے میں دونوں محبتیں ایک جیسی نظر آئیں گی کوئی فرق معلوم نہیں ہوگا لیکن دونوں محبتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ احادیث میں یہ بات ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے بڑی محبت فرماتے تھے اور انکی دلداری کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرماتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کیساتھ ایسے ایسے معاملات نظر آتے ہیں جو بعض اوقات ہم جیسے لوگوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔

مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنائی کہ گیارہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہر عورت اپنے اپنے شوہر کا حال بیان کرے گی۔ پھر ایک عورت نے یہ کہا۔ دوسری نے یہ کہا۔ تیسری نے یہ کہا۔ چوتھی نے یہ کہا وغیرہ۔ اب جس ذات گرامی پر اللہ تعالیٰ سے وحی نازل ہو رہی ہے اور جس ذات گرامی کا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہے، وہ ذات گرامی اپنی بیوی کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنا رہے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سفر پر تشریف لے جا رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں راستے میں ایک کھلا میدان آیا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ دوڑ لگاؤ گی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیساتھ دوڑ لگائی۔ وہاں بے پردگی کا کوئی احتمال نہیں تھا۔ اسلئے کہ جنگل تھا اور کوئی دوسرا شخص ساتھ نہیں تھا۔

اب بظاہر یہ کام ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے یا اللہ کی عبادت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اسی طرح ہم میں سے کوئی شخص بیوی کی دلداری اور اسکی دلجوئی کیلئے اس قسم کا کوئی تفریح کا کام کرتا ہے وہ بھی بظاہر ایسا ہی لگتا ہے جیسے حضور اقدس ﷺ دلجوئی کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے اس کام میں اور حضور اقدس ﷺ کے اس کام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم اس کام کو اپنی نفسانی خواہش اور نفسانی تقاضے کی بنیاد پر کرتے ہیں اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنے مقام بلند سے نیچے اتر کر اس کام کو اسلئے کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بیوی کی دلداری کرو۔

صوفیاء کرام نے فرمایا "عارف" یعنی جو اللہ کی معرفت اور شریعت و طریقت کی معرفت

رکھتے ہوں۔ وہ "عارف" مجموعہ اضداد ہوتا ہے۔ یعنی اسکی ذات میں اور اسکے عمل میں ایسی چیزیں جمع ہوتی ہیں جو بظاہر دیکھنے میں متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک طرف اسکا راستہ اللہ تعالیٰ سے بھی جڑا ہوا ہے۔ تعلق مع اللہ بھی حاصل ہے اور ملکہ یادداشت بھی حاصل ہے۔ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر و فکر ہو رہا اسکی یاد دل میں بسی ہوئی ہے اور دوسری طرف لوگوں کیساتھ اور گھر والوں کیساتھ ہنس رہا ہے، بول بھی رہا ہے، کھا بھی رہا ہے، پی بھی رہا ہے۔ اسلئے ایسا شخص مجموعہ اضداد ہوتا ہے۔ اسی طرح صوفیاء کرام نے فرمایا کہ جو آدمی مبتدی ہوتا ہے یعنی جس نے ابھی طریقت کے راستے پر چلنا شروع کیا ہے اور دوسرا آدمی جو منتہی ہے۔ یعنی جو طریقت کا پورا راستہ طے کرکے آخری منزل تک پہنچ گیا ہے۔ ان دونوں کی ظاہری حالت ایک جیسی ہوتی ہے۔ بظاہر دونوں ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ اور جو آدمی درمیان میں ہوتا ہے اسکی حالت علیحدہ ہوتی ہے۔ مثلاً ایک ہم جیسا مبتدی ہے جس نے ابھی دین کے راستے پر چلنا شروع کیا ہے تو وہ دنیا کے سارے کام کر رہا ہے۔ کھا رہا ہے، پی رہا ہے، ہنس بول رہا ہے، خرید و فروخت کر رہا ہے، بیوی بچوں کیساتھ ہنسی مذاق کر رہا ہے۔ دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ بازار میں خرید و فروخت کر رہے ہیں، مزدوری بھی کر رہے ہیں، بیوی بچوں کیساتھ ہنس بول رہے ہیں جبکہ آپ منتہی ہیں۔ اب بظاہر منتہی اور مبتدی کی حالت ایک جیسی نظر آ رہی ہے۔ لیکن حقیقت میں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور ایک تیسرا آدمی ہے جو مبتدی سے ذرا آگے بڑھ گیا ہے اور درمیان راستے میں ہے۔ اسکی حالت الگ ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ نہ تو وہ بازار میں جاتا ہے، نہ بیوی بچوں کیساتھ ہنستا بولتا ہے اور ہر وقت اللہ کی یاد اور استغراق میں لگا ہوا ہے۔ صبح سے شام تک اس کے علاوہ اسکا کوئی مشغلہ نہیں ہے۔ یہ درمیان والا شخص ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں اشخاص کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ جیسے ایک دریا ہے ایک آدمی دریا کے اس کنارے پر کھڑا ہے اور دوسرا آدمی دریا پار کرکے دوسرے کنارے پر کھڑا ہے اور تیسرا آدمی دریا کے اندر ہے، دریا پار کر رہا ہے ہاتھ پاؤں چلا رہا ہے۔ اور اب بظاہر وہ شخص جو اس کنارے پر کھڑا ہے دونوں کی ظاہری حالت ایک جیسی ہے۔ یہ بھی ساحل پر کھڑا ہے اور وہ بھی ساحل پر کھڑا ہے لیکن جو اس ساحل پر کھڑا ہے وہ ابھی تک دریا میں داخل ہی نہیں ہوا اور ابھی تک اس نے دریا کی موجوں کا مقابلہ نہیں کیا

ہے لیکن جو شخص دوسرے ساحل پر کھڑا ہے وہ دریا پار کرکے دریا کی موجوں کا مقابلہ کرکے دوسرے ساحل پر پہنچ چکا ہے اور تیسرا شخص ابھی دریا میں غوطے لگا رہا ہے اور دوسرے ساحل پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے اور موجوں سے لڑ رہا ہے۔ اب بظاہر یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ تیسرا شخص بڑا بہادر ہے جو دریا کی موجوں سے کھیل رہا ہے اور طوفانوں کا مقابلہ کر رہا ہے لیکن حقیقتاً بہادر وہ ہے جو ان موجوں اور طوفانوں کا مقابلہ کرکے دوسرے کنارے پر پہنچ چکا ہے۔ اور اب اسکی حالت اس شخص جیسی ہوگئی جو دریا میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اس وجہ سے مبتدی اور منتہی کی حالت ایک جیسی نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

اب یہ کہ دنیاوی محبتیں بھی اللہ کیلئے ہو جائیں، یہ درجہ حاصل کرنے کیلئے انسان کو کچھ مشق کرنی پڑتی ہے۔ اور بزرگان دین اور صوفیاء کرام کے پاس جب کوئی شخص اپنی اصلاح کرانے کیلئے جاتا ہے تو یہ حضرات مشق کراتے ہیں کہ یہ ساری محبتیں اسی طرح رہیں لیکن ان محبتوں کا زاویہ بدل جائے اور انکا طریقہ اس طرح بدل جائے کہ یہ محبتیں حقیقت میں اللہ کیلئے ہو جائیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان محبتوں کو بدلنے کی سالہا سال مشق کی ہے تب جا کر اس میں کامیابی ہوئی اور اس طرح مشق کی ہے کہ مثلاً گھر میں داخل ہوئے، کھانے کا وقت ہے بھوک لگی ہوئی ہے اب کھانا کھانے کیلئے بیٹھے کھانا سامنے آیا۔ اب دل چاہ رہا ہے کہ جلدی سے کھانا شروع کر دیں لیکن ایک لمحے کیلئے رک گئے اور دل میں یہ خیال لائے کہ نفس کے تقاضے سے کھانا نہیں کھائیں گے۔ پھر یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس کا مجھ پر حق رکھا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی یہ عادت تھی کہ آپ ﷺ کے سامنے جب کھانا آتا تو آپ شکر ادا کرتے ہوئے اور اس کھانے کی طرف اپنی احتیاج ظاہر کرتے ہوئے کھانا کھایا کرتے تھے۔ مجھے آپ کی اس سنت کی اتباع کرنی چاہئے، لہٰذا آپ کی اتباع میں کھانا کھاتا ہوں۔ پھر کھانا شروع کیا۔ اس طرح زاویہ نگاہ بدل دیا۔

بچوں کے ساتھ اللہ کے لئے محبت

اسی طرح گھر میں داخل ہوئے، دیکھا کہ بچہ کھیل رہا ہے اور وہ بچہ کھیلتا ہوا اچھا لگا اور دل

چاہا کہ اسکو گود میں اٹھا کر اسکو پیار کروں۔ اسکے ساتھ کھیلوں۔ لیکن ایک لمحے کیلئے رک گئے اور یہ سوچا کہ اپنے نفس کے تقاضے سے بچے سے پیار نہیں کریں گے۔ پھر دوسرے لمحے دل میں خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی کہ آپؐ بچوں سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن مسجد نبوی میں جمعہ کا خطاب دے رہے تھے۔ اتنے میں حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں گرتے پڑتے مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔ جب آپؐ نے انکو آتا دیکھا تو فوراً منبر سے اترے اور انکو گود میں اٹھالیا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نوافل پڑھ رہے تھے، حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ابھی بچی تھیں وہ آکر کسی طرح آپ ﷺ کے کندھے پر سوار ہوگئیں۔ جب آپ ﷺ رکوع میں جانے لگے تو آپ ﷺ نے انکو آہستہ سے اتار کر نیچے اتار دیا۔ جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو پھر وہ آپ ﷺ کے اوپر سوار ہوگئیں۔ بہرحال، بچوں کیساتھ پیار کرنا، محبت کرنا، ان کیساتھ کھیلنا، یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے۔ اس سنت کی اتباع میں میں بھی بچے سے پیار کرتا ہوں، اور اسکے ساتھ کھیلتا ہوں۔ یہ تصور کرکے بچے کو اٹھالیا۔ اس سنت کا استحضار کرلیا۔ شروع شروع میں آدمی تکلف سے یہ کام کرتا ہے لیکن بار بار کرنے کے نتیجے میں تکلف باقی نہیں رہتا بلکہ وہ کام طبیعت بن جاتا ہے اور پھر اسکے بعد ساری محبتیں اللہ کیلئے ہوجاتی ہیں۔ چاہے بیوی سے محبت ہو یا بچوں سے محبت ہو یا چاہے والدین سے محبت ہو۔

یہ نسخہ تو بہت آسان ہے۔ اس سے زیادہ آسان نسخہ اور کیا ہوگا کہ سب کام جو تم کرتے ہو اسی طرح کرتے رہو صرف ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو اور نیتوں کے اندر تبدیلی لے آؤ۔ لیکن اس آسان نسخے پر عمل اس وقت ہوگا جب انسان کیلئے تھوڑی سی محنت اور مشقت کرے اور ہر ہر قدم پر اس مشقت کو کرنے کی کوشش کرے۔ پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ ساری محبتیں اللہ کیلئے ہوجائیں گی۔

حب فی اللہ کی علامت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کیلئے محبت کی علامت کیا ہے؟ اسکی علامت یہ ہے کہ اگر کسی وقت اللہ کی محبت کا تقاضا ہو کہ میں ان محبتوں کو تج دو کہ وہ اں اور چھوڑ دوں تو اس وقت انسان کی طبیعت پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ہو۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ کیلئے ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آگئی۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے اپنے امتحان کا ایک عجیب موقع عطا فرمایا۔ وہ یہ کہ جب میں گھر گیا اور اہلیہ سے بات ہوئی تو اہلیہ نے تلخ لہجہ میں کوئی بات کہہ دی۔ اس وقت میرے منہ سے یہ نکلا کہ "بی بی مجھے اس لہجے کی برداشت نہیں ہے اگر تم کہو تو میں یہ کرنے کیلئے تیار ہوں کہ اپنی چارپائی اٹھا کر خانقاہ میں ڈال لوں اور ساری عمر وہیں گزار دوں لیکن مجھے اس لہجے کی برداشت نہیں۔"

حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنی اہلیہ سے یہ بات کہہ تو دی لیکن بعد میں میں نے سوچا اور اپنا جائزہ لیا کہ بڑی بات کہہ دی کہ چارپائی اٹھا کر خانقاہ میں ڈال دوں اور ساری عمر اسی طرح گزار دوں۔ کیا تم اس کام کے کرنے پر قادر بھی ہو؟ اگر اہلیہ یہ کہہ دے کہ چلو ایسا کر لو تو کیا ایسا کر لو گے؟ اور ساری عمر خانقاہ میں گزار دو گے یا ویسے ہی جھوٹا دعویٰ کر دیا؟ لیکن جائزہ لینے کے بعد یہ محسوس ہوا کہ الحمد للہ میں اس کام پر قادر ہوں۔ چونکہ ساری محبتیں اللہ کیلئے ہو گئیں ہیں اسلئے اب اگر کسی وقت اللہ کی محبت کی خاطر دوسری محبت کو چھوڑنا پڑے تو اس وقت کوئی ناقابل برداشت بوجھ نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ محبت تبدیل ہو کر اللہ کیلئے محبت بن گئی ہے۔

لیکن یہ مقام آتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کیلئے محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے اور یہ محنت اور مشق ایسی چیز نہیں ہے کہ جو ناممکن ہو بلکہ ہر انسان کر سکتا ہے۔ پھر اس محنت اور مشق کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ مقام عطا فرما دیتے ہیں وہ کر کے دیکھنے کی بات ہے۔ یہ سب "احب اللہ" کیلئے محبت میں داخل ہے۔

چوتھی علامت ہے "وابغض للہ" بغض اور غصہ بھی اللہ کیلئے ہو۔ یعنی جس کسی پر غصہ ہے یا جس کسی پر بغض ہے وہ اسکی ذات سے نہیں ہے بلکہ اسکے کسی برے عمل سے ہے یا اسکی کسی ایسی بات سے ہے جو مالک حقیقی کی ناراضگی کا سبب ہے تو یہ غصہ اور ناراضگی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔

اسلئے بزرگوں نے ایک بات فرمائی ہے جو ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ نفرت اور بغض کافر سے نہیں بلکہ اسکے کفر سے ہے۔ منافق سے بغض نہیں بلکہ اسکے فسق سے بغض ہے۔ نفرت اور بغض گناہگار سے نہیں بلکہ گناہ سے ہے۔ جو آدمی فسق و فجور اور گناہ کے اندر مبتلا ہے اسکی ذات غصہ کا محل نہیں بلکہ اسکا فعل غصہ کا محل ہے۔ اسلئے کہ ذات تو قابل رحم ہے۔ وہ بیچارہ بیمار ہے کفر کی

ذہن میں جمانا ہے، فاسق کی بیماری میں مبتلا ہے اور نفرت بیمار سے نہیں ہوتی بلکہ بیماری سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر بیمار سے نفرت کرو گے تو اس کی کون دیکھ بھال کرے گا؟ لہٰذا فسق و فجور سے اور کفر سے نفرت ہونی چاہئے اس کی ذات سے نہیں ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی ذات فسق و فجور سے باز آجائے تو وہ ذات گلے لگانے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ ذات کے اعتبار سے اس سے کوئی پرخاش اور کوئی ضد نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے عمل کو دیکھئے، وہ ذات جس نے آپ کے محبوب چچا حضرت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا، یعنی حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا اور جو اس کے سبب بنے یعنی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ، جب یہ دونوں اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا تو اب وہ آپ کے اسلامی بہن اور بھائی بن گئے۔ آج حضرت وحشی کے نام کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کہتے ہیں۔ ہندہ جنہوں نے کلیجہ چبایا تھا آج ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہا" کہا جاتا ہے۔ بات اصل یہی تھی کہ ان کی ذات سے کوئی نفرت نہیں تھی بلکہ ان کے فعل اور ان کے اعتقاد سے نفرت تھی۔ پھر جب یہ چیز توبہ کے ساتھ وہ برا فعل اور برا اعتقاد ختم ہو گیا تو اب ان سے نفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے زمانے میں ایک بڑے عالم اور فقیہ اور مفتی مولانا شیخ ضیاء الدین صاحب بھی موجود تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بحیثیت "صوفی" کے مشہور تھے اور یہ بڑے عالم "مفتی اور فقیہ" کی حیثیت سے مشہور تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ "سماع" کو جائز کہتے تھے۔ بہت سے صوفیاء کے یہاں سماع کا رواج تھا۔ سماع کا مطلب یہ ہے کہ موسیقی کے آلات کے بغیر حمد و نعت وغیرہ کے مضامین کے اشعار ترنم سے یا بغیر ترنم کے کسی خوش آواز سے کسی کا پڑھنا اور دوسروں کا اسے خوش عقیدگی اور محبت سے سننا۔ بعض صوفیاء اس کی اجازت دیتے تھے اور بہت سے فقہاء اور مفتی حضرات اس سماع کو بھی جائز نہیں کہتے تھے بلکہ "بدعت" قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے زمانے کے مولانا

حکیم ضیاء الدین صاحب نے بھی "سماع" کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ "سماع" سنتے تھے۔

جب مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی عیادت اور مزاج پرسی کیلئے تشریف لے گئے اور اطلاع کروائی کہ جا کر حکیم ضیاء الدین صاحب سے عرض کیا جائے کہ نظام الدین مزاج پرسی کیلئے حاضر ہوا ہے۔ اندر سے حکیم ضیاء الدین صاحب نے جواب دیا کہ انکو باہر روک دیں۔ میں کسی بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب بھجوایا کہ ان سے عرض کردو کہ یہ بدعتی بدعت سے توبہ کرنے کیلئے حاضر ہوا ہے۔ اسی وقت مولانا حکیم ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پگڑی بھیجی کہ اسے بچھا کر خواجہ صاحب اسکے اوپر قدم رکھتے ہوئے آئیں اور جوتے سے قدم رکھیں۔ ننگے پاؤں نہ آئیں۔ خواجہ صاحب نے پگڑی کو اٹھا کر سر پر رکھا اور کہا کہ یہ میرے لئے دستار فضیلت ہے۔ اس شان سے اندر تشریف لے گئے۔ مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور حکیم ضیاء الدین کیطرف متوجہ رہے۔ پھر خواجہ صاحب کی موجودگی میں حکیم ضیاء الدین کی وفات کا وقت آگیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمدللہ حکیم ضیاء الدین صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا کہ ترقی عروج کیساتھ انکا انتقال ہوا۔

غصہ بھی اللہ کے لئے ہو

بہر حال جو بغض اور غصہ اللہ کیلئے ہوتا ہے وہ کبھی ذاتی دشمنیاں پیدا نہیں کرتا اور وہ عداوتیں پیدا نہیں کرتا، کیونکہ جس آدمی سے بغض کیا جا رہا ہے اور جس پر غصہ کیا جا رہا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ انکو میری ذات سے دشمنی نہیں ہے بلکہ میرے خاص فعل سے یا خاص حرکت سے ہے۔ اسی وجہ سے وہ اسکی بات کا برا نہیں مانتا اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ جو کچھ بات ہے اللہ تعالیٰ کیلئے کہہ رہا ہے۔ اسکو فرماتے ہیں: (من احب للہ و ابغض للہ)

یعنی جس سے تعلق اور محبت ہے تو وہ بھی اللہ کیلئے ہے اور جس سے بغض اور نفرت ہے تو وہ بھی اللہ کیلئے ہے۔ تو یہ غصہ کا بہترین مصرف ہے بشرطیکہ یہ غصہ شرعی حدود کے اندر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

کو معاف فرما دے کہ محبت ہو تو اللہ کیلئے ہو غصہ اور بغض ہو تو وہ اللہ کیلئے ہو۔

لیکن یہ غصہ ایسا ہونا چاہئے کہ اعتدال میں نگام پڑی ہوئی ہو کہ جہاں اللہ کیلئے غصہ کرنا ہے وہاں تو ہو اور جہاں غصہ نہیں کرنا ہے وہاں اگر مزاج کی ہو تو اسکو روک دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھئے ایک یہودی نے آپ کے سامنے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں برداشت کر سکتے تھے فوراً اسکو پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر زمین پر پٹخ دیا اور اسکے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب دیکھا کہ اب میرا قابو تو ان کے اوپر نہیں چل رہا ہے تو اسنے لیٹے لیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا۔ جیسے کہاوت ہے کہ ”کھسیانی بلی کھمبا نوچے“ لیکن جیسے ہی اس یہودی نے تھوکا آپ فوراً اسکو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ حضرت! اس نے اور زیادہ گستاخی کا کام کیا کہ آپ کے منہ پر تھوک دیا لیکن آپ اسکو چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ پہلے اس پر جو میں نے حملہ کیا تھا اور اسکو مارنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت میں کیا تھا اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اسکو گرا دیا۔ پھر جب اس نے میرے اوپر تھوک دیا تو اب مجھے اور زیادہ غصہ آ گیا لیکن اب اگر میں اس غصہ پر عمل کرتے ہوئے اس سے بدلہ لیتا تو یہ بدلہ لینا حضور اقدس ﷺ کیلئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کیلئے ہوتا اور اس وجہ سے ہوتا کہ چونکہ اس نے میرے اوپر تھوکا ہے لہٰذا میں اسکو اور زیادہ ماروں۔ تو اس صورت میں یہ غصہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کیلئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کیلئے ہوتا۔ اس وجہ سے میں اسکو چھوڑ کر الگ ہو گیا۔

یہ در حقیقت اس حدیث «من احب للّٰہ وابغض للّٰہ» پر عمل فرما کر دکھا دیا۔ گویا کہ غصہ کے منہ میں لگام ڈال رکھی ہے کہ جہاں تک اس غصہ کا شرعی اور جائز موقع ہے بس وہاں تک تو غصہ کرتا ہے اور جیسے اس غصہ کا جائز موقع ختم ہو جائے تو اس کے بعد آدمی اس غصے سے اس طرح دور ہو جاتے کہ جیسے اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ انہی حضرات کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان

وقافاعند حدود اللہ یعنی یہ اللہ کی حدود کے آگے ٹھہر جانے والے لوگ تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے، بارش وغیرہ کا پانی مسجد نبوی کے اندر گرتا تھا گویا کہ مسجد کی فضا میں وہ پرنالہ لگا ہوا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کسی شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آ رہا ہو تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دیدیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دیا یہ غصہ کی وجہ سے تو دیا لیکن غصہ اس بات پر آیا کہ یہ کام مسجد کے احکام اور آداب کے خلاف ہے۔ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑ دیا؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ یہ جگہ جو مسجد کی ہے، کسی کی ذاتی جگہ نہیں ہے۔ مسجد کی جگہ میں کسی کا پرنالہ آنا شریعت کے حکم کے خلاف تھا اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو پتہ بھی ہے کہ یہ پرنالہ یہاں پر کس طرح لگا تھا؟ یہ پرنالہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں لگا تھا اور آپ ﷺ کی اجازت سے یہ پرنالہ میں نے لگایا تھا۔ آپ اسکو توڑنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ خدا کیلئے میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ اس پرنالے کی طرف گئے اور وہاں جا کر خود رکوع کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اب میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے لگوا لوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لگائے ہوئے اس پرنالے کو توڑ دے۔ مجھ سے یہ جو جرم سرزد ہوا ہے

انکی کمر سے تم سزا یہ ہے کہ میں رکوع میں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکی کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ انکی جگہ پر واپس لگا دیا۔ وہ پرنالہ آج بھی مسجد نبوی میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جن لوگوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کی ہے۔ انہوں نے اب بھی اس جگہ پر پرنالہ لگا دیا ہے۔ اگرچہ اس پرنالے کا بظاہر کوئی مصرف نہیں ہے لیکن یادگار کے طور پر لگا دیا ہے۔ یہ درحقیقت اس حدیث پر عمل ہے "من احب للہ وابغض للہ" پہلے جو غصہ اور بغض ہوا تھا وہ اللہ کیلئے ہوا تھا اور اب جو محبت ہے وہ بھی اللہ کیلئے ہے۔ جو شخص یہ کام کرلے اس نے اپنا ایمان کامل بنالیا۔ یہ ایمان کے کامل ہونے کی علامت ہے۔

مصنوعی غصہ کر کے ڈانٹ لیں

بہرحال بغض فی اللہ کی وجہ سے بعض اوقات غصہ کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور سے ان لوگوں پر غصہ کا اظہار کرنا پڑتا ہے جو زیر تربیت ہوتے ہیں۔ جیسے استاد ہے اسے اپنے شاگردوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ باپ کو اپنی اولاد پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ شیخ کو اپنے مریدوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ غصہ اس حد تک ہونا چاہئے جتنا انکی اصلاح کیلئے ضروری ہو۔ اس سے آگے نہ بڑھے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ جب انسان کی طبیعت میں اشتعال ہو، اس وقت غصہ نہ کرے۔ مثلاً استاد کو شاگرد پر غصہ آ گیا اور اشتعال پیدا ہو گیا۔ اب اشتعال اور غصہ کے وقت ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ نہ کرے بلکہ جب طبیعت میں وہ اشتعال اور غصہ ختم ہو جائے اس وقت مصنوعی غصہ کر کے ڈانٹ ڈپٹ کر لے تاکہ یہ ڈانٹ ڈپٹ حد سے متجاوز نہ ہو۔ یہ کام ذرا مشکل ہے کیونکہ انسان غصے کے وقت بے قابو ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تک اسکی مشق نہیں کرے گا اس وقت تک اس غصہ کے مفاسد اور برائیوں سے نجات نہیں ملے گی۔ (اصلاحی خطبات)

دوسرا ارشاد

تین صفات پر تین انعام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ. (رواہ مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ... حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور کسی خطا وار قصور کو معاف کر دینا معاف کرنے والے کی عزت ہی کو بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ جل شانہ کی رضا کے خاطر تواضع اختیار کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اسکو رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔

تشریح... اس حدیث پاک میں تین مضمون وارد ہوئے ہیں۔ (۱) یہ کہ صدقہ دینے سے ظاہر کے اعتبار سے اگرچہ مال میں کمی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں مال میں اس سے کمی نہیں ہوتی بلکہ اسکا بدلہ اور نعم البدل آخرت میں تو ملتا ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے کہ جو کچھ تم (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو گے اللہ جل شانہ اسکا بدل عطا کرے گا۔ اور اس آیت کے ذیل میں حضور اقدس ﷺ کے متعدد ارشادات بھی ملتے ہیں۔ اور ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزانہ دو فرشتے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی عطا کر۔

حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جن پر میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور اسکے بعد ایک بات خاص طور سے تمہیں بتاؤں گا اسکو بھی طرح محفوظ رکھنا۔ وہ تین باتیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں ان میں سے اول یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ اور دوسری یہ ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہ اس صبر کی وجہ سے اس کی عزت بڑھا دیتے ہیں۔ اور تیسری یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا حق تعالیٰ شانہ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ان تین کے بعد ایک بات

تمہیں بتاتا ہوں اسکو محفوظ رکھنا، وہ یہ ہے کہ دنیا میں چار قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہ نے علم بھی عطا فرمایا اور مال بھی عطا فرمایا، وہ (اپنے علم کی وجہ سے) اپنے مال میں اللہ سے ڈرتا ہے (کہ کوئی خلاف مرضی خرچ نہیں کرتا بلکہ) صلہ رحمی کرتا ہے، وہ اللہ کیلئے اس مال میں نیک عمل کرتا ہے اسکے حقوق ادا کرتا ہے یہ شخص سب سے اونچے درجوں میں ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہ نے علم عطا فرمایا اور مال نہیں دیا، اسکی نیت سچی ہے، وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں کی طرح سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتا تو حق تعالیٰ شانہ اسکی نیت کی وجہ سے اسکو بھی وہی ثواب دیتا ہے جو پہلے کو ہے۔ اور یہ دونوں ثواب میں برابر ہو جاتے ہیں۔

تیسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہ نے مال عطا کیا مگر علم نہیں دیا، وہ اپنے مال میں گڑبڑ کرتا ہے (بے محل اور بے موقع لغویات میں خرچ کرتا ہے) نہ اس مال میں اللہ کا خوف کرتا ہے نہ صلہ رحمی کرتا ہے نہ حق کے موافق خرچ کرتا ہے۔ یہ شخص (قیامت میں) خبیث ترین درجہ میں ہوگا۔

چوتھا وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہ نے نہ مال عطا کیا اور نہ علم، وہ یہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں (یعنی نمبر ۳) کی طرح خرچ کرتا تو اسکی نیت کا گناہ ہوگا اور وبال میں یہ اور نمبر تین کے برابر ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور جب کوئی شخص صدقہ کرنے کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ مال فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ جل شانہ کے پاک ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے (یعنی قبول ہو جاتا ہے) اور جو ایسی حالت میں دست سوال بڑھاتا ہے کہ بغیر سوال کے اس کا کام چل جاتا ہو تو حق تعالیٰ شانہ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

حضرت قیس بن سلع انصاری فرماتے ہیں کہ میرے بھائیوں نے حضور اقدس ﷺ سے میری شکایت کی کہ یہ بہت اسراف کرتا ہے اور اپنے مال کو سب خرچ کر دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں باغ میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہوں اور اللہ کے راستہ میں بھی خرچ کرتا ہوں اور جو مجھ سے ملنے آتے ہیں ان کو بھی کھلاتا ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر

تیسرا ارشاد

صبر وشکر کی تلقین

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ. (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اسکے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کیلئے خیر ہی خیر ہے اگر اسکو خوشی راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کیلئے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اسکو بھی اپنے حکیم وکریم رب کا فیصلہ اور اسکی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اسکے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے (مسلم)

تشریح..... اس دنیا میں تکلیف و آرام تو سب ہی کیلئے ہے لیکن اس تکلیف و آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اسکی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کیساتھ ویسا ایمانی رابطہ قائم کرلیا ہے کہ وہ چین اور آرام مسرت وخوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری انکو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کیساتھ صبر کرتے ہیں۔ اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اسلئے ان بندگان خدا کے قلوب بھی صبر وشکر کی کیفیت سے بھرے رہتے ہیں۔ یاد رکھئے اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے، اس سے

اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پہنچتی ہے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اسکا استقبال کریں۔ اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم و کریم رب ہے۔ اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دلانے والا ہے۔ اسی طرح جب انکے حالات سازگار ہوں اور انکی چاہتیں انکو مل رہی ہیں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اسکو اپنے کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے اسلئے ہر نعمت پر اسکا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے طرح طرح سے اسکی ترغیب اور تعلیم دی ہے۔ اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اسکی ہمت نہیں ٹوٹتی اور ہیجانی ردعمل اور دل شکستگی اسکی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اسکے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

یعنی جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اسکا زیادہ اثر ابتداء ہی میں ہوتا ہے، دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود ہی زائل ہو جاتا ہے اسلئے صبر اصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کرکے اور اسکی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے۔ اسکی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے۔ بعد میں تو طبعی طور پر صبر آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے تو اللہ اسکو جنت ضرور عطا فرمائیگا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجے کی کوئی چیز اسکے صبر کے ثواب میں دینے پر خود اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز

اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور کچھ اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو لئے پس وہ بچہ اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ بچے کا حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس پر سعد بن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے اور اللہ کی رحمت انہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔

(ف) حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمے سے دل کا متأثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقتضیٰ صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے باقی کسی صدمہ پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبہ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو اس دل سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادہ نے حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب سے سوال اسلئے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف الحدیث)

چوتھا ارشاد

قناعت کی دولت حاصل کیجئے

عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَضِیَ مِنَ اللّٰہِ بِالْیَسِیْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِیَ اللّٰہُ مِنْہُ بِالْقَلِیْلِ مِنَ الْعَمَلِ.

ترجمہ...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ شانہ سے تھوڑی روزی پر راضی رہے حق تعالیٰ شانہ بھی اس کی طرف سے تھوڑے سے عمل پر راضی ہو جاتے ہیں۔

تشریح...... اس حدیث پاک میں آمدنی کی کمی میں حق تعالیٰ شانہ کے ایک خاص احسان پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اس صورت میں آدمی کی طرف سے آمدنیوں میں کمی ہوتی ہے تو وہ مالک الملک بھی اس کی کو بخوشی قبول فرما لیتے ہیں۔ اسکے بالمقابل جب اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے عطایا میں افراط ہو اور آدمی کسی چیز میں کمی کو بھی گوارا نہ کرے تو اس مالک کی طرف سے بھی یہی مطالبہ ہے کہ پھر اسکے حقوق کی ادائیگی میں تمہاری طرف سے بھی افراط ہونا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ جس ملازم کو تنخواہ منہ مانگی دی جائے پھر وہ اپنی منصبی خدمت میں کوتاہی کرے تو اس کی نمک حرامی میں کیا تردد ہے لیکن ہمارا معاملہ اسکے برعکس ہے کہ غرباء کو تو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے۔ ذکر اور نوافل کیلئے وقت بھی مل جاتا ہے لیکن جہاں چار پیسے ہاتھ میں آئے یا کمانے کے اسباب پیدا ہوئے پھر فرض نمازوں کے واسطے بھی وقت نہیں ملتا۔ اور قلیل روزی پر قناعت جب حاصل ہو سکتی ہے جیسا آدمی پانچ باتوں کا اہتمام کرے۔

(۱) اپنے اخراجات میں کمی کرے۔ ضرورت کی مقدار سے زیادہ خرچ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ تنہا آدمی ہو تو اسکو ایک جوڑا کافی ہے کئی کئی جوڑے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے ہی معمولی روٹی سالن پر گذر ہو سکتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ خرچ میں میانہ روی اختیار کرے وہ

اور بے دین لوگوں کی مشابہت پسند کرتا ہے۔

(۵) مال کے زیادہ ہونے میں جو خطرات پہلے بیان ہو چکے ہیں انکو غور کیا کرے کہ کتنے مصائب اسکے ساتھ ہیں۔ جب آدمی ان پانچوں چیزوں کو غور کرتا رہے گا تو تھوڑے پر قناعت آسان ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی سورج نکلتا ہے اسکے دونوں جانب روزانہ دو فرشتے یہ اعلان کرتے ہیں اے لوگو! اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ جو مال تھوڑا ہو اور وہ کفایت کر جائے وہ بہتر ہے اس کثیر مال سے جو اللہ تعالیٰ شانہ کے علاوہ دوسری طرف مشغول کرے۔ (از فضائل صدقات)

پانچواں ارشاد

تین چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ لَهٗ

ترجمہ... حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے ایک صدقہ جاریہ دوسرے وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے تیسرے صالح اولاد جو اس کے لئے مرنے کے بعد دعا کرتی رہے۔

تشریح..... اللہ جل شانہ کا کس قدر بڑا انعام اور احسان ہے لطف و کرم ہے کہ آدمی اگرچہ مر چکا ہے کہ مر جانے کے بعد جب کہ اس کے اعمال کا وقت ختم ہو چکا وہ عمل کرنے سے بیکار ہو چکا وہ قبر میں چین سے پڑا سو رہا ہے اور اس کے اعمال نامے میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا ذریعہ بھی اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے پیدا فرما دیا۔ حضور اقدس ﷺ نے ان میں سے تین چیزیں اس حدیث پاک میں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک صدقہ جاریہ یعنی کوئی ایسی چیز صدقہ کر گیا جس کا نفع باقی رہنے والا ہو۔ مثلاً کوئی مسجد بنوا گیا جس میں لوگ نماز پڑھتے رہیں۔ تو جب تک اس میں نماز ہوتی رہے گی اس کو ثواب خود بخود ملتا رہے گا۔ اسی طرح سے کوئی مسافر خانہ کوئی مکان کسی دینی کام کے لئے بنوا کر وقف کر گیا جس سے مسلمانوں کو دینی کاموں کو نفع پہنچتا رہا تو اس کو اس نفع کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ کوئی کنواں رفاہ عام کے لئے بنوا گیا تو جب تک لوگ اس سے پانی پیتے رہیں گے، وضو وغیرہ کرتے رہیں گے اس کو مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آدمی کو مرنے کے بعد تین چیزوں کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ ایک تو وہ علم ہے جو کسی کو سکھایا ہو اور اشاعت کی ہو اور دوسرے نیک اولاد جسے

جسکو وہ چھوڑ گیا ہو اور وہ قرآن شریف جو میراث میں چھوڑ گیا ہو اور وہ مسجد ہے اور مسافر خانہ ہے جس کو بنایا ہو اور نہر ہے جو جاری کر گیا ہو اور وہ صدقہ ہے جسکو اپنی زندگی اور صحت میں اس طرح دے گیا ہو کہ مرنے کے بعد اسکا ثواب ملتا رہے۔ (مشکوٰۃ)

"ثواب ملتا رہے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر دے گیا۔ مثلاً وقف کر گیا ہو" اور علم کی اشاعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی مدرسہ میں چندہ دیا ہو یا کوئی دینی کتاب تالیف کی ہو یا پڑھنے والوں کو تقسیم کی ہو یا مسجدوں اور مدرسوں میں قرآن پاک یا کتابیں وقف کی ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد سات چیزوں کا ثواب اسکو ملتا رہتا ہے کسی کو علم پڑھایا ہو، کوئی نہر جاری کردی ہو، کوئی کنواں بنادیا ہو، کوئی درخت لگا دیا ہو، کوئی مسجد بنادی ہو قرآن پاک میراث میں چھوڑا ہو یا ایسی اولاد چھوڑی ہو جو اسکے لئے دعائے مغفرت کرتی رہے۔

اور ان سب چیزوں میں یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کی تنہا خود ہی کی ہوں، بلکہ اگر کسی چیز میں تھوڑی بہت شرکت بھی اپنی ہوگی تو بقدر اپنے حصہ کے اسکو ثواب میں سے حصہ ملتا رہے گا۔ دوسری چیز اوپر کی حدیث میں وہ علم دین ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے مثلاً کسی مدرسہ میں کوئی کتاب وقف کر گیا۔ جب تک وہ کتاب باقی ہے اس سے لوگ نفع اٹھاتے رہیں گے اسکا ثواب خود بخود ملتا رہے گا۔ کسی طالب علم کو اپنے خرچ سے حافظ قرآن یا عالم بنا گیا۔ جب تک اس کے علم وحفظ سے نفع پہنچتا رہے گا، چاہے وہ حافظ اور عالم خود زندہ رہے یا نہ رہے اس شخص کو اسکا ثواب ملتا رہے گا۔ مثلاً کسی شخص کو حافظ بنایا تھا اس نے دس بیس لڑکوں کو قرآن پاک پڑھا دیا اور وہ حافظ اسکے بعد مر گیا تو جب تک یہ لڑکے قرآن پاک پڑھتے اور پڑھاتے رہیں گے اس حافظ کو مستقل ثواب ملتا رہے گا اور اس حافظ بنانے والے کو علیحدہ ثواب ہوتا رہے گا اور اسی طرح سے جب تک ان پڑھنے والوں کا سلسلہ پڑھنے پڑھانے کا قیامت تک چلتا رہیگا اس اصل حافظ بنانے والوں کو ثواب خود بخود ملتا رہیگا چاہے یہ لوگ ثواب بھیجیں یا نہ بھیجیں۔

یہی صورت بعینہٖ کسی شخص کو عالم بنانے کی ہے کہ جب تک بلا واسطہ یا بالواسطہ اسکے علم سے لوگوں کو نفع کا سلسلہ چلتا رہیگا اس اول عالم بنانے والے اور ان سب کو ثواب ملتا رہیگا اور یہاں بھی وہی پہلی بات ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ پورا حافظ یا پورا عالم خود تنہا بنانے اگر کسی حافظ کے حفظ

میں اپنی طرف سے مدد ہو گئی، کسی عالم کے علم حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی امانت ہو گئی تو اس امانت کی بقدر ثواب کا سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی کسی قسم کی جانی یا مالی کوشش علم کے پھیلانے میں دین کے بقاء اور حفظ میں لگ جائے کہ دنیا کی زندگی خواب سے زیادہ نہیں نہ معلوم کب اس عالم سے ایک دم جانا ہو جائے، جتنا ذخیرہ اپنے لئے چھوڑ جائیگا وہی دیرپا اور کارآمد ہے۔ عزیز قریب، احباب متوسلین سب دو چار دن روکر یاد کر کے اپنے اپنے مشاغل میں لگ کر بھول جائیں گے، کام آنے والی چیزیں یہی ہیں جن کو آدمی اپنی زندگی میں اپنے لئے کبھی گھاٹا نہ ہونے والے بینک میں جمع کر جائے کہ سرمایہ محفوظ رہے اور نفع قیامت تک ملتا رہے۔

تیسری چیز جو اس حدیث پاک میں ذکر کی گئی ہے وہ اولاد صالح ہے جو مرنے کے بعد دعائے خیر بھی کرتی رہے، اول تو اولاد کا صالح ہونا ہی مستقل صدقہ جاریہ ہے کہ جب تک وہ کوئی بھی نیک کام کرتی رہے گی اپنے آپ اسکا ثواب ملتا رہے گا پھر اگر وہ نیک اولاد والدین کیلئے دعا بھی کرتی رہے اور جب وہ صالح ہے تو دعائیں کرتی ہی رہے گی یہ مستقل ذخیرہ والدین کیلئے ہے۔ ایک نیک عورت کا قصہ روض میں لکھا ہے کہ جسکو بہیہ کہتے تھے، بڑی کثرت سے عبادت کرنے والی تھی۔ جب اسکا انتقال ہونے لگا تو اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا اے وہ ذات جو میرا توشہ اور ذخیرہ ہے اور اسی پر میرا زندگی اور موت میں بھروسہ ہے۔ مجھے مرتے وقت رسوا نہ کیجیو اور قبر میں مجھے وحشت میں نہ رکھیو جب وہ انتقال کر گئی تو اسکے لڑکے نے یہ اہتمام شروع کر دیا کہ ہر جمعہ کو وہ ماں کی قبر پر جاتا اور قرآن شریف پڑھ کر اسکو ثواب بخشتا اور اس کیلئے سب قبرستان والوں کیلئے دعا کرتا۔ ایک دن اس لڑکے نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا اور پوچھا اماں تمہارا کیا حال ہے۔ ماں نے جواب دیا موت کی سختی بڑی سخت چیز ہے میں اللہ کی رحمت سے قبر میں بڑی راحت سے ہوں، ریحان میرے نیچے بچھی ہوئی ہے، ریشم کے تکیے لگے ہوئے ہیں، قیامت تک یہی برتاؤ میرے ساتھ رہیگا۔ بیٹے نے پوچھا کوئی خدمت میرے لائق ہو تو کہو۔ اس نے کہا کہ تو ہر جمعہ میرے پاس آکر قرآن پاک پڑھتا ہے اسکو نہ چھوڑنا، جب تو آتا ہے تو سارے قبرستان والے خوش ہو کر مجھے خوشخبری دیتے ہیں کہ تیرا بیٹا آ گیا۔ مجھے بھی تیرے آنے کی بڑی خوشی ہوتی ہے

اور ان سب کو بھی بہت خوشی ہوتی ہے۔

وہ لڑکا کہتا ہے کہ میں اسی طرح ہر جمعہ اہتمام سے جاتا تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت بڑا مجمع مردوں اور عورتوں کا میرے پاس آیا۔ میں نے پوچھا تم کون لوگ ہو کیوں آئے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم فلاں قبرستان کے آدمی ہیں ہم تمہارا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔ تم جو ہر جمعہ کو ہمارے پاس آتے ہو اور ہمارے لئے دعائے مغفرت کرتے ہو اس سے ہم کو بڑی خوشی ہوتی ہے اسکو جاری رکھنا۔ اس کے بعد سے میں نے اور بھی زیادہ اہتمام اسکا شروع کر دیا۔

ایک اور عالم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک قبرستان کی سب قبریں ایک دم شق ہو گئیں اور مردے ان میں سے باہر نکل کر زمین پر سے کوئی چیز جلدی جلدی چن رہے ہیں۔ لیکن ایک شخص فارغ بیٹھا ہے وہ کچھ نہیں چنتا۔ میں نے اسکے پاس جا کر سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا چن رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ جو لوگ کچھ صدقہ دعا درود وغیرہ کر کے اس قبرستان والوں کو بھیجتے ہیں یہ انکی برکات سمیٹ رہے ہیں۔ میں نے کہا تم کیوں نہیں چنتے۔ اس نے کہا مجھے اس وجہ سے استغناء ہے کہ میرا ایک لڑکا ہے جو فلاں بازار میں زلابیہ (حلوے کی ایک قسم ہے جو منہ کو چپک جاتی ہے) بیچا کرتا ہے مجھے ایک قرآن پڑھکر بخشتا ہے میں صبح اٹھ کر اس بازار میں گیا۔ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ زلابیہ فروخت کر رہا ہے اور اسکے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا تم کیا پڑھ رہے ہو اس نے کہا میں روزانہ ایک قرآن پاک ختم کر کے اپنے والد کو ہدیہ پیش کیا کرتا ہوں۔

اس قصہ کے عرصہ کے بعد میں نے پھر اس قبرستان کے آدمیوں کو اسی طرح چنتے دیکھا اور اس مرتبہ اس شخص کو بھی چنتے دیکھا جس سے پہلی مرتبہ بات ہوئی تھی۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے اس پر تعجب تھا۔ صبح اٹھ کر پھر میں اس بازار میں گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس لڑکے کا انتقال ہو گیا۔

حضرت صالح مریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی شب میں اخیر رات میں جامع مسجد جا رہا تھا کہ صبح کی نماز وہاں پڑھوں۔ صبح میں دیر تھی۔ راستہ میں ایک قبرستان تھا۔ میں وہاں ایک قبر کے قریب بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ سب قبریں شق ہو گئیں اور ان میں سے مردے باہر نکل کر آپس میں ہنسی خوشی باتیں کر رہے ہیں ان میں ایک

ارشاد فرمایا انکو ایسے کاموں کا حکم کرتے رہو جن سے اللہ جل شانہ راضی ہوں اور ایسی چیزوں سے روکتے رہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو خیر کی باتوں کی تعلیم اور تنبیہ کرتے رہو (درمنثور) حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ اس باپ پر رحم کرے جو اولاد کی اس بات میں مدد کرے کہ وہ باپ کیساتھ نیکی کا برتاؤ کرے یعنی ایسا برتاؤ اس سے نہ کرے جس سے وہ نافرمانی کرنے لگے۔

اولاد کو نیک بنانا بھی اس میں داخل ہے اگر وہ نیک نہ ہوگی تو پھر والدین کیساتھ جو کرے وہ برمحل ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ بچہ کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اسکا نام رکھا جائے اور جب چھ برس کا ہو اسکو آداب سکھائے جائیں اور جب نو برس کا ہو جائے تو اسکا بستر علیحدہ کر دیا جائے (یعنی دوسروں کے پاس نہ سوئے) اور جب تیرہ برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارا جائے اور جب سولہ برس کا ہو جائے تو نکاح کر دیا جائے پھر اسکا باپ اسکا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ میں نے تجھے آداب سکھا دیئے تعلیم دیدی نکاح کر دیا اب میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں دنیا میں تیرے فتنے سے اور آخرت میں تیرے وجہ سے عذاب سے۔ (احیاء العلوم)

"تیری وجہ سے عذاب کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ ارشاد نبوی ﷺ وارد ہوا ہے کہ جو شخص کوئی برا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اسکو اپنے فعل کا گناہ بھی ہوتا ہے اور جتنے لوگ اسکی وجہ سے اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ بھی اسکو ہوگا اس طرح پر کہ کرنے والوں کے اپنے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی انکو اپنے فعل کا مستقل گناہ ہوگا اور اسکو ذریعہ سبب بننے کا مستقل گناہ ہوگا۔ اس بناء پر جو اولاد اپنے بڑوں کی بری حرکات انکے عمل کی وجہ سے اختیار کرتی ہے ان سب کا گناہ بڑوں کو بھی ہوتا ہے اسلئے اپنے چھوٹوں کے سامنے بری حرکات کرنے سے خصوصیت سے احتراز کرنا چاہیے۔

اس حدیث شریف میں تیرہ برس کی عمر میں نماز پر مارنے کا حکم ہے اور بہت سی احادیث میں ہے کہ بچہ کو جب سات برس کا ہو جائے نماز کا حکم کرو اور جب دس برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ یہ روایات اپنی صحت اور کثرت کے لحاظ سے مقدم ہیں۔ بہر حال بچے کے نماز نہ

بڑھتے ہی باپ کو مارنے کا حکم ہے اور اس پر نماز میں تعمیل نہ کرنا جرم ہے اور اسکے بالمقابل اگر اسکو نماز روزہ اور دینی احکام کا پابند اور عادی بنا دیا تو اسکے اعمال حسنہ کا ثواب اپنے آپ کو بھی ملے گا اور اسکے ساتھ جب وہ صالح بن کر والدین کیلئے دعا بھی کریگا تو اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب ملتا رہیگا۔

ابن ملک کہتے ہیں کہ حدیث بالا میں اولاد کو صالح کیساتھ اسلئے مقید کیا ہے کہ ثواب غیر صالح اولاد کا نہیں پہنچتا اور اسکی دعا کا ذکر اولاد کو دعا کی ترغیب دینے کیلئے ہے۔ چنانچہ یہ کہا گیا ہے کہ والد کو صالح اولاد کے عمل کا ثواب خود بخود پہنچتا رہتا ہے چاہے وہ دعا کرے یا نہ کرے جیسا کہ کوئی شخص رفاہ عام کیلئے کوئی درخت لگا دے اور لوگ اسکا پھل کھاتے رہیں تو ان کھانے والوں کے کھانے کا ثواب اسکو ملتا رہیگا چاہے یہ لوگ درخت لگانے والے کیلئے دعا کریں یا نہ کریں۔

علامہ مناوی کہتے ہیں کہ الدعاء کو دعا کیساتھ تتمیم اور تحریض کے طور پر ذکر فرمایا کہ وہ دعا کرے اور دعا ہر شخص کی نفع بخش چیز ہے چاہے دعا دینے والا کوئی ہو۔ اس حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر اہتمام کی وجہ سے کیا ہے ان کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں احادیث میں ایسی آئی ہیں جن کے متعلق یہ وارد ہوا ہے کہ انکا دائمی ثواب ملتا رہتا ہے۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو شخص کوئی نیک طریقہ جاری کرے اسکو اپنے عمل کا ثواب بھی ملیگا اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اسکو ملتا رہیگا اور کرنے والوں کے اپنے اپنے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جو شخص برا طریقہ جاری کرے اس پر گناہ کا بھی بوجھ ہے اور جتنے آدمی اس پر عمل کرینگے ان سب کے عمل کا بھی گناہ اسکو ہوگا اور اسکی وجہ سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر شخص کے عمل کا ثواب مرنے کے بعد ختم ہوجاتا ہے مگر جو شخص اللہ کے راستہ میں سرحدوں کی حفاظت کرنے والا ہے اسکا ثواب قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔

([illegible])

چھٹا ارشاد

حضور کی چھ زریں نصیحتیں

عن ابی جری جابر بن سلیم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: رأیت رجلا یصدر الناس عن رأیه، لا یقول شیئا الا صدروا عنه قلت من هذا؟ قالوا: رسول الله صلی الله علیه وسلم قلت: علیک السلام یارسول اللّٰہ مرتین. قال: لا تقل "علیک السلام" فان علیک السلام تحیة المیت، قل: السلام علیک. قال: قلت: انت رسول اللّٰہ؟ قال: انا رسول الله الذی اذا اصابک ضر فدعوته کشفه عنک، واذا اصابک عام سنة فدعوته انبتها لک، واذا کنت بارض قفراء او فلاة فضلت راحلتک فدعوته ردها علیک... قال قلت: اعهد الی، قال: لا تسبن احدا، قال فما سببت بعده حرا ولا عبدا ولا بعیرا ولا شاة، ولا تحقرن شیئا من المعروف، وان تکلم اخاک وانت منبسط الیه وجهک ان ذلک من المعروف، وارفع ازارک الی نصف الساق، فان ابیت فالی الکعبین، وایاک واسبال الازار فانها من المخیلة، وان الله لا یحب المخیلة، وان امرؤ شتمک وعیرک بما یعلم فیک فلا تعیره بما تعلم فیه فانما وبال ذلک علیه) (...)

ترجمہ: حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث میں حضور ﷺ سے پہلی ملاقات کا واقعہ بیان کرتے ہیں جب کہ وہ حضور اقدس ﷺ کو پہلے سے بھی نہیں جانتے تھے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ لوگ ہر معاملے میں انکی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں انہی سے مشورہ لیتے ہیں، اور وہ صاحب جو بات فرما دیتے ہیں لوگ اس کی بات پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ

رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جب مجھے پتہ چلا کہ آپ ہی محمد ﷺ ہیں تو میں نے آپ کے قریب جا کر ان الفاظ سے سلام کیا "علیک السلام یا رسول اللہ" یا نی تا کی میں نے دو مرتبہ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "علیک السلام" نہ کہو، بلکہ "السلام علیک" کہو۔ اسلئے کہ "علیک السلام" مردوں کا سلام ہے۔ یعنی جب مردوں کو سلام کیا جائے تو اس میں لفظ "سلام" بعد میں ہوتا ہے اور "علیک" پہلے ہوتا ہے"۔

تشریح..... اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سلام کی ابتداء کرنی ہو تو "السلام علیکم" کہنا چاہئے۔ لیکن جب سلام کا جواب دینا ہو تو اس کا طریقہ حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" کہا جائے۔ گویا کہ جواب میں "علیکم" کا لفظ پہلے لایا جائیگا۔ اگر کوئی شخص "السلام علیکم" کے جواب میں "السلام علیکم" کہہ دے تو واجب تو ادا ہو جائیگا لیکن سنت یہ ہے کہ جواب میں "وعلیکم السلام" کہے۔ آج کل یہ رسم چل پڑی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں بھی "السلام علیکم" کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ سنت کے خلاف ہے۔ اگر دو آدمی ایک دوسرے سے ملیں اور ہر ایک دوسرے کو ابتداءً سلام کرتا ہے، جس کے نتیجے میں دونوں ایک ساتھ ایک ہی وقت میں "السلام علیکم" کہیں تو اس صورت میں دونوں پر ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا واجب ہو جائیگا۔ لہٰذا دونوں "وعلیکم السلام" بھی کہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو سلام کرنے کا آغاز کیا ہے۔ اسلئے ہر شخص پر جواب دینا واجب ہو گیا۔

اس حدیث میں ایک اور بنیادی بات معلوم ہوئی، جس سے آج کل لوگ بڑی غفلت برتتے ہیں، وہ یہ کہ احادیث کے صرف مفہوم اور روح تو مقصود ہے ہی۔ لیکن شریعت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے الفاظ بھی مقصود ہیں۔ دیکھئے "السلام علیکم" اور "علیکم السلام" دونوں کے معنی تو ایک ہی ہیں۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلی ملاقات ہی میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ سلام کرنے کا سنت طریقہ اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ "السلام علیکم" کہو، اسے کیوں بدلا؟ اسلئے کہ اس کے ذریعہ آپ نے امت کو یہ سبق دیدیا کہ "شریعت" اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کا نام ہے۔ آج کل لوگوں کی زبانوں پر یہ جملہ رہتا ہے کہ شریعت کی روح دیکھنی چاہئے۔ ظاہر اور الفاظ کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔ معلوم نہیں یہ لوگ روح کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی ایسی خوردبین ہے جس میں ان کو روح نظر آجاتی

ہے۔ حالانکہ شریعت میں روح کیساتھ ظاہر بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ سلام ہی کو لے لیں کہ آپ ملاقات کے وقت السلام علیکم کے بجائے اردو میں یہ کہدیں سلامتی ہو تم پر دیکھئے! معنی اور مفہوم تو اسکے وہی ہیں جو السلام علیکم کے ہیں۔ لیکن وہ برکت، وہ نور اور اتباع سنت کا اجر و ثواب اس میں حاصل نہیں ہوگا جو "السلام علیکم" میں حاصل ہوتا ہے۔

سلام کرنا مسلمانوں کا شعار ہے

یہ سلام مسلمانوں کا شعار ہے اسکے ذریعہ انسان پہچانا جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے ایک مرتبہ میرا چین جانا ہوا اور چین میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ لیکن انکی زبان ایسی ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ہماری زبان انکی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اسلئے ان سے بات چیت کرنے اور جذبات کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لیکن ایک چیز ہمارے درمیان مشترک تھی، وہ یہ کہ جب کسی مسلمان سے ملاقات ہوتی تو وہ کہتا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اور اسکے ذریعہ وہ جذبات کا اظہار کرتا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی برکت تھی۔ اس سنت نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کیساتھ باندھا ہوا ہے، اور رابطہ کا ذریعہ ہے۔ اور ان الفاظ میں جو نور اور برکت ہے وہ کسی اور لفظ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ آج کل فیشن کی اتباع میں سلام کے بجائے کوئی "آداب عرض" کہتا ہے کوئی "تسلیمات" کہتا ہے۔ کسی نے "سلام مسنون" کہہ دیا۔ یاد رکھئے! ان الفاظ سے سنت کا ثواب اور سنت کا نور حاصل نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک ذرا سا لفظ بدلنے کو بھی گوارا نہیں فرمایا۔

ایک صحابی کو حضور ﷺ نے ایک دعا سکھائی، اور فرمایا کہ جب رات کو سونے کا ارادہ کرو تو سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کرو، اس دعاء کے اندر یہ الفاظ بھی تھے: (اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ) "یعنی میں اس کتاب پر ایمان لایا جو آپ نے نازل فرمائی، اور اس نبی پر ایمان لایا جن کو آپ نے بھیجا"۔

چند روز بعد حضور اقدس ﷺ نے ان صحابی سے فرمایا کہ جو دعا میں نے تم کو سکھائی تھی وہ دعا مجھے سناؤ کیا پڑھتے ہو؟ ان صحابی نے دعا سناتے وقت ایک لفظ تھوڑا سا بدل دیا، اور دعا میں

طرح پڑھ دی کہ (اٰمنت بکتابک الذی انزلت وبرسولک الذی ارسلت)

اس دعا میں "نبی" کی جگہ "رسول" کا لفظ پڑھ دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں وہی کہو جو میں نے سکھایا تھا، حالانکہ نبی اور رسول کے لفظ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، اصطلاحی فرق کے اعتبار سے بھی رسول کا درجہ نبی کے مقابلے میں بلند ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو الفاظ میں نے سکھائے ہیں وہی الفاظ کہو۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین، فرماتے تھے کہ اگر ایک کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی کے مطابق کرو۔ اور وہی کام تم اتباع سنت کی نیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دو تو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق محسوس کرو گے۔ جو کام تم اپنی طرف سے اپنی مرضی کے مطابق کرو گے وہ تمہارا اپنا کام ہوگا اس پر کوئی اجر وثواب نہیں، اور جو کام اتباع سنت کی نیت سے کرو گے تو اس میں سنت کی اتباع کا اجر وثواب اور سنت کی برکت اور نورانیت شامل ہو جاتی ہے۔

بہرحال، حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے مجھے سلام کرنے کا طریقہ سکھا دیا تو میں نے سوال کیا کہ کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ "میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے یا کوئی مصیبت پہنچے اور اس مصیبت کے دور کرنے کے لئے اس اللہ کو پکارو تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت اور تکلیف کو دور کر دیتے ہیں۔ میں اس اللہ کا رسول ہوں" زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اگرچہ خدا پر ایمان تھا لیکن ان میں ایک صفت یہ تھی کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے" جس کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ کشتی میں سفر کرتے ہیں اور سمندر میں طوفان آجاتا ہے۔ اور بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا تو اس وقت انکو اللہ کے سوا کوئی معبود اور کوئی بت یاد نہیں آتا، اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں کہ یا اللہ، ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دیجئے۔"

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی جھوٹے خدا کا رسول نہیں ہوں، بلکہ سچے خدا کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا "میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تمہیں قحط

پڑ جائے اور اس قحط کے دور کرنے کیلئے اس اللہ کو پکارو تو اللہ تعالیٰ اس قحط کو دور فرما دیتے ہیں۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں کہ جب تم کسی چٹیل صحراء میں سفر کر رہے ہو، اور وہاں تمہاری اونٹنی گم ہو جائے، اور تم اللہ تعالیٰ کو پکارو کہ یا اللہ! میری اونٹنی گم ہو گئی ہے، وہ مجھے واپس مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس اونٹنی کو واپس لوٹا دیتے ہیں۔"

پھر حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ اسی سے بزرگوں نے یہ اصول لیا ہے کہ جب کوئی شخص بڑے کے پاس جائے، اور خاص طور پر کسی بڑے کے پاس جو دین میں بھی کوئی مقام رکھتا ہو تو اس سے کوئی نصیحت طلب کرے، اسلئے کہ بعض اوقات نصیحت کا کلمہ اس انداز سے ادا ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل پر اثر کر جاتا ہے، اور اس سے انسان کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے، اور کایا پلٹ جاتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی سچے دل سے طلب صادق لیکر کسی بڑے سے نصیحت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بڑے کے دل پر اسی کی نصیحت وارد فرماتے ہیں جو اس وقت اس شخص کیلئے مناسب ہوتی ہے یاد رکھو کسی بزرگ کے پاس اس کی ذات میں کچھ نہیں رکھا، دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، لیکن آدمی طلب صادق لیکر کسی کے پاس جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مطلوب کی زبان پر بھی وہ بات جاری فرما دیتے ہیں جو اسکے حق میں فائدہ مند ہوتی ہے، اور اسکی زندگی بدل جاتی ہے، اسلئے فرمایا کہ جب کسی کے پاس جاؤ تو اس سے نصیحت طلب کیا کرو۔

پہلی نصیحت .... کسی کو گالی مت دو

حضور اقدس ﷺ نے پہلی نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا: "لا تسبن احدا" کسی کو گالی مت دینا۔ کسی کی بدگوئی مت کرنا، گویا کہ ہر وہ کلمہ جو گالی یا بدگوئی کی تعریف میں آتا ہو ایسا کلمہ کسی کیلئے استعمال مت کرنا۔ دیکھئے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور اقدس ﷺ سے پہلی ملاقات ہے، اس میں پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ دوسروں کو برا بھلا کہنے سے۔ اندازہ لگایئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دوسرے شخص کی دل آزاری سے بچنے کی کتنی اہمیت ہے۔ اور یہ کہ ایک مسلمان کی زبان سے کوئی غلط اور برا کلمہ کسی کیلئے نہ نکلے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ اپنے غلام پر غصہ آگیا اور غصے میں اس غلام کے لئے کوئی لعنت کا کلمہ زبان سے نکال دیا۔ حضور اقدس ﷺ نے جب یہ کلمہ سنا تو فرمایا کہ (لعانین وصدیقین کلا ورب الکعبۃ) ”یعنی آدمی لعنت بھی کرے، اور صدیق بھی ہو، رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جو صدیق ہوتا ہے وہ لعنت نہیں کیا کرتا“۔ دیکھئے حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اتنے سخت الفاظ کیساتھ تنبیہ فرمائی، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسکی تلافی اس طرح کی کہ اس غلام ہی کو کفارہ کے طور پر آزاد کر دیا۔ لہٰذا کسی کو برا کہنا اور اسکے لئے غلط الفاظ کہنا ٹھیک نہیں۔ آج ہماری زبانوں پر اس قسم کے برے الفاظ چڑھ گئے ہیں۔ مثلاً خبیث، احمق، کمبخت وغیرہ یہ الفاظ کسی مسلمان کیلئے استعمال کرنا حرام ہے بلکہ کسی جانور اور کافر کیلئے بھی ان الفاظ کو استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”اس نصیحت کو سننے کے بعد میں نے پھر کبھی نہ تو کسی غلام کو، نہ کسی آزاد کو، نہ اونٹ کو، نہ بکری کو کوئی برا کلمہ نہیں کہا“۔ یہ تھے صحابہ کرام جو نصیحت سن لی اسکو دل پر نقش کر دیا اور ساری زندگی کا دستور العمل بنا لیا۔

عمل کو برا کہو ذات کو برا نہ کہو

لیکن اس نصیحت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کو برا نہ کہو، یعنی کوئی شخص خواہ کتنا ہی برا کام کر رہا ہو، کتنا ہی گناہ کر رہا ہو، معصیت اور نافرمانی کر رہا ہو تو تم اسکے فعل کو برا سمجھو اور برا کہو لیکن اسکی ذات کو برا نہ کہو۔ اسکی ذات کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھو۔ لہٰذا کسی کی ذات کو برا کہنا درست نہیں، اسلئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اسکا انجام کیسا ہونے والا ہے۔ ہو سکتا ہے آج وہ شخص برے کام کر رہا ہے اور اسکی وجہ سے تم اسکو برا سمجھ رہے ہو، لیکن کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اسکی اصلاح فرمادے، وہ مرنے سے پہلے اسکو توبہ کی اور اچھے اعمال کی توفیق دیدے اور جب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے تو بالکل پاک صاف ہو کر پہنچے اسلئے کسی شخص کی ذات کو حتی کہ کافر کی ذات کو بھی برا نہ سمجھا جائے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اسکو ایمان کی توفیق دیدے اور پھر وہ تم سے بھی آگے نکل جائے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا (العبرۃ بالخواتیم) ”یعنی اعتبار خاتمے کا ہے کہ خاتمہ کس حالت پر ہوا؟“۔ اگر ایمان اور عمل صالح پر خاتمہ ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، وہ تم سے بھی آگے نکل گیا۔

ایک چرواہے کا عجیب واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، اسکے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر ان سے ملاقات کروں، اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے سردار کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ ہمارے سردار حضور ﷺ اس خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اس چرواہے کو انکی باتوں پر یقین نہیں آیا، اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے کے اندر کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ اسکے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کیساتھ رہتے ہونگے، لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر وہ اس خیمے کے اندر آپ سے ملاقات کے لئے داخل ہوا اور آپ سے ملاقات کی، اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے اسکے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی۔ اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رتبہ ہوگا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: "اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے، اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے" اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں، میں کہاں اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چرواہا ہوں، اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں، میرے بدن سے بدبو آرہی ہے۔ ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: "ہم تمہیں ضرور گلے سے لگائیں گے، اور تمہارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کردیں گے"۔ یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا اور کلمہ شہادت (اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ) پڑھ لیا۔ پھر حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ: "تم ایسے وقت میں ایمان لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں، اور نہ ہی روزہ کا زمانہ ہے کہ تم سے

روزے رکھواؤں! کیونکہ وہ تم پر فرض نہیں ہے۔ اس وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہو رہی ہے جو تلواروں کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے وہ ہے "جہاد فی سبیل اللہ"۔

اس چرواہے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس جہاد میں شامل ہو جاتا ہوں، لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے اس کے لئے دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے، یا غازی یا شہید، تو اگر میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجئے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچا دیں گے، اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیں گے، اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیں گے۔" چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ "تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو، ان کو جا کر واپس کرو، اس لئے کہ یہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں۔" اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، جن کا محاصرہ کیا ہوا ہے، ان کا مال غنیمت ہے، لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لے کر آیا تھا، اس لئے آپ نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کر کے آؤ، پھر آ کر جہاد میں شامل ہو۔ چنانچہ اس چرواہے نے بکریاں واپس کیں، اور واپس آ کر جہاد میں شامل ہوا اور شہید ہو گیا۔

جب جنگ ختم ہوئی تو حضور اقدس ﷺ لشکر کا جائزہ لینے لگے، ایک جگہ آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرام کا مجمع لگا ہوا ہے، جب آپ قریب پہنچے تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ صحابہ کرام نے فرمایا کہ جو لوگ جنگ میں شہید ہو گئے ہیں ان میں سے ایک آدمی ایسا ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا، آپ نے اس کو جا کر جب آپ نے دیکھا تو فرمایا کہ:

"تم اس شخص کو نہیں پہچانتے مگر میں اس شخص کو پہچانتا ہوں، یہ چرواہا ہے، اور یہ وہ عجیب و غریب بندہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک بھی سجدہ نہیں کیا، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھا اس کو جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے، اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ملائکہ اس کو غسل دے رہے ہیں، اور اس کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو چکی ہے، اور اس کی بدبو خوشبو سے تبدیل ہو چکی ہے۔"

دیکھئے! اگر کچھ عرصہ پہلے اس کی وفات آ جاتی تو سیدھا جہنم میں چلا جاتا، اور اب

اس حالت میں موت آئی کہ ایمان لا چکا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کا غلام بن چکا ہے تو اب اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انقلاب پیدا فرما دیا۔ اسی لئے فرمایا "العبرۃ بالخواتیم" اعتبار خاتمے کا ہے۔ اسی لئے بڑے بڑے لوگ لرزتے رہے۔ اور یہ دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! حسن خاتمہ عطا فرما دیجئے۔ ایمان پر خاتمہ عطا فرما دیجئے۔ کس بات پر انسان ناز کرے فخر کرے، اور اترائے، اس لئے کہ کیا معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ کسی کو بھی حقیر مت سمجھو۔

انبیاء علیہم السلام کا شیوہ یہ رہا ہے کہ کبھی گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا۔ حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ جتنا ظلم تم پر کیا جائے تم بھی اتنا بدلہ لے سکتے ہو۔ لیکن انبیاء علیہم السلام نے کبھی گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دیا۔ قوم کی طرف سے نبی کو کہا جا رہا ہے کہ: ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ "تم بیوقوف ہو۔ حماقت میں مبتلا ہو۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو" ہم جیسا کوئی ہوتا تو جواب میں کہتا کہ تم احمق اور تمہارا باپ احمق۔ لیکن نبی کا جواب یہ تھا کہ: "اے میری قوم میں بیوقوف نہیں ہوں۔ بلکہ میں پروردگار کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت اسماعیل شہید رحمۃ اللہ جو شاہی خاندان کے فرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں دین کی تڑپ عطا فرمائی تھی۔ اور دین کی بات لوگوں تک پہنچانے کے لئے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور شرک اور بدعات کے خلاف آپ نے جہاد کیا۔ لوگ ایسے آدمی کے دشمن بھی ہو جاتے ہیں۔ ایک دن دہلی کی جامع مسجد میں وعظ فرما رہے تھے تو ایک آدمی نے حضرت کو تکلیف پہنچانے کے لئے بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر کہا کہ "مولانا! ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں؟"۔ اندازہ لگائیے!۔ کہ اتنے بڑے عالم اور شاہی خاندان کے ایک فرد ہیں۔ ان کو مغلظ گالی دیدی۔ کوئی اور ہوتا تو نہ جانے اس کہنے والے پر کتنا غصہ نکالتا۔ وہ اگر چھوڑ دیتا تو اس کے حواری اس کی تکہ بوٹی کر دیتے۔ لیکن یہ پیغمبروں کے وارث ہیں۔ چنانچہ جواب میں فرمایا:

آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب بھی دہلی میں موجود ہیں۔ یہ

ہیں پیغمبرانہ اخلاق، اور پیغمبرانہ سیرت کے گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا جا رہا ہے۔

دوسری نصیحت .... کسی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھو

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ان کو دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ:

کسی بھی نیکی کے کام کو ہرگز حقیر نہ سمجھو، بلکہ جس وقت جس نیک کام کا موقع ملے، اور اس کے کرنے کی توفیق ہو جائے تو اس کو غنیمت سمجھ کر کر لو۔ اس کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ نے شیطان کے ایک بہت بڑے داؤ کو ختم فرما دیا۔ شیطان کا ایک داؤ یہ ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے دل میں کسی نیک کام کا داعیہ اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ فلاں نیک کام کر لوں تو شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ میاں! یہ چھوٹا سا نیک کام کر کے تم کونسا تیر مار لو گے تمہاری زندگی تو نا جائز کاموں میں گزری ہے، اگر تم نے یہ چھوٹا سا نیک کام کر لیا تو اس کے نتیجے میں تمہیں کونسی جنت مل جائے گی۔ اس لئے اس نیکی کو بھی چھوڑ دو۔ اس طرح شیطان اس نیکی کو بھی محروم کرا دیتا ہے۔ حالانکہ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کسی بھی نیکی کے کام کو حقیر سمجھ کر مت چھوڑو، بلکہ اس کو کر گزرو۔ اور اس نصیحت میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جس نیک کام کو تم حقیر سمجھ کر چھوڑ رہے ہو، کیا پتہ کہ وہ کام اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا عظیم ہو، اور اس کام کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما دیں تو شاید وہی کام تمہاری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ احادیث میں اور بزرگان دین کے واقعات میں بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے عمل پر مغفرت فرما دی۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ واقعہ آتا ہے کہ: "ایک فاحشہ عورت راستے سے گزر رہی تھی، راستے میں دیکھا کہ ایک کنویں کے پاس ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پانی پینا چاہتا ہے لیکن پانی اتنا نیچے ہے کہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتا، اس عورت کو اس کتے پر ترس آیا اور اس نے سوچا کہ یہ کتا اللہ کی مخلوق ہے، اور پیاس سے بے چین ہے، اس کتے کو پانی پلانا چاہئے۔ اس نے ڈول تلاش کیا تو کوئی ڈول وہاں نہیں ملا، آخر اس نے اپنے پاؤں سے ایک چمڑے کا موزہ اتارا، اور کسی طرح اس کنویں سے پانی بھر کر اس کتے کو پلا دیا۔ اور اس کی پیاس دور کر دی۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ صرف اس عمل پر اس کی مغفرت فرمادی"۔

ذرا سوچئے... اگر وہ عورت یہ سوچتی کہ میں تو ایک فاحشہ عورت ہوں میں تو جہنم کی مستحق ہوں۔ اگر میں نے کتے کو پانی پلانے کا یہ چھوٹا سا عمل کر بھی لیا تو کیا فائدہ! اب آج بیکار ہے اگر وہ سوچتی تو اس عمل سے بھی محروم ہو جاتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی نجات نہ ہوتی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر اس کی نجات فرمادی۔

مغفرت کے بھروسے پر گناہ مت کرو

لیکن اس واقعے سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ بس اب جتنے چاہو گناہ کرتے رہو۔ ساری زندگی گناہوں میں گزار دو۔ پھر ایک دن کتے کو پانی پلا دیں گے تو سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، اور ایک اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ جو شخص گناہ کرے گا اس کو اس گناہ کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم یہ ہے کہ کسی بندے کے کسی عمل کی وجہ سے اس کے گناہ کو معاف فرما دے۔ لیکن اس کرم اور رحمت کا کچھ پتہ نہیں ہے کہ کس عمل پر کس وقت ہوگی؟ اور کس وقت نہیں ہوگی؟ لہٰذا اس بھروسے پر آدمی گناہ کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی نہ کوئی عمل قبول ہو جائیگا اور گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یہ بات ٹھیک نہیں۔ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا (العاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله) "عاجز وہ شخص ہے جو اپنی خواہشات کے پیچھے لگا رہے۔ جہاں خواہشات اس کو لے جا رہی ہیں وہ وہیں جا رہا ہے۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ پر آرزو باندھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف فرمادیں گے"۔

اور جب کسی سے کہا جائے کہ گناہوں کو چھوڑ دو تو جواب میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں، معاف فرمادیں گے۔ اسی کو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تمنا باندھنا۔ جیسے کوئی شخص مشرق کی طرف دوڑا جا رہا ہے اور اللہ سے یہ امید لگائے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مغرب میں پہنچادیں گے۔ راستہ تو جہنم کا اختیار کر رکھا ہے اور یہ امید لگا رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچادیں گے۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی کسی عمل کی بدولت اپنی رحمت سے کسی انسان کی مغفرت فرما دیتے

اعمال زیادہ تھے لیکن فائدہ کچھ نہیں۔ دوسری طرف اگر عمل چھوٹا سا ہو لیکن اس میں اخلاص ہو تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا بن جاتا ہے۔ لہٰذا جس وقت دل میں کسی نیکی کا ارادہ پیدا ہو رہا ہے تو اس وقت دل میں اخلاص بھی موجود ہے۔ اگر اس وقت وہ عمل کر لو گے تو امید ہے کہ وہ انشاء اللہ مقبول ہو جائے گا۔ یہ تو ایک حکمت ہوئی۔

نیکی نیکی کو کھینچتی ہے

دوسری حکمت یہ ہے کہ جب نیک کام کرنے کا دل میں خیال آیا اور اس کو کر لیا تو ایک نیک کام کرنے کے بعد دوسرے نیک کام کرنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ نیکی نیکی کو کھینچتی ہے، ایک برائی کی خاطر بعض اوقات انسان کو بہت سی برائیاں کرنی پڑتی ہیں.....اس لئے جب تم نے ایک نیک کام کیا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مزید نیکی کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک چھوٹی سی نیکی کی وجہ سے انسان کی پوری زندگی بدل جاتی ہے اور زندگی میں انقلاب آ جاتا ہے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

میرے شیخ حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ "اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آمین" فرمایا کرتے تھے کہ "دل میں جو نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے کہ فلاں نیک کام کر لو، اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں "وارد" کہتے ہیں، فرماتے تھے کہ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے، اگر تم نے اس مہمان کی خاطر کی، اس طرح کہ جس نیکی کا خیال آیا تھا وہ نیک کام کر لیا، تو یہ مہمان اس قدر دانی کی وجہ سے دوبارہ بھی آئے گا۔ اور اس طرح تمہاری نیکیوں کو بڑھاتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے اس مہمان کی خاطر مدارات نہ کی، بلکہ اس کو دھتکار دیا، یعنی جس نیک کام کرنے کا خیال تمہارے دل میں آیا تھا، اس کو ترک کیا تو پھر رفتہ رفتہ یہ مہمان آنا چھوڑ دے گا اور پھر نیکی کرنے کا ارادہ ہی دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ نیکی کے خیالات دل میں آنا بند ہو جائیں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ... بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یعنی برے اعمال کے سبب ان کے دل میں زنگ لگ گیا، اور نیکی کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے یہ

چھوٹی چھوٹی نیکیاں جو ہیں ان کو چھوڑنا نہیں چاہئے، اس لئے کہ یہ بڑی نیکیوں تک پہنچا دیتی ہیں۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے تو بعض اوقات شیطان اس طرح انسان کو بہکاتا ہے کہ یہ کام بہت اچھا ہے، ضرور کرنا چاہئے۔ لیکن جلدی کیا ہے؟ کل سے یہ کام کریں گے، پرسوں سے کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نیک کام ٹل جاتا ہے۔ اس لئے کہ آج دل میں جو نیکی کا داعیہ پیدا ہوا ہے، معلوم نہیں کہ کل کو یہ باقی رہے گا یا نہیں؟ کل اس نیک کام کے کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔ یہ بھی پتہ نہیں کہ کل آئے گی بھی یا نہیں آئے گی۔ اس لئے جس وقت نیکی کا داعیہ دل میں پیدا ہو اسی وقت کر لینا چاہئے۔ مثلاً راستے میں گزر رہے ہیں، کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہوئی نظر آئی اور دل میں خیال آیا کہ اس کو ہٹانا چاہئے، اسی وقت اس کو ہٹا دو۔ یا مثلاً آپ نے پانی پینے کا ارادہ کیا، دل میں خیال آیا کہ بیٹھ کر پانی پینا حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے، تو فوراً بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر پانی پی لو۔ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، خیال آیا کہ بسم اللہ پڑھ لوں، تو فوراً پڑھ لو۔ لہٰذا جس کسی چھوٹی نیکی کا خیال بھی دل میں آئے، اس کو کر گزرو۔ میں نے اسی جذبے کے تحت "آسان نیکیاں" کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا، اور اس میں ان نیکیوں کو لکھ دیا ہے جو بظاہر آسان اور چھوٹی چھوٹی سی ہیں، لیکن ان کا اجر و ثواب بڑا عظیم ہے۔ ان پر عمل کرنے کا اہتمام کرے تو انسان بہت سا اجر و ثواب کا ذخیرہ جمع کر سکتا ہے۔ یہ آسان اور چھوٹی نیکیاں انشاء اللہ بالآخر انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیں گی۔ ہر شخص اس کو لے کر پڑھے اور پھر ایک ایک نیکی کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔ اور ان پر عمل کی کوشش کرے تو انشاء اللہ منزل تک پہنچا دیں گی۔

اسی طرح ایک چیز اور ہے جو اس کے بالمقابل ہے، وہ یہ کہ جس طرح نیکی کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے، اسی طرح کسی گناہ کو حقیر سمجھ کر اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا کوئی گناہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس گناہ کو مت کرو۔ یہ بھی شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گناہ کرنے کا دل میں خیال آیا، لیکن ساتھ ہی دل میں یہ خیال بھی آگیا کہ گناہ ہے، اس لئے یہ کام نہیں کرنا چاہئے، تو ایسے وقت شیطان یہ بہکاتا ہے کہ تم نے اتنے بڑے بڑے گناہ تو پہلے سے کر رکھے ہیں، اگر تم نے یہ چھوٹا سا گناہ کر لیا تو کونسی قیامت آجائے گی۔ اور اگر تم نہیں کرو گے تو اس سے

ایک حصہ ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے۔ اور اس پر بھی انسان کو اجر وثواب ملتا ہے۔ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی عظیم سنت ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ جو خاص صحابہ کرام میں سے ہیں، جن کو یوسف ھذہ الامۃ یعنی اس امت کے یوسف کہا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ بڑے حسین وجمیل تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس ﷺ پر میری نگاہ پڑی تو مجھے یاد نہیں کہ آپ نے تبسم نہ فرمایا ہو، جب بھی آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ کے چہرے پر تبسم آجاتا تھا۔ آپ کا چہرہ کھلا ہوا ہوتا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آدمی دین کی طرف آئے تو بالکل خشک اور ترش بن جائے۔ اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہ آئے۔ اس کو دین کا حصہ سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کہاں سے یہ بات حاصل کرلی ہے۔ حالانکہ یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔ اس لئے جب کسی سے ملو تو مسکراتے ہوئے ملو۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض لوگ مال کے کنجوس ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگ تبسم کے کنجوس اور بخیل ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے پر کبھی تبسم ہی نہیں آتا۔ حالانکہ یہ تو بہت آسان نیکی ہے کہ جب کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرو، تو اس کا دل خوش کردو۔ اور جب تم نے اس کا دل خوش کردیا تو تمہارے نامہ اعمال میں نیکی کا اضافہ ہوگیا، اور صدقہ لکھا گیا۔

چوتھی اور پانچویں نصیحت

چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ اپنے ازار یا جامہ کو چاہے وہ پاجامہ ہو یا شلوار یا تہبند ہو، اس کو آدھی پنڈلی تک رکھو، اگر آدھی پنڈلی تک نہیں رکھ سکتے تو ٹخنوں تک رکھو۔ اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے سے بچو، یہ تکبر کا حصہ ہے۔ دیکھئے! اس حدیث میں حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر ہو تو نیچے مت کرو، اور تکبر نہ ہو تو نیچے کرلو، بلکہ یہ فرمایا کہ نیچے مت کرو، اس لئے کہ یہ تکبر ہے۔ بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تکبر کی وجہ سے نیچے نہیں کرتے بلکہ ویسے ہی فیشن کی وجہ سے نیچے کرتے ہیں، اور ممانعت اس وقت ہے جب تکبر کی وجہ سے ہو۔ ایسا کہنے والے بڑے عجیب لوگ ہیں، ان کو اپنے تکبر نہ ہونے کا اس قدر اطمینان ہے، حالانکہ اس دعوے نے کسی کو تکبر سے پاک اور

تکبر سے بری کوئی ذات ہو سکتی ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نہیں ہو سکتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ میرے اندر تکبر نہیں ہے اس لئے میں اپنی ازار نیچے کر لیتا ہوں بلکہ ساری عمر کبھی ٹخنوں سے نیچے ازار نہیں کیا، اگر تکبر نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے لئے ٹخنوں سے نیچے ازار پہننا جائز ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی اجازت ہوتی، اس لئے یہ خیال دل سے نکال دو۔ چنانچہ اس نصیحت میں آپ نے فرمایا کہ اس سے بچو، اس لئے کہ یہ تکبر کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر اور خود پسندی کو پسند نہیں کرتے۔ "خود پسندی" کے معنی ہیں "اپنے کو دوسرے سے اچھا سمجھنا" کہ میرے اندر بڑے اوصاف اور کمالات ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو "شکستگی، عاجزی اور درماندگی" پسند ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جتنا شکستہ اور درماندہ رہو گے، تواضع کرو گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاؤ گے۔ اور جہاں بڑائی اور خود پسندی آگئی تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

چھٹی نصیحت

چھٹی نصیحت یہ فرمائی کہ اگر کوئی انسان تمہیں گالی دے، یا تم کو کسی ایسے عیب کی بنا پر عار دلائے جو عیب واقعی تمہارے اندر ہے تو اس کے بدلے میں تم اس کے اس عیب پر عار مت دلاؤ جو عیب تم اس کے اندر جانتے ہو، یعنی گالی کے بدلے گالی مت دو اور عار دلانے میں اس کو مت دلاؤ، اس لئے کہ اس شخص نے گالی دے کر اور عار دلا کر جو برائی کی ہے وہ اس کے اوپر ہے، اس کا مؤاخذہ اس سے ہوگا، اور اگر تم بدلہ لو گے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور اگر بدلہ نہیں لو گے بلکہ صبر سے کام لو گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر عظیم تم کو ملے گا۔ مثلاً ایک شخص نے تم سے کہا کہ تم بے وقوف ہو، تم نے جواب میں اس سے کہا "تم ہو بے وقوف" تو تم نے بدلہ لے لیا، اگرچہ تم نے کوئی ناجائز کام نہیں کیا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں دنیا و آخرت کا کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اگر تم خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا تو اس کے نتیجے میں کوئی کڑھن پیدا ہوئی اور غصہ آیا لیکن اس غصے کو ضبط کر گئے اور صبر سے کام لیا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب "اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں۔"

اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! بیوی کے ساتھ بہتر سلوک کے ساتھ میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو نرمی اور مروت کا برتاؤ کرو) ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے (اور درست کرنے کی کوشش نہ کرو گے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی، اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔

اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "انھن خلقن من ضلع" (ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور اس کو تمثیل بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہر صورت مقصد وہ یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کجی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کجی زیادہ تر ظاہر اوپر کے حصے میں ہوتا ہے جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ تم اگر ٹیڑھی پسلی کو زور اور قوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر زور زبردستی اور تشدد سے عورت کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرو گے تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آ جائے اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کرے گا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی کی وہ خوشگواری کی دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو رشتہ ازدواج کا خاص مقصد ہے۔ اس لئے مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں۔ اس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی۔ یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے۔ اس پر کاربند رہو۔

"استوصوا بالنساء خیرا" سے آپ نے کلام شروع فرمایا تھا اور اسی پر کلام ختم فرمایا۔ "فاستوصوا بالنساء خیرا" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک

اور وفاداری کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہیے) اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ ہوگی۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات و اطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے، بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت کو سمجھے، یہ مومن شوہر کی صفت ایمان کا تقاضہ اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے۔ اسی صورت حال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے کہ اور بیویوں کے ساتھ مناسب و معقول طریقے سے گزارا کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت خیر و خوبی رکھی ہو۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاقی برتاؤ (سب کے ساتھ) بہت اچھا ہو (اور خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف و محبت کا ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مسلمانوں میں زیادہ کامل الایمان وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں اور (واقعہ میں اللہ کی نگاہ میں) تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ کامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔

(از معارف الحدیث)

آٹھواں ارشاد

خرچ کرنے والوں کے لئے فرشتوں کی دعا

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ما من یوم یصبح العباد فیہ الا ملکان ینزلان فیقول احدھما اللھم اعط منفقا خلفا ویقول الاخر اللھم اعط ممسکا تلفا

ترجمہ.... حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما دوسرا دعا کرتا ہے کہ اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال برباد کر۔

تشریح.... قرآن پاک کی آیات میں بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا۔ اس جگہ اور بھی متعدد آیات اس کی تائید میں گذر چکی ہیں۔ حضرت ابوالدرداءؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کی دونوں طرف دو فرشتے اعلان کرتے ہیں جس کو جن و انس کے سوا سب سنتے ہیں کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو تھوڑی چیز جو کفایت کا درجہ رکھتی ہو اس زیادہ مقدار سے بہت بہتر ہے جو اللہ سے غافل کر دے۔ اور جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے زور سے دعا کرتے ہیں اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر۔ ایک حدیث ہے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے آواز دیتے ہیں کہ یا اللہ خرچ کرنے والے کا بدل جلدی عطا فرما اور یا اللہ روک کر رکھنے والے کے مال کو جلدی ہلاک فرما۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں جن کے متعلق صرف یہی کام ہے کوئی دوسرا کام نہیں، ایک پکارتا رہتا ہے یا اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا کر، دوسرا کہتا ہے روک کر رکھنے والے کو یا اللہ ہلاکت عطا فرما۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح و شام کی خصوصیت نہیں، ان کی ہر وقت یہی دعا ہے لیکن پہلی روایات کی بناء معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے آفتاب طلوع ہونے کے

وقت اور غروب کے وقت خاص طور سے یہ دعا کرتے ہیں۔ اور مشاہدہ اور تجربہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ مال جمع کر کے رکھنے والوں پر اکثر ایسی چیزیں مسلط ہو جاتی ہیں جن سے وہ سب ضائع ہو جاتا ہے کسی پر مقدمہ مسلط ہو جاتا ہے، کسی پر آوارگی سوار ہو جاتی ہے، کسی کے چور پیچھے لگ جاتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ بربادی کبھی تو اس مال کی ہوتی ہے اور کبھی صاحب مال کی یعنی وہ خود ہی چل دیتا ہے، اور کبھی بربادی نیک اعمال کے ضائع ہونے سے ہوتی ہے کہ وہ اس میں پھنس کر نیک اعمال سے جاتا رہتا ہے، اور اس کے بالمقابل جو خرچ کرتا ہے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے، بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صدقہ اچھی طرح کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے ترکہ میں اچھی طرح نیابت کرتے ہیں یعنی اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا مال وارث برباد نہیں کرتے لغو چیزوں میں ضائع نہیں کرتے ورنہ اکثر رؤسا کے لڑکے باپ کے مال کا جو حشر کرتے ہیں وہ معلوم ہی ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ جو خرچ پسندیدہ ہے وہ وہی خرچ ہے جو نیک کاموں میں ہو، اہل و عیال کے نفقہ میں ہو یا مہمانوں پر خرچ ہو یا دوسری عبادتوں میں ہو۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ یہ فرض عبادت اور نفل عبادت دونوں شامل ہیں۔ لیکن نوافل سے رکنے والا بددعا کا مستحق نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کی طبیعت پر ایسا بخل مسلط ہو جائے جو واجبات میں بھی خوشی سے خرچ نہ کرے (فتح)۔ لیکن ایک حدیث تعمیم کی طرف اشارہ کرتی ہے، جس میں ارشاد ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے آدم کے بیٹے تو ضرورت سے زائد مال خرچ کر دے یہ تیرے لئے بہتر ہے، اور تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لئے برا ہے، اور بقدر کفایت روکنے پر ملامت نہیں، اور خرچ کرنے میں جن کی روزی تیرے ذمہ ہے ان سے ابتدا کر کہ ان پر خرچ کرنا دوسروں سے مقدم ہے اس مضمون آیت کی تائید بھی آیت نمبر ۲ میں گزر چکی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ خود ہی فرماتے ہیں کہ جتنا زائد ہو وہ خرچ کر دو۔ اس جگہ یہ حدیث شریف بھی گزر چکی ہے، اہتمام کی اور توضیح کی وجہ سے یہاں دوبارہ ذکر کی گئی۔ حقیقت یہی ہے کہ جو اپنے مال سے زائد ہو وہ جمع کر کے رکھنے کے واسطے ہے ہی نہیں۔ اس کے لئے بہترین بات یہی ہے کہ وہ اللہ کے بینک میں جمع کر دیا جائے جس کو کوئی زوال نہیں، اس پر کوئی آفت نہیں آتی، اور ایسے سخت مصیبت کے وقت کام آنے والا ہے جس وقت کے مقابلے میں یہاں کی ضرورتیں کچھ بھی نہیں ہیں اور وہاں اس وقت کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

نواں ارشاد

منافق شخص کی تین علامتیں

وعن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٰیۃ المنافق ثلاث
زاد مسلم وان صام و صلی و زعم انہ مسلم ثم اتفقا اذا حدث کذب واذا وعد
اخلف واذا اؤتمن خان. متفق علیہ

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں۔ اس کے بعد مسلمؒ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا: "اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے" اس کے بعد بخاریؒ و مسلمؒ دونوں متفق ہیں (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔"

تشریح... جب بھی کوئی اصلاحی تحریک انقلابی رفتار سے آگے بڑھنے لگتی ہے اور معاشرے پر اس کا تسلط پھیلتا جاتا ہے تو اس کے متعلقین اور مخالفین کے درمیان ایک تیسرا طبقہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس تحریک کے مکمل ہمنوا بن جاتے ہیں اور کامل ذہنی و جسمانی وابستگی کے ساتھ اس کی دعوت و اطاعت میں داخل ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں دوسرا طبقہ مخالفین کا ہوتا ہے جو تحریک کی کھل کر مخالفت کرتا ہے اور اپنی پوری طاقت اور تمام تر وسائل کے ساتھ علانیہ طور پر تحریک داعیوں اور حامیوں کے مدمقابل رہتا ہے اور ان دونوں کے درمیان جو تیسرا طبقہ پیدا ہوتا ہے وہ ان ردیا صفت لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو نہ اس تحریک کے دل سے حامی بنتے ہیں اور نہ کھلم کھلا مخالفت پر خود کو قادر پاتے ہیں اس طرح کے لوگ اپنی ذہنی و قلبی وابستگی اپنے سابقہ عقائد و نظریات ہی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ لیکن جسمانی طور پر حامیانِ تحریک کی صفوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہی صورت حال اسلام کو بھی پیش آئی پیغمبرِ اسلام کی مکی زندگی کے بعد جب مدنی زندگی کا آغاز ہوا اور

اس کے ساتھ دعوت اسلام کی تحریک انقلابی رفتار سے آگے بڑھنے لگی اور اہل اسلام کو بھی طاقت و شوکت میسر آنے لگی تو یہ تیسرا طبقہ پیدا ہو گیا۔ پہلے مکہ میں ایک طرف تو وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے کامل یقین کے ساتھ صدق و اخلاص کے ساتھ دعوت اسلام کو قبول کیا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے فدا کار بن گئے۔ یہ خوش نصیب تعداد میں بھی کم تھے اور مادی وسائل و ذرائع سے بھی محروم تھے ان کے مقابلے پر اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس پر بس نہ کر کے دعوت اسلام کی بھرپور مخالفت پر کمربستہ رہتے تھے۔ ان لوگوں کو طاقت و شوکت بھی حاصل تھی۔ اور تمام تر مادی وسائل و ذرائع کی پشت پناہی بھی۔ چنانچہ یہاں ان کو اسلام کی کھلم کھلا دشمنی سے کوئی امر مانع نہیں تھا۔ اور نہ اسلام کی مخالفت سماجی طور پر کسی خطرہ یا نقصان کا باعث نہیں تھی۔ لیکن اب مدینہ آنے کے بعد دعوت اسلام کا ماحول دوسرا ہو گیا تحریک کامیابی سے آگے بڑھتی رہی۔ معتقدین اور ہمنواؤں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ طاقت و شوکت بھی بڑھنے لگی۔ اور سیاسی طور پر اہل اسلام کو غلبہ بھی ملنے لگا۔ لہٰذا اب اسلام کے مخالفین اور معاندین کو اپنی عداوت کی شکل بدلنی پڑی۔ انہوں نے یہ مستقل پالیسی بنائی کہ بظاہر تو اسلام کے نام لیوا بن جاؤ اور مسلمانوں کے ساتھ رہو لیکن اندرونی طور پر مخالفین اسلام مثلاً کافروں کے ہمنوا رہو اور خفیہ معاندانہ کارروائیوں کے ذریعے دعوت اسلام کی راہ میں کانٹے بچھاتے رہو۔ چنانچہ یہیں سے "نفاق" کی بنیاد قائم ہوئی اور اس طرح کے لوگوں کو اسلام میں "منافق" کہا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح کسی بھی تحریک کے لئے "نفاق" سب سے بڑا گھن ثابت ہوتا ہے اسی طرح اسلام کے حق میں یہ طبقہ منافقین سب سے زیادہ ضرر رساں ثابت ہوا۔ ابتدا میں تو ان منافقین کا گروہ چہرہ مسلمانوں کے سامنے چھپا رہا جب ان کی منافقانہ پالیسی اور تخریبی کارروائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچانا شروع کیا اور اسلام کے خلاف ان کی خفیہ نقل و حرکت کا علم ہونے لگا تو ان کی شخصیتیں سامنے آنے لگیں اور پھر تو اس طبقے کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر ایک مستقل سورت "المنافقون" نازل کی گئی۔ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں جا بجا منافقوں کو خبردار کیا گیا اور ان کی ریشہ دوانیوں اور تخریب کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔

نفاق کی تین قسمیں

جس طرح ایمان اور کفر کی مختلف قسمیں اور صورتیں ہیں، اسی طرح "نفاق" کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک تو اعتقادی نفاق ہے اور یہی حقیقی نفاق ہے یعنی بظاہر اللہ کی توحید، رسالت، فرشتے اور حشر ونشر کے اعتقاد رکھنے کا دعویٰ کرنا مگر اندرون تمام اعتقادی مسلمات کا پورا پورا انکار وانحراف مضمر ہونا۔ یہی وہ نفاق ہے جو آنحضرت ﷺ کے دور میں تھا اسی نفاق کو قرآن مجید میں کفر بھی کہا ہے اور اسی نفاق کے بارے میں یہ وعید آئی ہے کہ دوزخ میں منافقین کا ٹھکانا کافروں سے بھی نیچے ہوگا۔ پھر یہ ہوا کہ ان منافقین کے جو عادات وخصائل اور طور طریقے تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کیا جانے لگا۔ کیونکہ ان میں اکثر یا تمام وہی ہیں جو انسان کی اخلاقی اور عملی زندگی کو عیب دار بناتی ہیں جو اسلام کی تعلیمات، اعلیٰ انسانی اقدار امانت ودیانت کے صریح منافی ہونے کے سبب ایمان واسلام سے ذرا بھی میل نہیں کھاتیں۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی دینی زندگی میں انحطاط کا دور آیا اور انھوں نے ان باتوں کو اختیار کرنا شروع کر دیا جو منافقین اسلام کا خاصہ تھیں تو ارباب اصطلاح نے نفاق کی ایک اور قسم متعین کی اور اس کا نام "عملی نفاق" رکھا۔

پس حدیث بالا میں جس چیز کے خلاف تنبیہ کرنا مقصود ہے اس سے یہی "عملی نفاق" مراد ہے۔ مطلب یہ کہ بات چیت میں دروغ گوئی اختیار کرنا، وعدہ کا پورا نہ کرنا اور امانتوں میں خیانت کرنا ان بری عادتوں میں سے ہیں جو ایک منافق میں تو پائی جاتی ہیں لیکن کسی مومن میں ان کا پایا جانا عجوبہ سے کم نہیں۔ لہٰذا اگر مسلمان دانستہ یا نادانستہ طور پر ان میں سے کسی بری عادت کا شکار ہے تو اس کو فوراً اپنا احتساب کرنا چاہیے اور اس بری عادت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ ورنہ آخرت میں سخت عذاب بھگتنا ہوگا۔

ایک حدیث میں ارشاد مبارک ہے کہ "اور حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے گی (تو سمجھو) اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوئی تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے اور وہ چار باتیں یہ ہیں۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو

جھوٹ بولے، جب قول و اقرار کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑے تو گالیاں بکے۔"

(بخاری و مسلم)

یہاں بھی نفاق سے مراد "عملی نفاق" ہے۔ یعنی اگر کوئی مومن و مسلمان ان چار بری باتوں کا شکار ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ پورے طور پر عملی نفاق میں مبتلا ہے اور عملاً منافق بن گیا ہے اور اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت و عادت اس کے اندر پیدا ہو جائے تو جانو کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی ہے۔ لہٰذا متنبہ کیا جاتا ہے کہ جس کے اندر خواہ یہ تمام خصلتیں جمع ہوگئی ہوں یا ایک خصلت ہو وہ جان لے کہ اب اس کا نقشۂ زندگی منافق کے مطابق ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وہ ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے اندر ان خصلتوں کا ہونا مناسب نہیں ہے۔ اور اگر وہ اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان باتوں کو فوراً چھوڑ دے۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان (ماری ماری) پھرتی ہے کہ (اپنے نر کی تلاش میں) کبھی اس طرف مائل ہو جاتی ہے اور کبھی اس طرف۔"

منافق کی مثال اس بکری سے دی گئی ہے جو اپنے نر کی تلاش میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے، اسی طرح منافق کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے چونکہ صرف دنیا کا لالچ اور مال و جان کی حفاظت کا مقصد ہوتا ہے اس لئے وہ مادہ صفت بن کر کبھی تو مسلمانوں کی آغوش میں آکر پناہ لیتا ہے اور کبھی کافروں کے گروہ میں جا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ نفاق سے نفرت پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ بہت مؤثر ہے۔

(از معارف الحدیث)

دسواں ارشاد

آخرت کا فائدہ اور نقصان

عن ابی موسی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب دنیاہ اضر باخرتہ ومن احب اخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا ما یبقی علی ما یفنی۔

ترجمہ... حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ (صورت کے اعتبار سے) دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس (جب یہ ضابطہ ہے تو) جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے (یعنی آخرت) اس کو ترجیح دو اس چیز پر جو بہرحال فنا ہو جانے والی ہے۔

تشریح... دنیا کی زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائے بہرحال ختم ہونے والی ہے اور اس کا مال و متاع چاہے کتنا ہی زیادہ سے زیادہ ہو جائے ایک دن چھوٹنے والا ہے۔ موت سے چھوٹ جائے یا ضائع ہو جانے سے چھوٹ جائے۔ اور آخرت کی زندگی کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ وہاں کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ ایسی حالت میں کھلی ہوئی بات ہے کہ آدمی میں اگر ذرا سی بھی عقل ہو تو ایسی چیز کو اختیار کرنا چاہئے جو ہمیشہ اپنے پاس رہے نہ کہ ایسی چیز کے پیچھے پڑا جو کسی طرح بھی اپنے پاس ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ یہ بے وقوفی کی انتہا ہے مگر ہم لوگوں کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس اسٹیشن کے ویٹنگ روم کی زیب و زینت پر دل لگانے بیٹھے ہیں اور وقت صرف اتنا ہے کہ جب ریل گاڑی آئے اس پر سوار ہو جانا ہے۔ اتنے ذرا سے وقت میں اگر آدمی اپنی سفر کی تیاری میں مصروف رہے۔ اپنے سامان سفر کو تیار کرے۔ جو چیزیں وطن میں پہنچ کر کام آنے والی ہیں ان کو فراہم کرے تو یقیناً اس کیلئے کارآمد ہیں اور اگر وہ اپنا قیمتی وقت اور تھوڑی سی فرصت وہاں کے سیر سپاٹے میں خرچ کر دے اپنا سامان بکھرا پڑا رہے اور خود ویٹنگ روم کی صفائی اور اسکے فرنیچر کو ترتیب سے رکھنے میں لگ جاوے یا اس سے حظ حاصل کرنے میں وقت پورے کا اس میں لگا دے

کے واسطے آنے اور تھکنے خریدنے میں لگ جائے تو اپنا سامان بھی کھو دے گا اور اپنی جان بھی ضائع کرے گا۔

اس حدیث پاک میں دنیا سے محبت نہ کرنے پر تنبیہ ہے کہ محبت اس کی ہوتی ہے کہ جس کے ساتھ دل بھی لگ جائے رفتہ رفتہ آدمی کو اسی کا بنا دیتی ہے۔ اسی سے آخرت کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی ترغیب فرمائی ہے اور دنیا سے ترک محبت پر تنبیہ ہے کہ دنیا سے محبت رکھنے والا اگرچہ آخرت کے کاموں میں وقت لگاتا ہو لیکن اس ناپاک دنیا کی محبت رنگ لائے بغیر نہ رہے گی اور آہستہ آہستہ اپنے کاموں میں تساہل اور حرج و نقصان پیدا کر دے گی۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا کو محبوب رکھتا ہے سارے پیر و مرشد بھی اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔ اور جو شخص دنیا کو ترک کرتا ہے (اس سے نفرت کرتا ہے) اس کو سارے مفسد مل کر بھی گمراہ نہیں کر سکتے۔ (احیاء)

حضرت براءؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں اپنی شہوتوں کو پورا کرتا ہے وہ آخرت میں اپنی خواہشات کے پورا کرنے سے محروم ہوتا ہے۔ اور جو شخص دنیا میں زیب و زینت (والے لوگوں کی زیب و زینت کی طرف (للچائی ہوئی) آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ آسمانوں کی بادشاہت میں ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ اور جو شخص تنگ روزی پر صبر و تحمل کرتا ہے وہ جنت میں فردوس اعلیٰ میں ٹھکانا پکڑتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام حکیم ہیں۔ قرآن پاک میں بھی ان کی نصائح کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ ایک حبشی غلام تھے بڑھئی تھے اللہ جل شانہ نے نوازا کہ حکیم لقمان بن گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے انہیں اختیار دیا تھا کہ حکمت اور بادشاہت میں سے جس کو چاہیں پسند کر لیں تو انہوں نے حکمت کو پسند فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ تم کو بادشاہ بنا دیا جائے اور تم حق کے موافق حکومت کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے رب کی طرف سے یہ حکم ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں اس لئے کہ اس صورت میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے میری اعانت ہوگی۔ اور اگر مجھے اختیار ہے کہ میں قبول کروں یا نہ کروں تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ میں اپنے لئے مصیبت نہیں چاہتا۔ فرشتوں نے پوچھا کہ لقمان کیا بات ہے کہ انہوں

تیسرا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی بیانات

قابل احترام بھائیو! یہ باب ہماری کتاب "مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو" کا تیسرا باب ہے۔ اس باب میں مثالی مردوں کی مثالی زندگی اور اصلاح کے لئے اکابرین کے دس مثالی بیانات پیش کئے جا رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اکابرین کی تعلیمات ہمارے لئے قیمتی اثاثہ ہیں۔ جن اکابرین کو ہم نہ دیکھ سکے اور ان سے ان کی زندگی میں کچھ استفادہ نہ کر سکے تو ان کی تعلیمات پڑھ کر ان سے ہم استفادہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی جذبے کے پیش نظر ہم نے اپنی کتاب میں اکابرین کے دس بیانات کو شامل کیا جو کہ درج ذیل ترتیب کے مطابق پیش کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پہلا بیان...بعنوان...ذکر اللہ

دوسرا بیان...بعنوان...محبت نبوی ﷺ اور فضائل صحابہؓ

تیسرا بیان...بعنوان...دعوت تقاضائے ایمان

چوتھا بیان...بعنوان...سیرۃ النبی ﷺ

پانچواں بیان...بعنوان...اصلاح اور محنت

چھٹا بیان...بعنوان...اتحاد

ساتواں بیان...بعنوان...درس قرآن

آٹھواں بیان...بعنوان...دنیا دار عمل اور آخرت دار مشاہدہ ہے

نواں بیان...بعنوان...وحدت امت

دسواں بیان...بعنوان...توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے

پہلا بیان

از شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ

بعنوان............................"ذکر اللہ"

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا"

ترجمہ.....(اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ بے تعداد ذکر ہو شب و روز کی کوئی قید نہیں صبح وشام کی کوئی قید نہیں مطلب یہ کہ ہر وقت ہر لحظہ اور ہر حالت میں اللہ کے ذکر میں لگے رہو دوسری آیت میں ہے۔ "فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ" (اللہ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے) یعنی جو بھی حالت ہو ہر حال میں اللہ اللہ کرو آیت میں ذکر کے ساتھ ساتھ تسبیح کا بھی ذکر ہے۔ شریعت میں جتنی عبادتیں ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک حد ہے مثلاً نماز کے متعلق ارشاد خداوندی ہے: "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ" (نماز قائم کرو دن کے دونوں طرف اور رات کے کچھ حصے میں) اور پھر روزوں کے لئے بارہ مہینوں میں ایک مہینہ متعین ہے۔ زکوٰۃ سال بھر میں ایک دفعہ، حج عمر میں ایک دفعہ اس کی ادائیگی مطلوب ہے لیکن ذکر اللہ کے لئے کوئی حد نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ بندہ بے شمار بے تعداد ذکر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر دل میں جاری رکھے جیسے کہ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ ہر حال میں "اللہ کا ذکر" جاری رکھتے تھے" رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنا کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ سمجھنے لگیں" ذکر کی نہایت ہی مرغوبیت مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرا بندہ زیادہ سے زیادہ میری یاد کرے۔

ذاکرین کا درجہ

مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون شخص زیادہ مرتبے والا ہے اللہ کے نزدیک فرمایا: "الذّاکرین اللہ کثیراً والذّاکرات" (یعنی ذکر کثیر کرنے والے مرد اور ذکر کثیر کرنے والی عورتیں) اس سے لوگوں کو تعجب ہوا کہ جہاد کرنے والے لوگوں کا مرتبہ بڑا ہونا چاہئے کیونکہ سب سے بڑی قربانی ان کی ہے انہوں نے ذاکرین سے زیادہ اپنی جانیں کھپائی ہیں اور مال قربان کیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجاہدین سے بھی ذاکرین کا درجہ بڑا ہے۔

"یعنی مجاہدین جن کے بدن خون سے رنگے ہوئے ہوں اور ان کے اموال لٹ گئے ہوں ان سے بھی ذاکرین کا درجہ بڑا ہے"۔

بھائیو! تو ذکر دو ذکر کرنے کے متعلق کیا شاندار ارشاد فرمایا ہے آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں کہ "دیکھو میں تمہیں ایسا عمل بتاتا ہوں جو تمہارے رب کے یہاں سب سے بہترین ہے جس سے تمہارے درجے بلند ہوتے ہیں اور تمہارے لئے سونے اور چاندی کے خرچ سے بھی زیادہ بہتر ہے اور تمہارے لئے اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے تم ان کو قتل کرو اور وہ تمہیں قتل کر ڈالیں۔ وہ عمل کیا ہے "اللہ کا ذکر" مختصر یہ کہ "ذکر اللہ" کو سب سے افضل قرار دیا اس کو ان تمام قربانیوں پر ترجیح دی۔

حسرتِ ذکر

بھائیو! آج ہم اس کی قدر نہیں جانتے قیامت میں اس کی قدر معلوم ہوگی مختلف عنوانوں میں جناب رسول اللہ ﷺ اس کا ذکر فرماتے ہیں اور اس کی ترغیب دلاتے ہیں۔ قرآن پاک میں قیامت کا ایک نام یوم الحسرت ہے قال اللہ تعالیٰ "وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ" آقائے نامدار ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ دن قیامت کا تو کافروں اور منافقوں کے لئے یوم الحسرۃ ہے کہ کفر و نفاق کی وجہ سے حسرت کریں گے لیکن مومنین کے لئے یوم حسرت کیوں ہوگا جن مومنین نے قرآن و حدیث کے مطابق اپنے عمل کو سنوارا ہے وہ کیوں افسوس کریں گے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ذکر کرنے پر اور ہر مرتبے کے ذکر پر اتنا بڑا اجر دے گا تب ہر ایک افسوس کرے گا کہ میں نے سوئی

مرتبہ ذکر کیوں کیا، میں نے ہزار تک مرتبہ پر کیوں کفایت کی، لاکھ مرتبہ یا کروڑ مرتبہ پر کیوں قناعت کی اور کیوں نہیں کیا۔ غرضیکہ ہر شخص اور ہر بار ہر ذکر بھی افسوس کرے گا اور ذکر کرتا تو اور غیر معمولی اجر پاتا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ذکر کے لئے کوئی حد، کوئی غایت، کوئی نہایت نہیں۔

تاکید ذکر

میرے بھائیو! چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے زیادہ سے زیادہ ذکر کرو۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: "الذّاکرین اللّٰہ کثیرًا والذّاکرات" اس میں کوئی قید نہیں۔ نجات پانے والوں میں اعلیٰ درجہ ذکر کرنے والوں کا ہے۔

بھائیو! بے وضو نماز پر عتاب ہوگا۔ جان بوجھ کر بے وضو نماز پڑھنے والے پر کفر کا فتویٰ ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "لا یقبل اللّٰہ صلوۃ بغیر طہور" ترجمہ۔ مگر ذکر کے لئے وضو شرط نہیں، وضو ہو یا نہ ہو، غسل جنابت کیا ہو یا نہ کیا ہو، ذکر کرو۔ نماز کے لئے شرط ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرو، اگر پورب کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں تو نہ ہوگی لیکن ذکر ہر جہت میں کر سکتے ہو۔ مرد اور ننگے ہوں تو نماز نہیں ہو سکتی، سر سے پاؤں تک عورت کو اور ناف سے گھٹنے تک مرد کو چھپانا ضروری ہے لیکن ذکر کے لئے یہ شرط ہے ننگے ہوں یا کپڑا پہنے ہوئے ہوں "اللہ تعالیٰ کا ذکر" ہر وقت مطلوب ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ ہر وقت "اللہ کا ذکر" فرماتے رہتے تھے۔ دیکھئے کس قدر تاکید ہے "ذکر" کی تاکید ہے کس قدر اس کا مطالبہ ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ: "جس کتاب کی تم پر وحی اتاری جا رہی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو، بے شک نماز فحش اور منکر سے روکتی ہے اور "اللہ کا ذکر" بہت بڑی بات ہے۔" اس آیت میں تین عبادتوں کا ذکر ہے۔

اہتمام تلاوت

(۱) تلاوت، تلاوت کلام اللہ شریف کا یہ درجہ ہے کہ ارشاد ہوا ہے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ "ولا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف" یعنی آنحضرت ﷺ نے وضاحت بھی فرما دی کہ حرف سے مثلاً یہ "الم" مراد نہیں بلکہ "الف"

تھانوی کے پاس ہونے والے کی ایک قلندر کے پاس جانے والے کی آپ تعظیم کرتے ہیں تو فرمایا کہنے لگے "جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنا ہم مجلس فرماتے ہیں تو کیا وجہ ہے اس شخص کا؟"۔

میرے بھائیو! جو اولیاء گزرے ہیں خواجہ معین الدین چشتی خواجہ بختیار کاکی بڑے تین دن ہوتے تھے کھانے پینے کے ذخیرے ان کے پاس نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے لگانے کی وجہ سے اثر یہ تھا کہ جو بات کہتے تھے وہ ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتے تھے یہ "ذکر اللہ" کا اثر تھا۔ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لیا۔ ہزاروں نہیں کروڑوں ان سے مستفید ہوئے۔

مبارک زندگی

ہم شب و روز غفلت کے ساتھ رہتے ہیں۔ بیوی بچے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ قرآن پاک کہتا ہے۔ "یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ" ترجمہ بیوی بچوں کی خبر گیری کرو لیکن "ذکر اللہ" سے غفلت نہ ہو۔ یہی بات رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو سکھائی مسلمان اس زمانے میں کھیتی باڑی تجارت میں "ذکر اللہ" سے غفلت نہ کرتے تھے۔ "یَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ" ان کی شان فرمائی گئی ہے کہ دنیا کے کاروبار کے باوجود زبان پر ذکر جاری دل میں اللہ کی یاد اور قیامت کے دن کا خوف اس کے برعکس ہمارے زمانے کے پیر صاحب حجروں میں مریدوں سے نذرانہ وصول کرتے بیٹھے رہتے ہیں جبکہ صحابہ کرام ایسے تھے کھیتی کرتے تھے کھجوروں کے باغ درست کرتے تھے جہاد کرتے تھے محنت کی زندگی گزارتے تھے لیکن "ذکر اللہ" سے غفلت نہ کرتے تھے۔ میرے بھائیو! ہمارا فرض ہے کہ صحابہ کرام کا طریقہ اختیار کریں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کریں۔ "اللہ کے ذکر" میں مشغول رہیں دل میں اس کی یاد ہو زبان پر اس کا نام ہو سب کام ہوں کاموں سے مقدم یہ کام۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے زندگی مبارک زندگی ہے جو اس کی یاد سے ہم کنار ہو۔

"وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین"

(خطبات مدنی)

دوسرا بیان

از شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریا سہارنپوریؒ

بعنوان.............................محبت نبوی ﷺ اور فضائل صحابہ کرامؓ

خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا کہ

علماء نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کی مختلف علامات لکھی ہیں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے یہی معنی محبت کے ہیں ورنہ محبت نہیں محض دعویٰ محبت ہے۔

پس حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کی علامات میں سب سے مقدم یہ نشان ہے کہ آپ ﷺ کا اتباع کرے آپ ﷺ کے طریقوں کو اختیار کرے اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی پیروی کرے آپ ﷺ کے احکامات کی بجا آوری کرے اور آپ ﷺ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے ان سے پرہیز کرے خوشی میں رنج میں تنگی میں ہر حال میں آپ ﷺ کے طریقے پر چلے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ "آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں بڑے رحم والے ہیں۔

ایک ضروری تنبیہ

اس آزادی کے زمانے میں جب ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رخ ہے وہیں حضرات صحابہ کرامؓ کی شان اور ان کے ادب و احترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں حالانکہ صحابہ کرامؓ دین کی بنیاد ہیں دین کے اول پھیلانے والے ہیں۔ ان

کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے دین حاصل کیا اور ہم تک پہنچایا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی تعظیم میں داخل ہے حضور ﷺ کے صحابہ کا اعزاز و اکرام کرنا اور ان کے حق پہچاننا اور ان کا اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا اور ان کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا اور ان کے آپس کے اختلافات میں لب کشائی نہ کرنا اور مورخین، شیعہ، بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اعراض کرنا جو ان حضرات کی شان میں تنقیص پیدا کرنے والی ہوں اور اس نوع کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی اچھی تاویل کرے اور کوئی اچھا محمل تجویز کرے کہ وہ اس کے مستحق ہیں اور ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کرے اور عیب کی باتوں سے سکوت کرے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ کا ذکر ہو (یعنی برائی کا) تو سکوت کیا کرو۔ صحابہ کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ:

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کرنے والے ہیں کبھی سجدہ کرنے والے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی عبدیت کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کی مثال یہ ذکر کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا (یعنی وہ کھیتی موٹی ہوگئی) پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ میں بھی اول ضعف تھا پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اس لئے یہ نشو و نما دیا) تاکہ ان کافروں کو حسد میں جلاوے۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اسی صورۃ میں دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

"تحقیق اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے (جو کہ آپ ﷺ کے ہمسفر ہیں) خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (خلوص وعزم)

تھا اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اطمینان پیدا کر دیا تھا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی (مراد اس سے فتح خیبر ہے جو اس کے قریب ہوئی) اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔"

یہی وہ بیعت ہے جس کو بیعت الشجرہ کہا جاتا ہے صحابہ کے بارے میں ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ: "ان مومنین میں ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے ہیں پھر ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں (یعنی شہید ہو چکے ہیں) اور بعض ان میں اس کے مشتاق و منتظر ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے) اور اپنے ارادے میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔"

اور فرمایا کہ: اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیروکار ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔" ان آیات میں اللہ جل شانہ نے صحابہ کی تعریف اور ان سے خوشنودی کا اظہار فرمایا اسی طرح احادیث میں بھی بہت کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "میرے بعد ابوبکر و عمر کا اقتداء کیا کرو" ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: "میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کا اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے" محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور اسی وجہ سے قاضی عیاض پر اس کے ذکر کرنے پر اعتراض ہے مگر ملا علی قاری (حنفی محدث) نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ تعدد طرق کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل اعتبار ہو یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کی ہو (کیونکہ فضائل میں معمولی ضعف کی روایتیں ذکر کر دیتے ہیں) حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہو سکتا"۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے۔ جو شخص ان

کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آ جائے"۔

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: "میرے صحابہ کو گالیاں نہ دیا کرو۔ تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ کے ایک مد یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا" اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جو شخص صحابہ کرام کو گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل"۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ان کو میرے صحابہ سے افضل قرار دیا ہے۔" ایوب سختیانیؒ کہتے ہیں کہ: "جس شخص نے ابوبکرؓ سے محبت کی اس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمرؓ سے محبت کی اس نے دین کے واضح راستے کو پالیا اور جس نے عثمانؓ سے محبت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ منور ہوا اور جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے دین کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو صحابہ کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بری ہے اور جو صحابہ کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق سنت کا مخالف ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو یہاں تک کہ ان کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو"

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "اے لوگو میں ابوبکر سے خوش ہوں تم لوگ بھی اس کا مرتبہ جانو۔ میں عمرؓ سے، عثمانؓ سے، علیؓ سے، طلحہؓ سے، زبیرؓ سے، سعدؓ سے، عبدالرحمن بن عوفؓ سے اور ابو عبیدہؓ سے خوش ہوں تم لوگ ان کا مرتبہ جانو۔ اے لوگو! اللہ جل شانہ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی اور حدیبیہ کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی مغفرت فرما دی۔ تم میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں ہیں یا میری بیٹیاں ان کے نکاح میں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت میں تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا۔"

ایک جگہ ارشاد ہے کہ: "میرے صحابہ اور میرے دامادوں میں رعایت کیا کرو۔ جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت کرے گا اللہ جل شانہ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت فرمائیں گے

اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ بری ہیں کیا بعید ہے کہ کسی گرفت میں آ جائے۔"

حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ: جو شخص صحابہ کے بارے میں میری رعایت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا محافظ ہوں گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ: "جو میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت رکھے گا وہ میرے حوض کوثر کو پہنچ سکے گا اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس میرے حوض تک نہیں پہنچ سکے گا اور مجھے دور ہی سے دیکھے گا۔"

سہیل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور ﷺ کی تعظیم نہ کرے وہ حضور ﷺ پر ایمان نہیں لایا۔" اللہ جل شانہ اپنے لطف و فضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو اور میرے محسنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو، میرے تلامذہ کو اور سب مومنین کو محفوظ رکھے اور ان حضرات صحابہ کرام کی محبت ہمارے دلوں میں بھر دے۔ آمین یا رب العالمین۔

"و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین"

[اکابر کا خطبات سواتی]

تیسرا بیان

ازامام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

بعنوان.............................دعوت حفظ ایمان

"حامداً ومصلیا ومسلما السلام علیکم یا اھل السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بحیثیت ایمان واسلام واخوت دینی اور امت مرحومہ محمد یہ ﷺ کے اعضاء ہونے کے کل اہل اسلام خواص کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہا گرچہ قسم قسم طرح طرح کے حوادث اور واقعات اس دین ہادی پر وقتاً فوقتاً گزرتی ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ آخری پیغام خدائے برحق کا یہ ہے کہ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" ترجمہ..... آج کے دن میں نے دین تمہارا کمال کو پہنچایا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام پر ہی تمہارا دین ہونے کے لئے راضی ہوا۔

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا" نہیں محمد باپ کسی کے تمہارے مردوں میں سے لیکن ہیں رسول خدا کے اور خاتم پیغمبروں کے اور خدا ہر چیز کا اچھے امور میں سے عالم ہے۔ اور اس کے قطعی الدلالت ہونے پر بھی امت محمدیہ کا اجماع منعقد ہو گیا۔ اور ختم نبوت کا عقیدہ دین محمدی کا اساسی اصول قرار پایا۔ اور جس امت نے ہم تک یہ آیت پہنچائی اسی امت نے یہ مراد بھی پہنچائی اور اسی دعویٰ پر مسیلمہ کذاب اور اسود کذاب کو قتل کیا اور بڑا کفر دونوں کا یہ دعویٰ قرار دے کر کذاب مشتہر کیا۔ اور باقی جرائم کو کذاب کے ماتحت رکھا۔ مگر پھر بھی بحکم حدیث نبوی بہت سے دجالوں نے نبوت کے دعوے کئے۔ اور ان کی حکومتیں بھی رہیں اور بالآخر واصل جہنم ہوئے۔ ہمارے اس منحوس زمانے میں جو

رواداری بھی برتی ہے۔ وہ خطرے میں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی معمولی بات ہے۔ بلکہ ایک چھوٹی پیغمبری سے ایک بڑی پیغمبری قادیانی میں تحویل ہوتا ہے۔ اور جس کا جی چاہے ان عقائد ملعونہ قادیانی کا ثبوت ہم سے لے۔ اور اس شدید وقت میں کہ دلن کو بے خبر کر کے ایمان پر چھاپہ مارا گیا ہے۔ کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔

جن حضرات نے اس احقر سے حدیث شریف کے حرف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کر جائیں۔ اور کلمہ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت وارشاد میں شرکت فرمائیں۔ جس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تواس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا۔ اور اب تک ایمان اور کفر کا فرق ہی معلوم نہیں اور نہ کوئی حقیقت فیصلہ ایمان کی ان کے ذہن میں ہے۔ اور یا کوئی مصلحت دنیاوی دامن گیر ہے۔ ورنہ اسلام کوئی نسبی اور نسلی لقب نہیں ہے۔ جیسے یہود اور ہنود کہ زائل نہ ہو۔ اور جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے پس وہ قوم نسبی لقب یا ملکی وشہری نسب کی طرح لاینفک رہے بلکہ عقائد اور عمل کا نام ہے۔ اور ضروریات قطعیہ اور متواترات شرعیہ میں کوئی تاویل یا تحریف بھی کفر وانکار ہے۔ جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شرعی کا انکار کر دے وہ کافر ہے۔ خواہ کتنا بہت سے کام اسلام کے کرتا ہو۔ "ان اللّٰہ لیوید الدین بالرجل الفاجر" اسی میں وارد ہوا ہے حق تعالیٰ سب کو صحیح علم اور صحیح سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے آمین۔

انتباہ

آخر میں یہ عاجز بحیثیت رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کشمیر کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ قادیانی عقیدہ کا آدمی علماء اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔ لہٰذا حکومت کشمیر جمیع اہل اسلام اور مذہب حنفی کی اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے قادیانیوں کی بھی اسکولوں اور محکموں میں شرکت ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے۔

(انجمن نوخطبات کانفرنس)

چوتھا بیان

از رئیس المحدثین حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ

بعنوان .... سیرت نبی ﷺ

خطبہ مسنونہ کے بعد رئیس المحدثین حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی قدس سرہ نے فرمایا: قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت اور رسالت آخر میں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں ہی محدود ہوگئی تھی چنانچہ بعد میں جو نبی آیا ان ہی کی اولاد میں آیا۔ آپ کے دو فرزند تھے اسحاقؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں کا تذکرہ توراۃ میں موجود ہے، حسب بیان توریت حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں صرف ایک ہی نبی کی بشارت تھی۔ حضرت خلیلؑ جب بناء بیت اللہ سے فارغ ہو چکے تھے تو انہوں نے حضرت اسمٰعیلؑ (جو بناء بیت اللہ میں ان کے شریک تھے) کی اولاد کے حق میں ایک رسول مبعوث ہونے کی دعا فرمائی تھی جو کہ بلدہ مبارکہ میں پیدا ہو جہاں انہوں نے خدا تعالیٰ کا گھر تعمیر فرمایا تھا۔

چنانچہ دعائے ابراہیمی کے مطابق آپ ﷺ تشریف لائے نسبت میں سب سے عالی، حسب میں سب سے برتر، اپنے عہد طفولیت ہی سے ہمیشہ ممتاز سیرت، ممتاز صورت، بذات وشکل میں قوم سے علیحدہ، عبادات ورسومات میں ان سے الگ، لہو ولعب سے مجتنب، شرب وخمر سے متنفر، صدق وصفا، احسان وسلوک سے مزین، ظلم وعدوان اور جملہ فواحش سے کوسوں دور، جنگ وجدل سے نفور، مال وجان کی محبت سے بالاتر، عدل وانصاف کے شہزادے، غرض جملہ اخلاق فاضلہ سے محلی اور جملہ اخلاق رذیلہ سے معری، جوانی میں عصمت وعفت کے فرشتے، پیری میں وقار ورعب کے پیکر، بال بال سے حسن ٹپکتا، کلمہ کلمہ سے پھول جھڑتے، روئیں روئیں سے فہم وفراست

چکتی، غصہ اور محبت اور جدال و ہزل سے یکساں حق کو ملحوظ و مرکز کرنے والے مخلوق خدا کے سب سے بڑے امین، عہد و پیمان کے سب سے سچے، سب سے زیادہ راست گو، سب سے بڑھ کر امانتدار، لطف یہ کہ خود امی اور قوم بھی سب امی، تورات و انجیل کو آپ ﷺ جانتے نہ آپ ﷺ کی قوم جانتی، نہ کسی سے کوئی حرف پڑھا، نہ اہل علم کے پاس نشست و برخاست رکھی، اور مشرکین عرب سب ہی آپ کی ان صفات کے معترف۔

اسی حالت میں چالیس سال گزرے، کبھی نبوت کا ایک حرف زبان سے نہ نکلا، جب عمر چالیس سال کو پہنچی تو ایک عجیب و غریب دعویٰ کیا جس سے نہ ملک آشنا، نہ باپ دادا آشنا، اور ایک ایسا کلام لوگوں کے سامنے پیش کیا جو آج تک نہ کسی نے سنا اور نہ آئندہ اس کی نظیر ممکن ہے، مختلف تمادیہ سب اس کے سامنے سرنگوں، نہ الہیات و عقلیات میں کوئی اس کے ہم پلہ، سیاسیات و معاشیات میں کوئی اس کا ہمسر، اسرار کا مخزن، علوم کا سمندر، قصص و امثال و نصائح وغیرہ کا دریا، طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرنے والے، بھلائی کا حکم دینے والے، اور برائی سے روکنے والے، کوئی بھلی چیز ایسی نہ تھی جس کو عقول سلیمہ بھلا جانتی ہوں مگر اس سے روک دیا ہو، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جس کا آپ حکم دیں ان کے لئے طبائع سلیمہ کی خواہش یہ ہو کہ آپ اس کا حکم نہ دیتے اور نہ کبھی اس بات سے روکا جس کے متعلق طبائع سلیمہ کی تمنا یہ ہو کہ آپ نہ روکتے۔

اس پر ریاست و سرداری سے بیزار، دشمنوں اور مخالفوں سے لاپروا، احباب و انصار سے بے نیاز، نہ ہاتھ میں کوئی دولت، نہ پشت پر کوئی طاقت، نہ قبضہ میں کوئی ملک و خزانہ، زر کی کوئی دولت نہیں جو قدموں میں نہ ڈال دی گئی ہو اور آپ ﷺ نے اسے ٹھکرا دیا ہو، جس وقت جلا وطنی، حتیٰ کہ قتل کی کوئی تدبیر اٹھا کر نہیں رکھی گئی جس کو پورا نہ کیا گیا ہو، مگر آپ ﷺ دشمنوں کے جھرمٹ میں اسی طرح خدا کے دین کو بے خوف و ہراس منادی کو چوں میں، بازاروں میں، ایام حج میں کوئی جگہ نہ چھوڑی جہاں تبلیغ کا اعلان نہ کر دیا، تنہائی میں بھی اور محفلوں میں بھی، عوام میں بھی اور خواص میں بھی، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے دین کو قبول کرنے کے لئے کسی کو قتل کی دھمکی دی ہو یا کسی قسم کا طمع لالچ دیا ہو۔

تیرا سال اسی طرح گزار دیئے، نہ ساز و سامان اور نہ کوئی یار و مددگار، مگر دل میں کسی کا خوف

حضرت علیؓ اور صاحبزادگان اطہار کا کیا پوچھنا کس مظلومیت میں دین پر جانیں دیں اور حق کی خاطر بھی قربانی کی جو مثالیں قائم کیں وہ دنیا میں ہمیشہ کے لئے اپنی یادگار رہیں گی۔

حضرات! امت پر نظر کیجئے تو وہ امت جس کی دین داری، بے ذوقی اور بے علمی بھی مدتوں تک ضرب المثل رہی اپنے مذہب کے سچے بڑے نگران اور اپنی سماوی کتاب کے بلکہ اپنے رسول ﷺ کے حرف حرف کے بھی ایسے محافظ جس پر جہاں ششدر رہ گیا ان سے قبل نہ اس کی کوئی مثال بن سکی ہے نہ ان کے بعد ممکن ہے، حکمرانی میں وہ ایسے ممتاز کہ صدیوں تک اطراف عالم پر حکمران رہے، رعایا میں یگانہ و بیگانہ سب یکساں اور اپنی پستی میں بھی ایسے بھاری کہ ان سے خائف قوموں نے جتنا ان کو مٹایا اتنے ہی وہ ابھرے، الغرض اس دور پستی میں بھی ان کی دھاک کہ عالم کفر کو اگر کچھ خطرہ ہے تو صرف ان سے ہے، گویا کوئی طریقہ عدل و انصاف کا نہیں کہ جس کسی قوم پر نظر ڈالی جائے تو صرف اس کے انحطاط کی ہی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، دیکھنا یہ ہے کہ اس دور عروج کی تاریخ دیگر اقوام کے بالمقابل کیا تھی؟

اب آپ حضرات اس رسول مقبول ﷺ کی یہ اجمالی صفات اور ان کی آمد کی عظیم انقلابات سامنے رکھ کر خود ہی فیصلہ فرما لیجئے کہ نبوت کیا ہے اور انبیاء کیا ہوتے ہیں اور ان میں افضل الرسل اور خاتم النبیین ﷺ کا مقام رفیع کیا ہے؟

"اللهم صل علیه وسلم آله واصحابه اجمعین"

(خطبات حکیم)

پانچواں بیان

از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

بعنوان...اسلام اور سائنس

بعد الحمد والصلوۃ: آج کل بعض یورپین حضرات اور ان کے ہمنواؤں کا خیال ہے کہ اسلام اور سائنس میں تضاد ہے حالانکہ اہل انصاف محققین یورپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جس وقت یورپ وحشت اور بربریت کا شکار تھا اس وقت قرطبہ اور بغداد سائنس کی عروج پر تھے درسگاہیں قائم کی جارہی تھیں طباعت وطبعیات میں مسلمان ترقی کر رہے تھے ریاضی اور ہیئت میں نئی صورتیں پیدا کی جارہی تھی۔ الجبرا مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ہوائی جہاز بھی غبارے کی شکل میں مسلمانوں نے ایجاد کیا، شمسی مہینوں کو موسم کے ساتھ موصوف کر دینا کسی مہینے کو ۲۸ دن کبھی ۲۹ دن کا قرار دینا اور جس طرح شمسی مہینوں کو موسم کے مطابق کر دینا مسلمانوں ہی کا کام تھا۔ گھڑی گھنٹہ مسلمانوں نے ایجاد کیا خلیفہ ہارون الرشید کا گھنٹہ اب تک پیرس میں موجود ہے جو خلیفہ اسلام نے شاہ فرانس کو بطور تحفہ بھیجا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے باغ میں سونے کی چڑیاں درختوں پر بٹھائی گئی تھیں، جب خلیفہ باغ میں تشریف لاتے تو بٹن دبانے سے سب چڑیوں کے منہ سے "ادخلوها بسلام آمنین" کی آواز نکلتی تھی گویا ریڈیو بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے بندوق سب سے پہلے سلطان بابر کے ہاتھ میں دیکھی گئی، قلعہ شکن توپوں کی نظیر منجنیق مسلمانوں نے ایجاد کی تھی۔ ڈاک کا انتظام بھی اس وقت سے اچھا تھا۔ حجاج بن یوسف نے تین دن میں ایک منجنیق جس کا نام عروس تھا کوفہ سے کراچی پہنچادی تھی۔ گھوڑوں کی ڈاک سے وہ کام لیا گیا جو آجکل ریلوں سے بھی نہیں ہوسکتا کبوتر ڈاک اس سے بھی زیادہ تیز رفتار تھی۔ غرض جس زمانہ میں یورپ سائنس دانوں کو سولی پر چڑھا رہا تھا یا آگ میں جلا رہا تھا اس وقت مسلمان سائنس میں برابر ترقی کر رہے تھے۔

بحری جہاز کو اس وقت آج سے بہتر تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے ان ہی جہازوں سے تمام دنیا کو ڈھونڈ ڈالا تھا۔ وہاں پہنچے جہاں اب تک یورپ کے بحری جہاز نہیں پہنچ سکے۔ ابن خلدون بحر منجمد شمالی تک پہنچ گیا جس کا اب تک اہل یورپ کو پتا نہیں چلا۔ امریکہ کی دریافت کا سہرا بھی عربوں کے سر ہے۔ وہ کولمبس سے پہلے امریکہ پہنچ گئے تھے۔ یورپین مسلم حامد شیلڈرک نے لندن میں اپنی تقریر میں یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ جب کولمبس کا جہاز امریکہ پہنچا تو وہاں ایک بستی میں عرب آباد تھے۔ جو عربی بولتے تھے۔ یورپ نے اس حقیقت پر پردہ ڈال کر کولمبس کے سر پر امریکہ کی دریافت کا سہرا باندھ دیا۔ کیمیا اور طب مسلمانوں کی معلومات اور ایجادات سے یورپ نے سبق لیا۔ ریاضی، ہندسہ، حساب میں بھی ان کی رہنمائی کے محتاج ہوئے، چنانچہ ان علوم کی بعض اصطلاحات اب تک عربی ہی میں بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: "اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض وما خلق اللہ من شیء" "کیا یہ لوگ آسمانوں اور زمینوں کی مملکت میں غور نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء پیدا کی ہیں ان کو نہیں دیکھتے۔" قرآن پاک میں "ملکوت السموات والارض" میں غور کرنے کی بار بار تاکید ہے۔ اور اس کا بھی تذکرہ ہے کہ حضرت سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ "غدوها شهر ورواحها شهر" جو ان کو ایک ایک مہینے کی مسافت پر صبح کو اور ایک مہینے کی مسافت پر شام کو لے جاتی اور پہنچاتی تھی۔ حضرت داؤد کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لئے آج سے اچھا ہوائی جہاز اور آج سے اچھا راکٹ بنا دیا تھا۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے براق کو مسخر کر دیا کہ مکہ سے شام اور وہاں سے آسمانوں پر عرش تک لے گیا۔ "سبحان الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حوله لنریه من آیاتنا انه هو السمیع البصیر. ولقد رآه نزلة اخری عند سدرة المنتهی اذ یغشی السدرة ما یغشی لقد رای من آیات ربه الکبری" ہمارے نبی اکرم ﷺ اتنی فضا کے اندر زمین و آسمان کے درمیان میں بہت دور تک تشریف لے گئے ہیں، جہاں تک سائنس دان نہیں پہنچ سکے اور ابھی تک تو چاند پر ہی جا کر پہنچے۔

الغرض اسلام سائنس کا مخالف نہیں بلکہ "ملکوت السموات والارض" میں غور کرنے

اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام سائنسی مشاہدات کا مخالف نہیں ہے سائنس دانوں کے ان نظریات کا مخالف ہے جو اپنی عقل سے پیدا کرتے ہیں مثلاً یہ کہ دنیا کا دارومدار نظام شمسی پر ہے اور نظام شمسی خود ہی چل رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نہیں یا جملہ اجسام کی بنیاد مادہ اور صورت یا اجزاء "دیمقراطیسی" پر ہے اور یہ قدیم ہیں خدا کے بنائے ہوئے نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان نظریات کی بنیاد مشاہدہ پر نہیں بلکہ اپنی عقل فہم پر ہے۔ اسلام سائنس کی تائید اس درجہ میں کرتا ہے کہ اس سے خالق کائنات کی حکمت وعظمت علم وقدرت اور وحدت کا سبق لیا جائے انبیاء کے لئے ہوا یا براق کو اسی لئے مسخر کیا گیا تھا کہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھیں۔ اور مخلوق کو اس سے آگاہ کریں۔ اگر سائنس سے یہ کام لیا جائے۔ اور طبیعیات وفلکیات کے مشاہدوں سے اپنی اقتصادیات اور فوجی طاقت میں ترقی کی جائے تو اسلام اس سے نہیں روکتا۔ البتہ سائنس دانوں کے من گھڑت نظریات پر یقین کرنے سے ضرور روکتا ہے کیونکہ اس کا مدار ان کی عقل وفہم پر ہے مشاہدے پر نہیں اس لئے ان سب چیزوں کو ثانوی درجہ پر رکھتا ہے۔ اول درجہ میں عقائد وعبادت واخلاق وروحانیات کو قرار دیتا ہے کہ انسانیت کی ترقی اسی سے ہے۔ آپ ہوا میں اڑنے لگے تو پرندے آپ سے زیادہ کامیاب ہیں پانی پر چلنے لگے تو سمندری جانور اس میں آپ سے زیادہ ماہر ہیں۔ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ اس کو عقائد وعبادات واخلاقیات وروحانیات کا صحیح علم حاصل ہو۔ ورنہ اور جتنے بھی کام ہیں ان میں جانور انسانوں سے کم نہیں بلکہ دو قدم آگے ہی نظر آئیں گے اس سائنسدان کی عقل پر افسوس ہے جو دنیا بھر کے حالات سے واقف ہے مگر خود اپنے سے واقف نہیں اگر وہ اپنے اندر غور کرتا تو نظر آتا کہ ان چاند سورج سے آگے جہاں اور بھی ہیں جو اس کو اپنی روح اور قلب کی گہرائیوں میں نظر آئیں گے۔

آسمان ہاست در ولایت جان .... کار فرمائے آسمان جہان

غیب را ابرے وآبے دیگر است .... آسمانے وآفتابے دیگر است

اگر انسان اپنے سے واقف ہو جائے اور اپنے اندر نظر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے سرفراز ہو جائے اور اس کے بعد دنیا بھر کی عجائبات پر نظر رکھنے سے مستغنی ہو جائے۔

([illegible])

چھٹا بیان

از حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی

بعنوان..............................اتحاد

"واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا قال علیہ السلام کونوا عباد اللّٰہ اخوانا افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان ولیس وراء ذالک حبۃ خردل من الایمان۔ المومن لیس بجبان اعوذ باللہ من الجبن۔"

مدت کے بعد یہ اجتماع ہوا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے علماء مشائخ طلباء وکلاء اور عوام اس میں شریک ہیں۔ سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

آواز آرہی ہے کہ منظوری میں دیر نہیں، گھنٹے کی دیر ہے دینے میں دیر نہیں ہے چونکہ وعدہ دے رہے ہیں مگر ہم نے ناخن چھوڑ دیا ہے۔ ابھی کئی حضرات نے تقاریر کرنی ہیں۔ وقت کی بھی پابندی ہے۔ یعنی دس منٹ میں مجھے کچھ کہنا ہے۔ جب کہ اتنے مختصر وقت میں ایک حدیث بیان کرنی مشکل ہے بہرحال اجمالاً عرض کردوں کہ اللہ نے یہ ملک ہمیں اس وعدے پر دیا کہ اس میں اسلامی آئین نافذ کردیں گے تم سب مانتے ہو کہ یہی وعدہ تھا۔ (عوام نے اقرار کیا) لیکن حالت یہ ہیں کہ ۳۸ سال گزرنے کے باوجود جو بھی اقتدار پر آیا تو اس نے اسلامی آئین نافذ کیا اور نہ اسے اپنانے کا ارادہ کیا۔ گویا اس خبر کو آگے ٹال گئی ہے جیسے چراغ سے والا معاملہ ہوگیا۔ کس کس چیز کو بیان کروں۔ جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ دونیم ہوگیا۔ اسلام اب پکار رہا ہے کہ۔

کہتا ہے اسلام فریاد کرکے .... مجھے کب چھوڑیں گے آزاد کرکے

ان سب کے باوجود ہمیں ناامیدی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اب

نے جو جدا تھے اکٹھا کر دیا۔ سب کہو الحمد للہ۔ میں نے آیت بھی اسی مناسبت سے پڑھی ہے۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور اختلاف نہ کرو۔

آؤ آج عہد کرو کہ اسلامی آئین نافذ کرانے، ظلم کو مٹانے، بے انصافی کرنے والوں کو ہٹانے کے لئے محمد کریم ﷺ کے غلام مل کر کوشش کرنے کو تیار ہیں۔ ("انشاء اللہ" سب نے اقرار کیا) اگر تم لوگ پکا ارادہ کر لو اور مصائب کو برداشت کرنے کا عزم کر لو نیز اپنے دل میں دین مصطفیٰ ﷺ کی تڑپ پیدا کر لو۔ سرحد و بلوچستان اور کشمیر میں ہونے والے مظالم کا ازالے کا جذبہ پیدا کر لو اور حق والوں کو حق دلانے کا عزم صمیم کر لو۔ تو رب کعبہ کی طرف سے آواز آ رہی ہے۔ "نصر من اللہ وفتح قریب"۔

جہاں تک بجلی بند کر کے اور قید وغیرہ میں ڈال کر ڈرانے کا تعلق ہے۔ یہ امر محال ہے۔ تم ہماری بجلی بند کر سکتے ہو۔ دین مصطفیٰ ﷺ کی روشنی نہیں بجھا سکتے نعرہ ہائے تکبیر کہنے والے اندھیروں میں بغیر لاؤڈ سپیکر کے بھی کہیں گے۔ حق قید میں بھی کہا جائے گا اور اس وقت تک کہا جائے گا۔ جب تک ظالم کا ظلم ختم نہیں ہو جاتا۔

(نعرہ ہائے تکبیر) نعروں کا وقت نہیں کام کرنے اور دین پر مر مٹنے کا وقت ہے۔ اپنا فرض پہچانو۔ "جاھدوا فی اللہ حق جہادہ"۔

یہ اتحاد اللہ کی نعمت ہے اور نعمت پر شکر کرو تو اس میں فائدہ ہوگا۔ "لئن شکرتم لازیدنکم"۔ جب مجھے یہاں آنے کا کہا گیا تو کہا مختصر ہی سہی شرکت کر لو۔ میں نے سوچا کہ کچھ کہہ بھی دوں زندگی کا پتہ نہیں۔ اسی غرض سے یہ چند جملے کہے اور بار بار اتحاد، عزم راسخ کی طرف توجہ دلاتا ہوں نیز یہ کہ مصائب پر گھبرانا نہیں۔ یقین کامل کے ساتھ قدم بڑھاؤ گے تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ حدیبیہ میں پینے کے لئے اور وضو کے لئے پانی تک نہ تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ پانی کہیں سے لاؤ پیالہ لایا گیا جو اتنا مختصر تھا کہ اس میں ہاتھ ڈبونا مشکل تھا۔ لیکن بقول حضرت جابرؓ آپ ﷺ نے اس میں انگلی رکھ دی تو فرماتے ہیں۔

"رایت فوارتین من اصابع رسول اللہ" یعنی آپ ﷺ کی انگلیوں سے فوارے پھوٹ رہے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ھلموا بطھور المبارک"۔ پاک پانی کی طرف

آئے۔ چنانچہ سب نے پانی پیا بھی اور وضو بھی کیا" کم کنتم یومئذ " اس دن کی تعداد کیا تھی؟ فرمایا" لو کنا مائة الف لکفانا" اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو کافی ہوتا۔ بہرحال ہم پندرہ سو تھے۔

اس واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ مصائب مشکلات میں عزم وہمت سے کام لیا جائے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت سفینہؓ کا واقعہ ہے۔ جنگل میں گئے تو شیر آیا۔ لیکن آپ نے دولت یقین کے ساتھ فرمایا:" انا سفینة غلام رسول اللہ ﷺ "۔

یہ سن کر شیر نے گردن جھکا دی۔ آپ اس پر سوار ہو گئے وہ کہہ رہا تھا۔" انا غلام غلام رسول اللہ ﷺ " الغرض عزم راسخ ہو، اللہ پر اعتماد و یقین ہو تو قدرت دستگیری فرماتی ہے۔ اس لئے فوج غنیم زور اقتدار سے گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ مددگار ہے۔ آخر میں بطور اشارہ دو جملے دوں بخاری شریف میں ہے۔

"حین القی ابراهیم فی النار قال حسبی الله ونعم الوکیل۔ " ان کا یہ پڑھنا تھا کہ آگ گلزار میں تبدیل ہوگئی اور میرا یقین ہے کہ اگر آگ جناب ابراہیمؑ پر گلزار بن سکتی ہے تو غلامانِ محمد ﷺ پر بھی ظلم کی آگ ضرور ٹھنڈی ہو سکتی ہے۔" والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ"

(یہ تحریر 1975ء کی ہے۔ جسے ہم نے "خطبات کاظم" سے نقل کیا ہے)

ساتواں بیان

از شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ

بعنوان .... درس قرآن

خطبہ مسنونہ

"والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر صدق اللہ مولنا العظیم"

سورۃ عصر کی ہے۔ یہ بہت چھوٹی ہے۔ لیکن قرآن کی چھوٹی چھوٹی صورۃ بھی انسان کی نیک بختی اور سعادت کے لئے کافی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی صورت نازل نہ ہوتی تو انسان کی سعادت کے لئے یہی کافی تھی۔ اس میں بڑا راز ہے وہ یہ کہ اس میں جو مضمون ہے وہ ''اصول ترقی وتنزل'' کے متعلق ہے لیکن ترقی ایک خالق کائنات کے نزدیک ہے اور ایک ترقی چودھویں صدی کے نزدیک ہے۔ خالق کائنات نے جو اصول بیان فرمایا اس سورۃ میں وہ قدرہ ہے۔ میرے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ ترقی کے معنی ہیں "بڑھ جانا" جیسے بچے اور درخت بڑھ جاتے ہیں۔ میں نے کہا کسی کے پاؤں پر پھوڑا نکل آئے اور وہ بڑھ جائے تو آپ اس کو ترقی کہیں گے؟

یہ تنزل ہے ترقی نہیں۔ کیونکہ اس میں گندہ مادہ جمع ہوگیا ہے اس کے علاج کے لئے ڈاکٹر کو بلایا جاتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ جو قدرتی صحت سے بڑھ رہا ہے وہ ترقی ہے اور اگر گندہ مادہ ہے تو تنزل ہے۔ امریکہ اور روس میں بھی گندے مادے والے ہیں۔ بہت پھولے ہوئے حتیٰ کہ سمندر میں آبادی کے لئے کوشاں ہیں، قدرت نے ان کے گندے مواد کے لئے ان کا علاج بھی فرمایا کہ

کبھی کبھی ان میں جنگ چھڑ جاتی ہے اور ان کا آپریشن ہوجاتا ہے۔ 14ء، 18ء میں ان کا
بہت خون نکلا۔ موسیٰ ایک لاٹھی لے کر فرعون کی طرف آئے ۱۳۵ لاکھ فٹ کی عمارت ہوگئی، کیا فرعون یہ
ترقی کر رہا تھا۔

اس سورۃ "والعصر" میں خالق کائنات نے ترقی کے معنی بیان فرمائے، چار کمالات جن
میں موجود ہیں وہ ترقی پذیر ہیں۔ نمبر(۱) ایمان، نمبر(۲) اعمال، نمبر(۳) دعوۃ، نمبر(۴) صبر۔ زمانہ کا
لفظ بھی اسی میں لایا گیا اور اس کی قسم کھائی، یہ قسم ہماری طرح نہیں ہے۔ مخلوق کی قسم استدلالی ہے
تعظیمی نہیں۔ یہ علم الٰہی کی قسم ہے قسم کے معنی "تاکید مضمون بالسند والدلیل" اب مطلب ہوا کہ
"اگر یہ مضمون تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تو خاص زمانہ اس پر گواہ ہے۔ دنیا کا زمانہ، آخرت کا زمانہ، قبر
کا زمانہ، دنیا کا کارخانہ حضور ﷺ کے زمانے سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ تیرہ سال مکہ کے اور دس سال مدینہ
کے ان پندرہ سال کے اندر ۳۱۳ لوگ مسلمان ہوئے، حضور ﷺ نے ان کے ذمے کام لگایا۔
"وتواصوا بالحق" کہ ایمان امانت ہے اس کو پھیلانا پڑے گا۔ اور جب اس کو پھیلاؤ
گے تو اس کے دشمن بھی ہیں تو اس وقت صبر واستقلال کی ضرورت ہے۔
"وتواصوا بالصبر" محاذ حق میں یہ چار کمالات تھے۔ ایمان، اعمال صالحہ، تواصی بالحق،
"تواصی بالصبر" مخالف ان چار کمالات سے عاری تھے۔ اسی وجہ سے ۳۱۳ سے
شکست کھا گئے، "زمانہ" سے (عصر سے) نبی ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ اب یہ ۳۱۳ مسلمان
پھیلتے کروڑوں ہوگئے۔ ایک چنگاری تھی اب سورج بن گئی۔ بس تمہیں جہاں راستے ملے گھوڑے
دوڑا دو تم خدا کے ہو جاؤ خدا تمہارا ہو جائے گا۔

"لفی خسر" عربی میں تجارت کے نقصان کو "خسر" کہتے ہیں۔ اس میں ہماری زندگی
کے ایک بڑے راز پر آگاہ کیا گیا ہے کہ دنیا تجارت گاہ ہے اور ہر انسان یہاں تجارت کے لئے آیا
ہے۔ کل آل آدم تاجر ہیں۔ تجارت میں چند باتیں لازمی ہیں۔ نمبر(۱) تاجر، نمبر(۲) سرمایہ،
نمبر(۳) دلال (بتلانے والا . یعنی ایک رہنما جو تجارت کے نفع و نقصان کی خاص شکل بتا
دے) نمبر(۴) متاع تجارت، نمبر(۵) نقل (ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان لے
جانا) نمبر(۶) منڈی۔

آٹھواں بیان

از استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحبؒ

بعنوان.......................دنیا دار مجاہدہ اور آخرت دار مشاہدہ ہے

"اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللّٰہ لمع المحسنین۔ "

ترجمہ: اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سجھا دیں گے ان کو اپنے راستے اور بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے۔

جو اللہ کو راضی کرنے کے لئے مجاہدہ کرتے ہیں ایک ہے مجاہدہ اور ایک ہے مشاہدہ یہ سارا عالم دنیا مجاہدہ ہے اس میں اس لئے انسان پیدا کیا گیا کہ یہاں زندگی گزارے مجاہدہ کرتا رہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: "اشد الناس بلاء" الانبیاء ثم الامثل فالامثل"۔

ترجمہ: سب سے زیادہ لوگوں میں سے آزمائش کے لحاظ سے انبیاء ہیں پھر جو ان جیسے ہوں پھر جو ان جیسے ہوں۔

انبیاء کو خلوت میں جلوت میں اتنی مشقت کرنی پڑتی ہے کہ اتنی کسی کو نہیں اسی واسطے نبی کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ سب سے زیادہ ہوتی ہے حتیٰ کہ بخار ہو تو وہ بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے لوگ بہت محنت کرتے ہیں مگر وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں محنت نہیں کرتے تو یہ عالم ہے عالم مجاہدہ اس کے بعد ہوگا مشاہدہ یہ قیامت میں ہوگا یعنی جو اس نے دنیا میں کمایا اس کا دیا ہوا پھل دیکھے گا اس کی مثال کھیتی کی ہے یہاں جو بوئے گا آخرت میں وہی کاٹے گا۔ حدیث میں ہے کہ:

"الدنیا مزرعۃ الاخرۃ" ۔ ترجمہ..... دنیا آخرت کے لئے کھیتی ہے۔ (تو دنیا جو ہے دار مجاہدہ ہے اور آخرت دار مشاہدہ ہے۔) حضور ﷺ فرماتے ہیں: "المجاھد من جاھد نفسہ"۔

ترجمہ ..... بڑا مجاہدہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے

اس واسطے سب بزرگوں نے محنت کی صرف اس واسطے کہ اللہ راضی ہو جائے اس میں نفس کو ضبط کرنا ہوتا ہے ہر جگہ شریعت کو دیکھے کہ شریعت کیا چاہتی ہے اس وقت شریعت پر چلنا مجاہدہ ہے۔ حضرت علیؓ ایک کافر کو قتل کرنے کے واسطے اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے اس نے منہ پر تھوک دیا تو حضرت علیؓ نے چھوڑ دیا لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا تھوک دینے کے بعد اس مقابلہ میں نفس کی آمیزش ہوگئی تھی خالص رضا نہ رہی تھی۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ ایک بزرگ ہیں انہوں نے دیکھا کہ دس مٹکے شراب کے بادشاہ کے واسطے آئے ہیں تو نو مٹکے توڑ دیئے ایک چھوڑ دیا دسواں اس واسطے نہیں توڑا کہ اس میں نفس کی آمیزش ہوگئی تھی دسویں پر خیال آ گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ اس نے دسوں کے دس مٹکے توڑ دیئے اور حضرت باقی باللہؒ کو کئی دن سے فاقہ تھا ایک شخص کھانا پاس لے آیا تو قبول نہ فرمایا کہا کہ اشراف نظر ہوگیا تھا وہ شخص بڑا سمجھدار تھا اس وقت تو کھانا لے گیا تھوڑی دیر کے بعد دوسری جانب سے پیچھے سے آ کر سامنے رکھ دیا کہا کہ اب تو اشراف نظر نہیں ہے تو حضرت نے قبول فرمایا تو ان حضرات نے مجاہدہ کیا ہر ہر قدم پر شریعت کو دیکھا اگر آدمی ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرے عبادت ہے حتی کہ پاخانہ کرنا بھی عبادت ہو جاتا ہے۔

جب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی تو اس وقت ستر ہزار مسلمان جنت بغیر حساب و کتاب کے جائیں گے اور ستر ہزار کافر دوزخ میں بغیر حساب کتاب کے جائیں گے بعض مسلمان گناہ گار ہوں گے اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ تم نے یہ گناہ کئے تھے وہ اقرار کریں گے اور اللہ ان سے خوش ہوگا اور معاف کر دے گا اور بعض انکار کریں گے تو اس وقت "الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون"

ترجمہ ..... آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے پھر حضور ﷺ تشریف لائیں گے وہ عرض کریں گے "وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا"

ترجمہ ..... اور رسول کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا۔

اس آیت کے نیچے تفسیر ثعالبی میں ہے کہ اس وقت انسان دس حالتوں پر ہوں گے اور ہر ایک اس حالت پر چلے گا جو اس کی حالت دنیا میں تھی ایک آیت آئی ہے" یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا"

ترجمہ... یعنی جس دن صور پھونکا جاوے گا پھر تم لوگ گروہ در گروہ آؤ گے۔

حضرت معاذؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ لوگ کیسے فوج فوج آئیں گے تو حضور ﷺ کے آنسو آگئے اور فرمایا کہ ہم لوگ دس صورتوں میں اٹھیں گے۔ نمبر(۱) تمام بندر کی شکل میں نمیمہ اور غیبت میں فرق ہے غیبت یہ ہے کہ یوں کہے فلاں یوں کہتا ہے اس کی قرآن میں بڑی مذمت آئی ہے۔" ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ"

کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کو تو تم برا سمجھتے ہو۔ (تو سمجھو کسی بھائی کی غیبت بھی اسی کے مشابہ ہے) جس کی غیبت کی ہے یا تو دنیا میں اس سے معافی لے لیوے یا آخرت میں اس کی نیکیاں اس کو دی جائیں گی سب نیکیاں غرق ہو جائیں گی امام ابو حنیفہؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو بھی غیبت کرتے نہیں دیکھا امام صاحبؒ نے فرمایا کہ غیبت کرنی ہوتی تو اپنی ماں کی غیبت کرتا تا کہ میری نیکیاں جاتیں تو ماں کو تو جاتیں۔ اور نمیمہ اس کو کہتے ہیں اس کی چغلی اس کے پاس اور اس کی چغلی اس کے پاس کرنا یہ تمام قیامت کے دن بندر کی شکل میں ہوں گے۔

نمبر(۲) اور بعض سوروں کی شکل میں ہوں گے یہ حرام کھانے والے ہوں گے۔

نمبر(۳) بعض کے پیٹ میں تنور ہو گا اس میں آگ بھری جائے گی یہ سودخور ہوں گے۔

نمبر(۴) عجب کرنے والا گونگا بہرا ہو گا یہ صاحب عجب اللہ کا فضل نہیں سمجھتا ہر جگہ اپنی خوبی سمجھتا ہے۔

نمبر(۵) عالم بے عمل کی زبان منہ سے نکل کر پیٹ تک جائے گی اور پیٹ سے اٹھ کر اوپر تک جائے گی اور اس میں سے بڑی بدبو آئے گی سب نفرت کریں گے۔

نمبر(۶) جو حکام بادشاہ کے پاس جا کے محلے والوں کی شکایتیں کرتے ہیں ان کو سولی دی جائے گی۔

المحسنین" (بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

اس کی مثال یوں سمجھو جیسے ایک دفعہ ایک بادشاہ فوت ہوگیا اس کی بادشاہی اس کے بیٹے کو ملنی تھی مگر اس لڑکے کے چچا نے کہا ہم لیں گے جھگڑا ہوگیا تو لوگوں نے کہا عالمگیر بادشاہ کے پاس فیصلہ لے چلو۔ عالمگیرؒ اس وقت حوض پر بیٹھے تھے یہ جو آئے تو لڑکے کو ہاتھوں سے پکڑ کر حوض میں لٹکا دیا لڑکا ہنسنے لگا بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ لڑکا ہنستا کیوں ہے۔ اس وقت تو اس کو فکر مند ہونا چاہئے تھا اور رونا چاہئے تھا اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں ہنسا اس واسطے تھا کہ میرا ہاتھ تو بادشاہ کے ہاتھ میں ہے جو کریم ہے اور کریم لوگ جو ہوتے ہیں کوئی ڈوبتا بھی ہو تو بچا لیتے ہیں عالمگیرؒ بادشاہ بڑا خوش ہوا اور فیصلہ اس کے حق میں دے دیا۔۔۔

تو اسی طرح اللہ کی مدد ہاتھ پکڑتی ہے بندوں کو اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں معراج کے موقع پر حضور ﷺ ساتوں آسمانوں کا معراج کر کے آئے تھے تو ابھی آپ ﷺ کے حجرے کا کنڈا ہل ہی رہا تھا۔ یہ کیا تھیں کرایا گیا۔ اب دعا کرو اللہ عمل کی توفیق دے آمین۔

"صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین"

آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا، مال وجائیداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا۔ بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ اور رسول ﷺ کیا فرماتے تھے۔ امت جب ہی بنی ہے جب مسلمان ایک امت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری امت ہل جاتی تھی اب ہزاروں لاکھوں گلے کٹتے ہیں اور کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی۔

امت کسی ایک قوم اور ایک علاقے کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سینکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر امت بنتی ہے جو کسی ایک قوم اور علاقے کو اپنا سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے۔ یہود ونصاریٰ نے تو اس کے بعد کئی کٹائی امت کو کاٹا ہے اگر مسلمان اب پھر امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے اسلحے اور تمہاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی۔ مسلمان ساری دنیا میں اس لئے پٹ رہا ہے اور مر رہا ہے کہ اس نے امت پنے کو ختم کر کے حضور ﷺ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے میں یہ دل سے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں ساری تباہی اسی وجہ سے ہے کہ امت امت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ امت کیا ہے اور حضور ﷺ نے کس طرح امت بنائی تھی؟

امت کے بننے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو، مدرسہ ہو، مدرسے کی تعلیم ہو حضرت علیؓ کا قاتل ابن ملجم ایسا نمازی اور ذاکر تھا کہ جب اس کو قتل کرتے وقت غصے میں بھرے ہوؤں نے اس کی زبان کاٹنی چاہی تو اس نے کہا سب کچھ کرو لیکن میری زبان مت کاٹو تاکہ زندگی کے آخری سانس تک میں اس سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے فرمایا کہ علیؓ کا قاتل میری امت کا سب سے زیادہ شقی اور بدبخت ترین آدمی ہوگا۔ اور مدرسے کی تعلیم تو ابوالفضل فیضی نے بھی حاصل کی تھی اور ایسی حاصل کی تھی کہ قرآن پاک کی تفسیر بے نقط لکھ دی حالانکہ انہوں نے ہی اکبر کو گمراہ کر کے دین الٰہی بنا دیا تھا۔ تو جو باتیں ابن ملجم اور ابوالفضل فیضی میں تھیں۔ وہ امت بننے کے لئے اور خدا کی غیبی نصرت کے

لئے کیسے کافی ہو سکتی ہیں۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید اور ان کے ساتھی دینداری کے لحاظ سے بہترین مجموعہ تھے وہ جب سرحدی علاقے میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنا بنا لیا تو وہاں کے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات آ گئی کہ یہ دوسرے علاقے کے لوگ ہیں ان کی بات یہاں کیوں چلے، انہوں نے ان کے خلاف بغاوت کرائی ان کے کتنے ہی ساتھی شہید کر دیئے گئے اور اس طرح مسلمانوں نے علاقائی بنیاد پر امت کو توڑ دیا اللہ نے اس کی سزا میں انگریزوں کو مسلط کیا یہ خدا کا عذاب تھا۔

یاد رکھو میری قوم اور میرا علاقہ اور میری برادری یہ سب امت کو توڑنے والی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں اتنی ناپسند ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ جیسے بڑے صحابی سے اس بارے میں جو اجتہادی غلطی ہوئی (جو گروپ بندی ہوتی تو اس کے نتیجے میں انصار اور مہاجرین میں تفریق ہو جاتی) اس کا نتیجہ حضرت سعد کو دنیا میں ہی بھگتنا پڑا۔ روایات میں ہے کہ ان کو جنات نے قتل کر دیا اور مدینے میں یہ بات سنائی دی اور بولنے والا کوئی نظر نہ آیا۔

"قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ رمینا بسہم فلم یخطئ عن فؤادہ"

اس واقعے نے ثابت کر دیا اور بتلا دیا کہ اتنے اچھے انسان بھی اگر قومیت یا علاقے کی بنیاد پر امت کو توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو توڑ کر رکھ دے گا۔

امت جب بنے گی جب امت کے سب طبقے بلا تفریق اس کام میں لگ جائیں گے جو حضورؐ کر کے گئے ہیں اور یاد رکھو امت کو توڑنے والی چیزیں معاشرت اور معاملات کی خرابیاں ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا ناحق اس کو تکلیف دیتا یا اس کو تکلیف دیتا ہے اس کی حق تلفی اور بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے اور امت ٹوٹتی ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے امت نہیں بنے گی امت معاملات اور معاشرت کی اصلاح اور سب کا حق ادا کرنے سے اور سب کا احترام کرنے سے بنے گی جب بنے گی دوسروں کے لئے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا۔

حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے سب کچھ قربان کر کے اور اپنے کو مٹا کر بھی

تجھیں کے اس امت کو بنایا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک دن لاکھوں کروڑوں روپے آئے۔ ان کی تقسیم کا مشورہ ہوا۔ اس وقت امت بنی ہوئی تھی۔ یہ مشورہ کرنے والے کسی ایک ہی قبیلے یا ایک ہی طبقے کے نہ تھے بلکہ مختلف طبقوں اور قبیلوں کے وہ لوگ تھے، جو حضور ﷺ کی صحبت کے اعتبار سے بڑے اور خواص سمجھے جاتے تھے انہوں نے مشورے سے باہم طے کیا کہ تقسیم اس طرح پر ہو کہ سب سے زیادہ حضور ﷺ کے قبیلے والوں کو دیا جائے اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے قبیلے والوں کو پھر حضرت عمرؓ کے قبیلے والوں کو، اس طرح حضرت عمرؓ کے اقارب تیسرے نمبر پر آئے جب یہ باتیں حضرت عمرؓ کے سامنے رکھی گئی تو آپؓ نے مشورے کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اس امت کو جو کچھ ملا ہے اور مل رہا ہے حضور ﷺ کی وجہ سے اور آپ ﷺ کے صدقہ میں مل رہا ہے اس لئے بس حضور کے تعلق کو معیار بنایا جائے۔

جو نسب میں آپؐ کے زیادہ قریب ہوں ان کو زیادہ دیا جائے۔ جو دوم، سوم اور چہارم نمبر پر ہوں ان کو اسی نمبر پر رکھا جائے۔ اس طرح سب سے زیادہ بنی ہاشم کو دیا جائے اس کے بعد عبد مناف کو، پھر قصی کی اولاد کو، پھر کلاب کو، پھر مرہ کی اولاد کو، اس حساب سے حضرت عمر کا قبیلہ بہت پیچھے پڑ جاتا تھا۔ اور اس کا حصہ بہت کم ہو جاتا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا اور مال کی تقسیم میں اپنے قبیلے کو اتنے پیچھے ڈال دیا۔ اس طرح بنی تھی یہ امت امت بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو پھوٹ نہ پڑے۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا۔ کیوں کہ اس کی کسی بات نے امت کو نقصان پہنچایا اور ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس نماز، روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہوگی اور خدا کے عذاب سے ڈرتا ہوگا۔ مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا وہ خود پوچھے گا یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے؟ اس کو بتایا جائے گا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے امت میں پیدا ہونے والا ایک فساد رک گیا تھا اور بجائے توڑ کے اتحاد پیدا ہو گیا یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

امت کو بننے اور بگاڑنے توڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھوڑتی بھی ہے۔ زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کر دیتی ہے۔ اس

لئے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ زبان پر قابو ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت ہر جگہ اس کے ساتھ ہے اور اس کی ہر بات کو سن رہا ہے۔

یاد رکھو نماز جمعہ چھوڑنے پر بھی اتنی پکڑ ہوگی جتنی امت توڑنے پر ہوگی اگر مسلمان میں امت پنا آجائے تو وہ دنیا میں ہرگز ذلیل نہ ہوں گے روس اور امریکہ کی طاقتیں بھی ان کے سامنے جھکیں گی اور امت پنا جب آئے گا جب " اذلة علی المؤمنین " پر مسلمانوں کا عمل ہو یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلے میں چھوٹا بننے اور ذلت و تواضع اختیار کرنے کو اپنانے تبلیغ میں اسی کی مشق کرنی ہے جب مسلمانوں میں " اذلة علی المؤمنین " والی صفت آجائے گی تو وہ دنیا میں " اعزة علی الکافرین " یعنی کافروں ان کے مقابلے میں زبردست اور غالب ضرور ہوں گے چاہے وہ کافر یورپ کے ہوں یا ایشیا کے۔

میرے بھائیو دوستو! اللہ اور رسول ﷺ نے ان باتوں سے شدت اور سختی سے منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور پھوٹ کا خطرہ بھی ہو۔ دو دو چار چار الگ کانا پوسی کریں اس سے شیطان دل میں بدگمانی پیدا کرسکتا ہے اس سے منع فرمایا گیا اور اس کو شیطانی کام بتایا گیا۔

اسی طرح تحقیر اور استہزاء اور تمسخر سے منع فرمایا گیا۔ اس سے بھی منع فرمایا گیا کہ دوسروں کی برائی جو معلوم نہ ہو اس کو تجسس کر کے معلوم کرنے سے منع فرمایا گیا اور غیبت کو حرام کیا گیا غیبت اس کا نام ہے کہ جو واقعی برائی کسی کی معلوم ہو اس کا ذکر کسی سے کیا جائے " ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا " یہ تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت سب وہ چیزیں ہیں جو آپ میں تفرقہ پیدا کر کے امت پن کو توڑتی ہے ان سب کو حرام قرار دیا گیا اور ایک دوسرے کا اکرام و احترام کرنا جس سے امت جڑتی بنتی ہے اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دوسروں سے اپنا اکرام چاہنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے امت بنتی نہیں بگڑتی ہے امت جب بنے گی ہر آدمی یہ طے کرے کہ میں عزت کے قابل نہیں ہوں اس لئے مجھے عزت نہیں چاہیئے بلکہ دوسروں کی عزت کرنی ہے اور دوسرے سب لوگ اس قابل ہیں کہ میں ان کی عزت کروں ان کا اکرام کروں۔

اپنے نفسوں اور اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے گا تو امت بنے گی اور امت بنے گی تو عزت ملے گی عزت اور ذلت روس اور امریکہ کے قبضوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس

کے یہاں اصول اور ضابطہ ہے جو شخص یا قوم، خاندان، طبقہ چمکانے والے اصول لا دے گا اس کو چمکا دے گا جو مٹنے والے کام کرے گا اس کو مٹا دے گا یہودی نبیوں کی اولاد ہیں اصول توڑے تو اللہ نے انہیں توڑ کر رکھ دیا۔

صحابہ کرامؓ بت پرستوں کی اولاد تھے انہوں نے چمکانے والے اصول اختیار کیے تو اللہ نے ان کو چمکا دیا۔ اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں اس کے یہاں اصول اور ضابطہ ہے۔

دوستو! اپنے کو اس محنت پر جھونک دو کہ حضور ﷺ کی امت میں امت پنا آ جائے یہ ذکر تسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنے والی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اعزاز و اکرام کرنے والی، امت بن اگر کسی ایک علاقے میں بھی یہ محنت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہیے تو ساری دنیا میں بات چل پڑے۔

اب اس کا اہتمام کرو کہ مختلف قوموں، علاقوں، اور طبقوں اور مختلف زبانوں کو جوڑ جوڑ کر جماعتوں میں بھیجو اور اصول کی پابندی کراؤ۔ پھر انشاء اللہ امت بننے والا کام ہوگا اور شیطان اور نفس مفسد نے چاہا تو کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

"وما علینا الا البلاغ المبین"

دسواں بیان

از خطیب ایشیاء حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحبؒ

بعنوان............................توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے

"نحمده ونصلی علی رسوله الکریم. اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم. یاایها الذین امنوا توبوا الی الله توبة نصوحا عسی ربکم ان یکفر عنکم سیاتکم ویدخلکم جنت تجری من تحتها الانهار.

ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو ممکن ہے تمہارا رب تمہارے گناہ دور کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں پہنچا دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

حضرات گرامی! انسان گناہ و عصیان کا پتلا ہے۔ انبیاء معصوم ہیں ان سے گناہ کا صدور ہونا محال ہے مگر عام انسان خطاء اور نسیان میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ گناہ ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے مگر گناہ پر قائم رہنا اور اس پر اصرار کرنا باعث تعجب ہے اور قابل رحم بھی۔

گناہ کا تعلق چونکہ بندے سے ہے اور بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس بات کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ اے انسان اگر تجھ سے گناہ ہو گیا ہے اور تجھے اس پر دل سے شرمندگی ہے تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں میرے دروازے پر آ کر گناہوں کی معافی مانگنا تیرا کام ہے اور گناہوں کا معاف کرنا میرا کام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بار بار اس بات کی طرف انسان کو توجہ دی گئی ہے کہ اگر تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے دربار میں توبہ کی درخواست دائر کر دو۔ اس کے دربار عالیہ سے یقیناً تمہیں بخشش، مغفرت اور معافی کا سرٹیفکیٹ مل جائے گا۔

اس آیت کریمہ میں بھی سچی توبہ کا حکم دیا گیا ہے۔ سچی توبہ کا صلہ دیا جائے گا۔" بہ کفر

عنکم سیاتکم" "تمہارے گناہ بھی مٹا دیے جائیں گے۔

یعنی اگر تم عہد کرو گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہو تو نہ صرف تمہارے موجودہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے بلکہ ماضی کے گناہوں کو بھی یکسر مٹا دیا جائے گا۔ یہ خداوند قدوس کا اتنا بڑا احسان ہے جو ہر انسان کو گناہوں سے معافی مانگنے کے بعد عطا کیا جاتا ہے۔

گناہگارو چلے آؤ

یہ عجیب بات ہے کہ اگر کسی انسان نے کسی انسان کے بارے میں کوئی غلطی کی ہو یا کوئی جرم کیا ہو تو وہ انسان اپنے مجرم کو تلاش کرتا پھرتا ہے۔ اور تھانے میں رپورٹ کرتا ہے کہ اس کو پکڑا جائے۔ وہ میرا مجرم ہے اس نے میرے ساتھ فلاں زیادتی کی ہے۔ بار بار اس مجرم کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے پولیس اس کو پکڑنے کے لئے جگہ جگہ چھاپے مارتی ہے مگر قربان جاؤں اس ذات غفور رحیم کے کہ وہ اپنے مجرموں کو اعلان کر کے بلاتی ہے اور فرمایا جاتا ہے اے گناہگارو اور اے مجرمو! اگر تم سے جرم ہو گیا اور اگر تم سے گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے آ جاؤ میرے دروازے پر میرا دروازہ سنبھال لو۔ میری چوکھٹ پہ جھک جاؤ۔ میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ یعنی انسان اپنے مجرم کو سزا دے کر راضی ہوتا ہے اور رحمان اپنے مجرم کو رہائی دے کر خوش ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ: "اے ایمان والو تم سب اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ (یعنی توبہ کرو اور معافی چاہو) تاکہ تم نجات پا جاؤ" گویا کہ راہ نجات اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے میں ہے توبہ کرنے میں ہے اور ہر وقت اس کی ذات گرامی کی طرف رجوع کرنے میں ہے۔

توبہ کرنے والا خدا کا پسندیدہ ہے

قرآن مجید میں ایک مقام پر توبہ کرنے والوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کی تحسین کی گئی ہے جس کا مفہوم ہے کہ "وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تلقین کرنے والے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے اور ایسے

مومنین کو خوشخبری سنادیجئے۔ اس آیت کریمہ میں "التائبون" کو مقدم کرکے دراصل توبہ کرنے والوں کی صفت حمیدہ کو ذکر کیا ہے۔ یہ صفت خداوند قدوس کو بہت ہی پسند ہے۔

بخشش کی خوشخبری سنا دو

خدا کی صفت مغفرت سب سے وسیع ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ: نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم۔ میرے بندوں کو آگاہ کردو میں بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہوں۔ اس آیت کریمہ میں خدا کی بخشش کا اعلان ہے۔ کیا ہے کوئی گناہ گار جو خدا کے اس اعلان کے بعد اس کے دروازے پر جائے اور اپنے گناہ بخشوائے۔ بخشش کا دریا جوش میں ہے اور گناہ گاروں کے تباہ ہونے کے لئے موج میں ہے۔ اس کی موجیں گناہوں کو اپنے دامن میں بہا کر لے جائیں گی۔ اس لئے گناہ گار بھاگو اور رحمت سے جھولیاں بھر لو۔

گناہ گارو مایوس نہ ہوں

جو گناہ گار ہیں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے مایوس ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: "میری جانب سے کہہ دو کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ"

مایوسی کو ناامیدی سے بدلنے والا۔ گناہ کو مٹانے والا اور گناہ گار کو اپنے دامن رحمت میں چھپانے والا وہ ذات واحد ہے جس نے اپنے بندے کو پیدا کیا ہے۔ ذات کریم نے انسان کو پیدا کیا ہے وہی اس کی غلطیوں کو معاف کرنے والا اور اس کے گناہوں کو رحمت کے پانی سے دھونے والا ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت انسان کے تمام گناہوں پر بھاری ہے۔ ان آیات بینات سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہئے اور اپنے گناہوں کی کثرت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت فرماتے ہوئے ضرور اس کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

سچی توبہ کرنے والوں کے سچے واقعات

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے قتل کئے تھے۔ اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص ہے

جس سے میں اپنی توبہ سے متعلق سوال کرسکوں کہ کیا اس قدر قتل عام کے بعد میرے لئے کوئی توبہ کی شکل ہوسکتی ہے لوگوں نے اسے ایک نیک آدمی کا پتا بتایا تو اس نے نیک آدمی کے پاس جاکر پوچھا کہ کیا میرے لئے توبہ کی کوئی شکل بن سکتی ہے۔ اس کے جواب میں اس نیک آدمی نے مایوس کن جواب دیتے ہوئے کہا کہ تمہارے لئے کوئی توبہ کی شکل نہیں ہے۔ اس نے اسی وقت اس نیک آدمی کو بھی قتل کردیا اس طرح اس کے قتل کی تعداد سو ہوگئی۔

پھر اس نے لوگوں سے پوچھا کیا کوئی اور ہے جس سے میں اپنی توبہ کے متعلق دریافت کرسکوں۔ لوگوں نے اسے پھر ایک نیک آدمی کا پتا بتایا اس نے جاکر اس عالم سے دریافت کیا کہ کیا میرے لئے توبہ کی کوئی شکل موجود ہے؟ تمہاری توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ اس عالم نے کہا فلاں بستی میں جاؤ۔

"فان بها اناساً يعبدون الله بها فاعبد الله تعالىٰ معهم"۔

وہاں کچھ لوگ رہتے ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ قیام کرو اور عبادت میں شریک ہوجاؤ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائیں گے۔ اس عالم کی بات سن کر یہ شخص چل پڑا۔ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ فرشتہ موت آپہنچا اور اس کی روح قبض کرلی گئی۔ جس وقت روح قبض ہوئی تو "فاختصمت فيه ملائكة الرحمة وملائكة العذاب" ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب آگئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ رحمت والے نے کہا ہمارا ہے اسے ہم لے جائیں گے اور عذاب والے نے کہا یہ ہمارا ہے اسے ہم لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے کہا کہ ایسا کرو کہ جہاں سے یہ چلا ہے اور جس بستی کی طرف چلا ہے دونوں کی پیمائش کرلو اگر توبہ کی نیت سے سفر زیادہ کرکے بستی کے قریب آگیا ہے تو رحمت کے فرشتے لے جائیں اور اگر سفر کم کیا ہے تو فرشتہ عذاب لے جائے۔ جب زمین کو ناپنے لگے تو ابھی سفر کم ہوا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے جوش میں آکر زمین کو حکم دیا کہ سمٹ جا اور جس طرف وہ توبہ کے لئے جارہا تھا اس کے فاصلے کو بستی کے قریب کردیا تاکہ اس کی توبہ قبول کرلی جائے۔ اس طرح خداوند قدوس نے توبہ کے لئے اس شخص کا راستہ بنادیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک گناہ گار شخص نے موت کے وقت

اس نے بچوں سے کہا کہ میں اس قدر گناہگار ہوں کہ مجھے اپنی بخشش کی امید نہیں ہے اس لئے میرے مرنے کے بعد مجھے جلا کر میری راکھ کو دریاؤں اور جنگلوں میں پھینک دینا۔ اس کی اولاد نے اس کے مرنے کے بعد ویسا ہی کیا جیسے اس نے وصیت کی تھی! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں اور جنگلوں کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کو اکٹھا کریں۔ جب اس کی راکھ جمع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا۔ "لم فعلت هذه" تو اس نے کہا: "فقال من خشيتك يارب فغفرله" معلوم ہوا کہ جو شخص دل سے اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے اور توبہ کے لئے خدا کے حضور روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس جذبے اور سچی توبہ سے اپنی رحمتوں کا دروازہ اس کے لئے کھول دیتا ہے۔

حضرات گرامی! اب تک جو آیت قرآنی اور احادیث مبارکہ اور نصیحت آموز واقعات آپ حضرات کے سامنے بیان کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان خواہ کتنے ہی بڑے گناہ کیوں نہ کر چکا ہو۔ انسان کو اپنے خالق سے رشتہ کبھی توڑنا چاہئے، اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اپنے خدا کے حضور گڑگڑا کر توبہ کرنی چاہئے اور رو رو کر معافی مانگنی چاہئے اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اپنے بندے پر رحمت اور مغفرت کے دروازے کھول دے گا۔

"وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين"

(بحوالہ صحبت تو کی)

چوتھا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی ہدایات

قابل احترام بھائیو! یہ باب ہماری کتاب "مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو" کا چوتھا باب ہے اس باب میں دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے دس مثالی اور قیمتی ہدایات پیش کی جارہی ہیں ان دس ہدایات کو ہم نے آسانی کے لئے الگ الگ نمبروں کے ساتھ واضح کردیا ہے جس کی ترتیب درج ذیل انداز میں مرتب کی گئی ہے۔

ہدایات نمبر ۱ .... کچھ ہدایات حقوق العباد سے متعلق

ہدایات نمبر ۲ .... کچھ ہدایات والدین کے حقوق سے متعلق

ہدایات نمبر ۳ .... کچھ ہدایات اولاد کے حقوق سے متعلق

ہدایات نمبر ۴ .... کچھ ہدایات بیویوں کے حقوق سے متعلق

ہدایات نمبر ۵ .... کچھ ہدایات خدمت خلق سے متعلق

ہدایات نمبر ۶ .... کچھ ہدایات گناہوں سے بچنے سے متعلق

ہدایات نمبر ۷ .... کچھ ہدایات خونی برائیوں سے بچنے سے متعلق

ہدایات نمبر ۸ .... کچھ ہدایات بے جا غصے سے بچنے سے متعلق

ہدایات نمبر ۹ .... کچھ ہدایات غیبت سے بچنے سے متعلق

ہدایات نمبر ۱۰ .... کچھ ہدایات بدنظری سے بچنے سے متعلق

چنانچہ اس باب کا مختصر تعارف آپ کے سامنے آگیا ہوگا اب آپ ان تمام موضوعات وہدایات کو تفصیل سے مطالعہ کیجئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ہدایات نمبر ۱

کچھ ہدایات حقوق العباد سے متعلق

حقوق العباد سے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کا ایک بہترین مضمون نظروں سے گزرا جو ہر طرح سے مناسب ہے، چنانچہ حقوق العباد سے متعلق ہدایات کے ذیل میں ہم یہ مضمون پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

بہت سے دینداری کے مدعی مرنے والے بھائی کی جائیداد سے اس کی بیوی کو حصہ نہیں دیتے بلکہ اسے مجبور کرتے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ نکاح کرلے، وہ بیچاری مجبوراً نکاح کر لیتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے شریعت کی پاسداری کر لی۔ حالانکہ نکاح کر لینے سے اس کے شوہر کی میراث سے جو شرعاً حصہ اس کو ملا ہے اس کو دبالینا پھر بھی حلال نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو جائداد میں حصہ دے دیا گیا تو ہماری زمین کا حصہ دوسرے خاندان میں چلا جائے گا۔ اگر چلا گیا تو کیا ہوا۔ بیوہ عورت کا مال مارنے اور آخرت کے عذاب سے تو بچ جائیں گے۔

بہت سے علاقوں میں رواج ہے کہ میت کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے بلکہ بھائی ہی دبا بیٹھتے ہیں جو سراسر ظلم کرتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنا حق مانگتی نہیں ہیں اور معاف کرانے سے معاف بھی کر دیتی ہیں۔

واضح رہے کہ حق نہ مانگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے۔ اور جیسی جھوٹی معافی ہوتی ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ ہم کو ملنا تو ہے ہی نہیں۔ لہٰذا معاف ہی کر دیتی ہیں اور اپنا حق طلب کرنے سے خاموش رہتی ہیں۔ اگر ان کا حصہ بانٹ کر ان کے سامنے رکھ دیا جائے کہ لو یہ تمہارا حصہ ہے اور جائداد کی آمدنی جتنی اس کے حصے کی ہو ان کو دے دی جائے اور وہ اس کے باوجود معاف کر دیں تو معافی کا اعتبار ہوگا۔ مجبوری کی معافی کا

اعتبار نہیں۔ بعض لوگ نفس کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ زندگی بھر ان کو ان کی سسرال سے بلائیں گے
بچوں سمیت آئیں گی کھائیں گی، قیمتیں تحفے دیں گے اس سے ان کا حق ادا ہو جائے گا۔ یہ سب خود فریبی
ہے۔ اول تو ان پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا میراث میں ان کا حصہ نکلتا ہے۔ دوسرے صدقہ کرنا ہے
تو اپنے پیسے سے کرو، بہنوں کو اور احسان آپ کا کہ ہم نے بہن کو بلایا ہے اور خرچ کیا ہے۔ یہ کیا
صدقہ ہوا؟ تیسرے ان سے معاملہ کر لو کیا اس سودے پر وہ راضی ہیں۔ کس طرح فیصلہ کیسے فرما لیا؟

اسی طرح مہر کو بھی کچھ لوگ رسمی طور پر بیوی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔ جب
تک کہ وہ اپنے نفس کی خوشی سے معاف نہ کر دے۔ اگر اس نے یہ سمجھ کر زبانی طور پر معاف کر دیا کہ
معاف کروں یا نہ کروں، ملنا تو ہے ہی نہیں تو اس معافی کا کچھ اعتبار نہیں۔ قرآن شریف میں ارشاد
ہے

﴿فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا﴾

"سو اگر تمہاری بیویاں نفس کی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو تم اس کو مرغوب اور خوشگوار سمجھتے
ہوئے کھاؤ۔"

اس بارے میں بھی یہی صورت کریں کہ دلہن کا مہر ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ پھر وہ اپنی
خوشی سے بخش دیں اس کو بے تکلف قبول کریں۔ لڑکیوں کی شادی کی جاتی ہے اور ان کا مہر والد یا
دوسرا کوئی ولی وصول کر لیتا ہے۔ وصول کر لینا وہ اس کی ملکیت مانتے ہوئے محفوظ رکھنا ہو تو ٹھیک
ہے لیکن لڑکی سے پوچھے بغیر اسے مال کو اپنے تصرف میں لانا اور اپنا ہی سمجھ لینا پھر اس کو کچھ بھی نہ
دینا یا اوپر کے دل سے جھوٹی معافی کرا لینا یہ حلال نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب شادی میں جو ہم نے خرچ کیا ہے اس کے عوض یہ
رقم مہر سے وصول کر لی۔ یا جہیز میں لگا دی۔ سو اگر والد یا کوئی دوسرا ولی اخراجات کرتا ہے تو یہ
سب کچھ نام کے لیے ہوتا ہے۔ اور بہت سے کام شریعت کے خلاف بھی ہوتے ہیں۔ گانا بجانا اور
طوائف کے ناچ رنگ ہوتے ہیں۔ جہیز بھی دکھاوے کے لئے دیا جاتا ہے اور وہ چیزیں جہیز میں
دی جاتی ہیں جو زندگی بھر بھی کام نہ آئیں۔ سب جانتے ہیں کہ خلاف شرع اور دکھاوے کے لئے تو
اپنا مال خرچ کرنا بھی حرام ہے۔ پھر بے زبان لڑکی کا مال اس طرح خرچ کرنے کیلئے حلال ہو سکتا ہے

ہوگا۔

☆ اگر کوئی مہمان یا گاہک گھر یا دکان پر اپنی کوئی چیز بھول جائے تو وہ امانت ہے۔اس کا خرچ کر لینا جائز نہیں۔صاحب مال کے آنے کا انتظار کرے اور آنے جانے والوں سے تلاش بھی کروائے اور پتہ چلوائے کہ شخص کہاں ہے۔جب ناامیدی ہو جائے تو اس کی طرف سے صدقہ کردے لیکن اگر کبھی وہ آگیا اور صدقہ پر راضی نہ ہوتو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگا۔اور صدقہ اپنی طرف سے ہو جائے گا۔

☆ اگر کوئی شخص کوئی گری پڑی چیز کہیں پائے تو مالک کو پہنچانے کی نیت سے اٹھا سکتا ہے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو اٹھانا واجب ہے۔اٹھا لینے کے بعد اعلان کرے کہ کسی کی کوئی گری پڑی چیز ہوتو لے لے۔جس جگہ چیز ملی ہے اس کے قریب جو آبادیاں ہوں ان میں اعلان کرے اور اتنے عرصہ اعلان کرے کہ یقین ہو جائے کہ مالک نہیں آئے گا۔اس کے بعد مالک کی طرف سے مستحقین زکوٰۃ کو صدقہ کردے۔اگر خود صاحب نصاب نہیں تو اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے لیکن ہر صورت میں اگر صاحب مال آگیا تو مال کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگا۔اور صدقہ کا ثواب صدقہ کرنے والوں کو مل جائے گا۔جب کوئی چیز اٹھائے تو گواہ بنالے کہ حفاظت کرنے کے لئے اور مالک تک پہنچانے کے لئے اٹھا رہا ہوں۔اگر اس جگہ گواہ نہ ملیں تو آبادی میں پہنچ کر گواہ بنالے کہ یہ چیز میں مالک پہنچانے کے لئے اٹھا لایا ہوں۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ چوری کرنے یا غصب کرنے کی تہمت نہ رکھیں گے۔اگر کوئی ایسی چیز ملی یا کوئی شخص دکان یا گھر پر چھوڑ کر چلا گیا تو زیادہ دیر باقی نہیں رہ سکتی۔جب خراب ہونے لگے تو اس کو صدقہ کردے۔زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں۔البتہ اس سے پہلے اعلان جاری رکھیے۔

☆ اگر کوئی شخص قرض دے کر بھول جائے یا لحاظ کی وجہ سے طلب نہ کرے۔یا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ نہ کر سکے۔یا کسی بھی طرح کسی کی کوئی چیز اپنے قبضہ میں آجائے اور صاحب مال کو اس کا علم نہ ہوتب بھی اس کا پہنچانا اور ادا کرنا واجب ہے۔

☆ حکومتوں کے قانون کی آڑ میں کسی کا حصہ میراث دبالینا حرام ہے۔نیز جسے شرعاً حصہ نہ پہنچتا ہوں اس کو کسی حکومت کے قانون کی وجہ سے حصہ لینا بھی حرام ہے۔مثلاً پوتے کو چچا کی

ہدایات نمبر۲

کچھ ہدایات والدین کے حقوق سے متعلق

والدین کی خدمت کی اہمیت

بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے ماں باپ اس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کرتے ہیں، اس کی گندگیاں صاف کرتے ہیں، بچے کی چھوٹی موٹی باتوں کو برداشت کرتے ہیں، اس کی دینی دنیاوی تربیت کرتے ہیں۔ جو بچہ اپنے بڑوں کی فکر نہیں ہوسکتا اس کو وقت کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور سلیقہ سکھاتے ہیں۔ جب ایک وقت آتا ہے بچے کے کہنے پر اس کی شادی کراتے ہیں یہاں سے اس نوجوان اور اس کی بیوی کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اب وقت کے ساتھ ساتھ جو وقت ماں کو دیتا تھا اب وہ وقت بیوی کو دیتا ہے۔ بیوی کے لئے سوغاتیں لاتا ہے ماں کے لئے نہیں۔ بیوی کے نخرے اٹھانے کی ضرورت سمجھتا ہے، ماں کے لئے نہیں، یہاں سے لڑائی جھگڑے شروع ہوتے ہیں اور جب کبھی شوہر کام کاج اور رزق حلال کی تلاش میں گیا پیچھے سے ساس اور بہو چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے ہیں۔ آخر روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آکر بیٹا ماں سے الگ ہو جاتا ہے۔ دین اسلام ماں سے الگ رہنے سے منع نہیں کرتا۔ الگ رہنے کی ممانعت نہیں ہے لیکن بیوی کے کہنے پر اپنے ماں باپ کی خدمت نہ چھوڑیں ان کی دعائیں لیں ان کو تنگ نہ کریں۔ کیونکہ ماں باپ آپ کے ہیں آپ کی بیوی کے نہیں۔ بلکہ روز اپنی وسعت کے مطابق ماں باپ اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں اور دادا دادی کے لئے کچھ نہ کچھ تحفہ لے کر جائیں اور ان کی خدمت کریں اس سے ماں باپ کے دلوں میں آپ کی محبت بڑھتی ہے اور وہ دل سے خوب دعائیں دیتے ہیں۔ اے اللہ مجھے والدین کے سارے حقوق پورے کرنے والا بنادے آمین۔ چنانچہ قرآن اور حدیث میں والدین کا کیا مقام ہے جاننے والی سطروں میں مختصراً ملاحظہ فرمایئے۔

بچے کی نگہداشت، پرورش، خدمت اور تعلیم وتربیت وغیرہ میں ماں کے ساتھ باپ بھی شریک ہوتا ہے۔ لیکن حمل، وضع حمل اور رضاعت کی تکلیف تنہا ماں برداشت کرتی ہے۔ نو ماہ تک حمل کا بوجھ اٹھانا موت وحیات کی کشمکش سے گزر کر بچے کو جنم دینا اور پھر اپنے خون کو دودھ بنا کر اپنے بچے کو پلانا اور اس پورے عرصے میں سخت احتیاط کی زندگی گزارنا آسان نہیں ہے۔ اس صعوبت کے برداشت کرنے میں باپ اس کا شریک ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا احسان باپ سے بھی زیادہ ہے۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم احادیث کی روشنی میں

احادیث میں ماں کی خدمت، طاعت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی طرف مختلف پہلوؤں سے توجہ دلائی گئی ہے۔ یہاں بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے! رسول اللہ ﷺ نے باپ کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ لیکن ماں کے ساتھ حسن سلوک پر باپ سے بھی زیادہ زور دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ "میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کے باپ کے بارے میں تاکید کرتا ہوں۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے شوہر کا۔ میں نے پوچھا مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی ماں کا۔" بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باپ کے مقابلے میں ماں کمزور ہے اس لئے حضور ﷺ نے اس کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات بھی ہو لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ ماں کے احسانات باپ سے زیادہ ہیں اور وہ فی الواقع اس کی مستحق ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے دس مصیبتوں کا ذکر فرمایا ہے اور کہا ہے کہ جب میری امت ان کا ارتکاب کرنے لگے تو اس پر مصیبتوں اور عذاب کا نزول شروع ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ "آدمی اپنی بیوی کی بات مانے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا۔ دوست کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرے گا اور باپ کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا۔" اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کے حقوق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اسی طرح اس کی تعلیم وتربیت کا صحیح اہتمام کرنا ضروری اور اہم ہے۔ یہ ایک بڑا ہی سچا مقولہ ہے کہ بچے کی اولین تربیت گاہ اس کی ماں کی گود ہوتی ہے اس مقولے کی سچائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ماں کی گود سے بچہ جو کچھ سیکھتا ہے اسکا اثر ساری زندگی اسکے دل و دماغ پر رہتا ہے اور ماں کی گود سے جس قسم کی تربیت لے کر وہ اسکول جاتا ہے وہ اس کی کامیابیوں میں سب سے زیادہ معاون ثابت ہوتی ہے اس لئے ماں کا فرض ہے کہ وہ اسکول بھیجنے سے پہلے بچے کو زیادہ سے زیادہ بہتر انداز سے اخلاق سکھلائے اچھی گفتگو کرنے کا سلیقہ بتائے۔ لڑائی جھگڑے سے بچنے کی تلقین کرے اور جس طرح وہ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ پیار سے رہ رہا ہوتا ہے اسی طرح اسے اپنے اسکول کے ہمجولیوں سے ملنے جلنے کے پسندیدہ طور طریقے اپنانے کی طرف توجہ دلائے۔ اس کی طرف جتنی زیادہ توجہ ابتداء میں دیں گے۔ وہ بچے کی آئندہ کامیابیوں میں آپ کی فکرمندی کو تمام کر دے گی اور اسکول سے کالج تک اور کالج سے یونیورسٹی تک اس میں ایک تسلسل اور روانی رہے گی اور جب تعلیم سے فارغ ہو کر وہ کارزار زندگی میں داخل ہوگا تو عقل و شعور میں اس کی پختگی اسے دوسروں میں ممتاز بنانے اور اعلیٰ مقام دلانے میں معاون ثابت ہوگی۔ اس کی زندگی کا یہ وہ مقام ہوگا جو آپ کیلئے بحیثیت باپ، اس کی ماں اور خاندان کے تمام رشتے داروں کے لئے باعث عزت اور باعث وقار ہوگا۔ آج کے دور میں بچہ ہو یا بچی دونوں کی تعلیم و تربیت کی طرف یکساں توجہ دینا ضروری بن گیا ہے۔ ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ یہ دور تعلیم کا دور ہے اور تعلیمی سہولتیں حاصل ہیں علوم ظاہری اور باطنی کے ساتھ ساتھ سائنس نے بے پناہ ترقی کر لی ہے ۔جس کی وجہ سے بے پناہ اور بے اندازہ تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ ان سب سے کما حقہ واقفیت حاصل کرنا آج کی اہم ضرورت بن گیا ہے۔ اس لئے لڑکا ہو یا لڑکی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں دونوں یکساں آپ کی توجہ کی محتاج ہیں لڑکیوں کے لئے جو بنات کے مدرسے شروع ہو گئے ہیں وہ لڑکیوں کے لئے بہت حد تک مفید اور کارآمد ہیں۔

یاد رکھئے تعلیم انسانی زندگی کو سنوارتی اور نکھارتی ہے۔ وقار بلند کرتی ہے۔ اس لئے ہر خاوند اور ہر بیوی کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی پرورش کے ساتھ ساتھ ان کو اچھی تعلیم دلانے کیلئے ہر ممکن کوشش بروئے کار لائیں تا کہ وہ معاشرے میں اچھا مقام حاصل کرے اور ملک و قوم کیلئے بھی مفید ثابت ہو۔

ہدایات نمبر ۴

کچھ ہدایات بیوی کے حقوق سے متعلق

شوہر بیوی کے حقوق کا خیال رکھے

میاں بیوی کی خوشگوار زندگی بسر ہونے کے لئے جس طرح عورتوں کو مردوں کے جذبات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اسی طرح مردوں کو بھی لازم ہے کہ عورتوں کے جذبات کا خیال رکھیں ورنہ جس طرح مرد کی ناراضگی سے عورت کی زندگی جہنم بن جاتی ہے، اسی طرح عورت کی ناراضگی بھی مردوں کے لئے وبال جان ہو جاتی ہے۔

☆ مرد کو چاہئے کہ کبھی بھی اپنی عورت کے سامنے کسی دوسری عورت کے حسن و جمال یا اس کی خوبیوں کا تذکرہ نہ کرے ورنہ بیوی کو فوراً ہی بدگمانی اور یہ شبہ ہو جائے گا کہ شاید میرے شوہر کا اس عورت سے کوئی خفیہ تعلق ہے۔

☆ مرد بہ نسبت عورت پر حاکم ہے۔ لہذا مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ بیوی پر اپنا حکم چلائے مگر پھر بھی مرد کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بیوی سے کسی ایسے کام کی فرمائش نہ کرے جو اس کی طاقت سے باہر ہو یا وہ اس کام کو انتہائی ناپسند کرتی ہو۔

☆ مرد کو چاہئے کہ عورت کی غلطیوں پر اصلاح کے لئے روک ٹوک کرتا رہے۔ کبھی سختی اور غصے کے انداز میں کبھی محبت اور پیار اور خوشی کے ساتھ بات چیت کرے۔

☆ شوہر کو یہ بھی چاہئے کہ سفر میں جاتے وقت اپنی بیوی سے انتہائی پیار و محبت کے ساتھ ہنسی خوشی سے ملاقات کر کے مکان سے نکلے اور سفر سے واپس ہو کر کچھ نہ کچھ سامان بیوی کے لئے ضرور لائے اور بیوی سے یہ کہے کہ یہ خاص تمہارے ہی لئے لایا ہوں۔ شوہر کی اس ادا سے عورت کا دل بڑھ جائے

گا۔

☆ عورت اگر میکے سے کوئی چیز لائے یا خود بنا کر پیش کرے تو مرد کو چاہئے کہ اگر چہ وہ چیز ہلکی ہی گھٹیا درجے کی ہو مگر اس پر خوشی کا اظہار کرے اور محبت ہی تپاک اور اچھائی جانے کے ساتھ اس کو قبول کرے اور چند الفاظ تعریف کے بھی عورت کے سامنے کہہ دے تا کہ عورت کا دل بڑھ جائے اور اس کا حوصلہ بلند ہو جائے۔

☆ عورت اگر بیمار ہو جائے تو شوہر کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ عورت کی غمخواری اور تیمارداری میں ہرگز ہرگز کوتاہی نہ کرے، بلکہ اپنی دلداری و دلجوئی اور بھاگ دوڑ سے عورت کے دل پر یہ نقش بٹھا دے کہ میرے شوہر کو مجھ سے بے حد محبت ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت شوہر کے اس احسان کو یاد رکھے گی اور وہ بھی شوہر کی خدمت گزاری میں اپنی جان لڑا دے گی۔

☆ شوہر کو چاہئے کہ اپنی بیوی پر اعتماد اور بھروسہ کرے اور گھریلو معاملات اس کے سپرد کر دے تا کہ بیوی اپنی حیثیت کو پہچانے اور اس میں خود اعتمادی پیدا کرے اور وہ اپنی صلاحیتوں اور کوشش کے ساتھ گھریلو معاملات کے انتظام کو سنبھالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران اور محافظ ہے اور اس معاملہ میں عورت سے قیامت میں خداوند قدوس پوچھ گچھ فرمائے گا۔

☆ عورت کا اس کے شوہر پر ایک حق یہ بھی ہے کہ شوہر کے نجی کی رازداری کی باتوں کو دوسروں کے سامنے بیان نہ کرے بلکہ اس کو راز بنا کر اپنے دل ہی میں رکھے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا کے نزدیک بدترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے پھر اس کی پردہ کی باتوں کو دوسروں پر ظاہر کرے اور اپنی بیوی کو دوسروں کی نگاہوں میں رسوا کرے۔

☆ شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے سامنے آئے تو میلے کچیلے گندے کپڑوں میں نہ آئے، بلکہ بدن اور لباس، بستر وغیرہ کی صفائی ستھرائی کا خاص طور پر خیال رکھے کیونکہ شوہر جس طرح یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی بناؤ سنگھار کے ساتھ رہے۔ اسی طرح عورت بھی یہ چاہتی ہے کہ میرا شوہر صاف ستھرا رہے۔ لہٰذا میاں بیوی دونوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات سے سخت نفرت تھی کہ آدمی میلا کچیلا رہے اور اس کے بال بکھرے رہیں۔

☆ عورت کا اس کے شوہر پر یہ بھی حق ہے کہ عورت کی ضرورت اور بناؤ سنگھار کا سامان یعنی صابن، تیل، کنگھی، مہندی، خوشبو وغیرہ فراہم کرتا رہے تا کہ عورت اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے اور بناؤ سنگھار کے ساتھ رہے۔

☆ شوہر کو چاہیے کہ معمولی معمولی، بے بنیاد باتوں پر اپنی بیوی کی طرف سے بدگمانی نہ کرے، بلکہ اس معاملہ میں ہمیشہ احتیاط اور سمجھداری سے کام لے۔ یاد رکھو کہ معمولی شبہات کی بنا پر بیوی کے اوپر الزام لگانا، بدگمانی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

☆ اگر میاں بیوی میں کوئی اختلاف یا کشیدگی پیدا ہو جائے تو شوہر پر لازم ہے کہ طلاق دینے میں ہرگز ہرگز جلدی نہ کرے، بلکہ اپنے غصہ کو ضبط کرے اور غصہ اتر جانے کے بعد ٹھنڈے دماغ سے سوچ بچار کر، دوستوں سے مشورہ لے کر یہ غور کرے کہ کیا میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نباہ اور آبادی کی کوئی شکل نکل آئے تو ہرگز ہرگز طلاق نہ دے۔ کیونکہ طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

☆ اگر خدا نخواستہ ایسی سخت ضرورت پیش آ جائے کہ طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو ایسی صورت میں طلاق دینے کی اجازت ہے، ورنہ طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔

☆ اگر کسی کے پاس دو بیویاں یا اس سے زیادہ ہوں تو اس پر فرض ہے کہ تمام بیویوں کے درمیان عدل و برابری کا سلوک اور برتاؤ کرے۔ کھانے، پینے، مکان، سامان، روشنی، بناؤ سنگھار کی چیزوں غرض تمام معاملات میں برابری برتے۔ اسی طرح ہر بیوی کے پاس رات گزارنے کی باری مقرر کرنے میں بھی برابری کا خیال رکھنا ہے۔ یاد رکھو کہ اگر کسی نے اپنی تمام بیویوں کے ساتھ یکساں اور برابر سلوک نہیں کیا تو وہ حق العباد میں گرفتار اور عذاب جہنم کا حقدار ہوگا۔

☆ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”جس شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے درمیان عدل و برابری کا برتاؤ نہیں کیا تو وہ قیامت کے دن میدان محشر میں اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ اس کا آدھا بدن مفلوج (فالج لگا ہوا) ہوگا۔ اگر بیوی نے کسی قول و فعل، بدگوئی، بداخلاقی، سخت مزاجی، زبان درازی وغیرہ سے شوہر کو کبھی کچھ اذیت اور تکلیف پہنچ جائے تو شوہر کو چاہیے کہ صبر و تحمل اور

برداشت سے کام لے۔ کیونکہ عورتوں کا غصہ ہونا ایک فطری چیز ہے۔

☆ شوہر کو چاہئے کہ عورت کے اخراجات کے بارے میں بہت زیادہ بخل اور کنجوسی نہ کرے، نہ حد سے زیادہ فضول خرچی کرے۔ اپنی آمدنی کو دیکھ کر بیوی کے اخراجات مقرر کرے۔ نہ اپنی طاقت سے بہت کم، نہ اپنی طاقت سے بہت زیادہ۔

☆ شوہر کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو گھر کی چار دیواری کے اندر قید کر کے نہ رکھے۔ بلکہ کبھی کبھی والدین اور رشتہ داروں کے یہاں آنے جانے کی اجازت دیتا رہے۔ اور اس کی سہیلیوں اور رشتہ داری والی عورتوں اور پڑوسنوں سے بھی ملنے جلنے پر پابندی نہ لگائے۔ بشرطیکہ ان عورتوں کے میل جول سے فتنہ فساد کا اندیشہ نہ ہو اور اگر ان عورتوں کے میل ملاپ سے بیوی کے بدچلن یا بداخلاق ہو جانے کا خطرہ ہو تو ان عورتوں سے میل جول پر پابندی لگا دینا ضروری ہے اور یہ شوہر کا حق ہے۔

شوہر کے دینی واخلاقی فرائض

شوہر کا دائرہ عمل خاندان کی مادی ضروریات پوری کرنے تک محدود نہیں ہے۔ اسلام شوہر پر روحانی، اخلاقی اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داریاں بھی اسی طرح عائد کرتا ہے، بلکہ خوراک اور لباس کی فراہمی سے اسے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ مادی ضروریات انسان کی اس فانی دنیا میں عارضی حاجات ہیں جب کہ روحانی اور اخلاقی اقدار آخرت کی دائمی زندگی کے لئے کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہیں اس لئے ایک شوہر اور باپ کے لئے اشد ضروری ہے کہ اپنے خاندان کی دینی اور روحانی تربیت کی طرف بھرپور توجہ دے۔ اس ذمہ داری کو مختصراً یوں سمجھئے۔

خاندان کی دینی، روحانی اور اخلاقی اقدار کی بنیادی ایسے حقوق ہیں جو گھر کے سربراہ پر فرض ہیں اور ان کی عدم ادائیگی پورے خاندان کی بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ بڑی بدقسمتی ہے کہ موجودہ دور میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کو غیر ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ اس ذہنیت کے تحت کہ وہ اپنے خاندان کی مادی ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کر رہا ہے وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ دنیوی کاموں میں صرف ہوتا ہے جو اکثر اوقات صرف بے سود ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ اخروی زندگی کے لحاظ سے تباہ کن بھی ثابت ہوتا ہے۔

دنیاوی زندگی کے معیار کو بڑھانے اور بہتر کرنے کی دوڑ میں شوہروں کو دولت کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے خاندان کے لئے، قابل ملامت نقصان کا سبب بنتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ شوہر کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ خود کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ کے عذاب سے بچائے۔ لیکن وہ اپنے انفرادی منصب کے احساس سے غافل ہے کہ وہ خاندان کا دینی پیشوا بھی ہے۔ بیوی اور بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے فرض سے پہلو تہی کر کے اپنے خاندان کے لئے جہنم کا راستہ صاف کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو اپنے خاندان کا حاکم مقرر کیا ہے۔ اس اعلیٰ منصب کے سبب شریعت نے اس پر اپنے خاندان کی دین کے راستے پر رہنمائی اور تربیت کا فرض سونپا ہے۔ اس پر یہ ذمہ داری زندگی بھر کے لئے ہے۔ زندگی کے کسی لمحے میں اور کسی وقت بھی وہ اس سے پہلو تہی نہیں کر سکتا۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری تمام اوقات پر محیط ہے۔ صبح آنکھیں کھولنے کے وقت سے لے کر رات تک جب سب گھر والے سونے کے لئے اپنے اپنے بستروں میں چلے جاتے ہیں۔ ایک فرمانبردار خادم سے یہ منصب اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہے۔ وہ اپنی تمام تر ذہنی صلاحیت، کوشش، وقت اور دولت اپنے خاندان کی دینی بہبود کے لئے صرف کرے۔

خاندان کی دینی اور روحانی کامیابی اسے نہ صرف روز آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچا لے گا بلکہ اس خدمت کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے درجات بھی بلند فرمائے گا۔

شوہر اور والد کو حاکم مقرر کیا گیا ہے تاکہ وہ صراط مستقیم کی طرف اپنے خاندان کی رہنمائی کرے۔ اس کی یہ حیثیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کی حفاظت کرے۔ وہ اس عظیم ذمہ داری سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ گھر کے افراد کو صرف کوئی جسمانی نقصان پہنچا کر جنت کے راستے میں جو دشمن اس کی گھات میں ہیں ان سے صرف نظر کر لے گا۔ بلکہ نفسانی خواہشات، روحانی ڈاکو اور بدمعاش ان کو بھٹکانے کی انتہائی کوشش کریں گے۔ جنت کی راہ بڑی پرخار ہے جو برائیوں کی جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ برائیاں جو دیکھنے میں بڑی پرکشش اور دلفریب ہیں۔ یہ درحقیقت ایسے جال ہیں جو جنت کی راہ میں شیطان نے بچھا رکھے ہیں۔ وہ اپنے مضبوط ہاتھوں سے ان جھاڑ جھنکار کو صاف کرتا ہے اور اپنے خاندان کی منزل مقصود کی راہ ہموار کرتا ہے۔

ہدایات نمبر ۵

کچھ ہدایات خدمتِ خلق سے متعلق

خدمتِ خلق کی اہمیت وضرورت

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے:

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ہر کہ خود را دید او محروم شد

اس عظیم اور پرمعنی شعر کا مطلب یہ ہے کہ جس انسان نے خلق کی خدمت کو اپنا شعار بنایا وہ آخرکار انسانوں کی نگاہ میں عزت اور بلند مرتبہ کا حق دار ہوگیا۔ خدمت کرنے والے لوگ بالآخر معاشرے میں بلند مرتبہ پاتے ہیں اور وہ مخدوم، مربی اور محسن کے زمرے میں آجاتا ہے۔ شعر کا دوسرا مصرع ہے: ہر کہ خود را دید او محروم شد یعنی جس انسان نے خود اپنے کو دیکھنا شروع کر دیا، خود اپنی خدمت کرنی شروع کر دی وہ بالآخر محروم ہوگیا۔ محروم ہوگیا ایک اعلیٰ انسانی وصف سے، محروم ہوگیا کردار و اخلاق کے اعلیٰ جوہر سے، محروم ہوگیا سربلندی سے اور سرفرازی سے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر میں ایک دنیا سمائی ہوئی ہے اور اس پر جتنا غور کریں اتنی ہی عظمتیں سامنے آتی جاتی ہیں۔

مخلوق کی بے لوث خدمت کرنا انسانی اخلاق کا نہایت اعلیٰ جوہر ہے۔ جو انسان مخلوق کی خدمت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرتبہ اور درجہ بہت بلند ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں سے پیار کرتا ہے اور ان کی کسی غرض اور لالچ کے بغیر، خدمت خدمت کرتا ہے حق تعالیٰ اسے عزت سے نوازتے ہیں۔ قدرت کا یہ اصول ہے اور فطرت کا یہ قول فیصل ہے کہ مخلوق کی خدمت کرنے والے کا مرتبہ ہمیشہ بلند ہوتا ہے، دین و دنیا کی ہر دولت اسے میسر ہوتی ہے۔

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ دین بلند مرتبے پر صرف وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں کہ جو خود کو دیکھنا چھوڑ دیں۔ اپنی ذات کو قربان کر دیں۔ اپنے عیش و آرام کو ایثار کر دیں۔ اپنی خواہشات کو ترک کر دیں اور اپنی ہستی کو فنا کر کے دوسرے انسانوں کے فائدے اور آرام اور ان کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ خدمت خلق کے اعلیٰ معیارات اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے بلند درجات صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں کہ انسان خود کو بھول کر اپنی ذات کو فراموش کر کے اور اپنے آرام کو ترک کر کے دوسرے انسانوں کی خدمت میں مصروف و مشغول ہو جائے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدمت خلق سے زیادہ اور کوئی وصف ہے ہی نہیں جس سے معاشرے میں استحکام پیدا ہو محبت و الفت کی فضا قائم ہو اور لوگ ایک دوسرے کو اپنا دوست، ہمدرد اور بہی خواہ سمجھنے لگیں محتاجوں کی ضرورت پوری کرنا بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑے پہنانا، بیمار کے لئے علاج کا انتظام کرنا، یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا اور ان کی اس طرح سرپرستی کرنا کہ وہ جوان ہو کر معاشرے کے لئے کارآمد افراد بن جائیں اور پھر وہ خود بھی خدمت خلق کریں، بیواؤں کی اس طرح سرپرستی کرنا کہ ان کو معاشرہ میں عزت کا مقام ملے اور ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں، یہ سب بنیادی خدمات ہیں جن سے نہ صرف خدمت کرنے والے کے جذبے کی تسکین ہوتی ہے اور ضرورت مندکی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں بلکہ ان خدمات کے ذریعے سے معاشرہ امن و امان اور خوشحالی کا گہوارہ بن جاتا ہے اور کسی کو کسی سے شکایت باقی نہیں رہتی۔ تمام اشخاص ایک دوسرے کو اپنا بھائی، مددگار اور ہمدرد سمجھنے لگتے ہیں اور باہمی اعتماد اور الفت کا بے پناہ جذبہ جاری و ساری رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہر مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ بلکہ یہی وہ نمونہ ہے جس کی اطاعت و پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ حضورؐ کی حیات طیبہ درحقیقت خدمت خلق سے عبارت ہے۔ آپؐ کی تمام زندگی خدمت کی خدمت ہے۔

ایک مرتبہ ایک عورت مکہ مکرمہ کی ایک گلی سے گزر رہی تھی۔ اس کے سر پر اتنا بھاری بوجھ تھا کہ وہ بمشکل قدم اٹھا سکتی تھی۔ بعض لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریب ہی تھے۔ آپ ﷺ اس عورت کو مشکل میں دیکھ کر فوراً آگے بڑھے اور اس کا بوجھ خود اٹھا کر اس کی منزل پر پہنچا دیا۔

سامنے پیارے نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے اور یہ اتنی بڑی دولت و نعمت ہے کہ مسلمان کو اس کے زیادہ کسی چیز کی ضرورت ہے نہ حاجت ان کو ضرورت ہے اب تو صرف عمل کی۔ ہمیں اس کا جلد احساس و ادراک کر لینا چاہیے اور اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرنے کی شدید جدوجہد کر لینی چاہیے۔ اعمال میں ایک عمل خدمت خلق ہے۔ ہمیں صحابہ کی طرح ہونا چاہیے کہ ہم ایسے انسان بنیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

﴿ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة﴾

یعنی ''ترجیح دیتے ہیں اپنے پر دوسروں کو خواہ خود ضرورت مند کیوں نہ ہوں۔''

اور ہمارا ایمان اس حدیث شریف پر ہونا چاہیے کہ: ''اللہ اس بندے کی مدد کرتا ہے کہ جو دوسرے بندوں کی مدد کرتا ہے۔''

خدمت خلق ہی کے اس جذبہ صادق کا یہ اثر تھا کہ ہمارے اسلاف کو عزت و توقیر حاصل تھی۔ دنیا دل سے ان کی عظمت کی قائل تھی۔ سے باعث خدمت خلق نے لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے اعلیٰ مقام پیدا کر دیا تھا۔ اس کھوئے ہوئے مقام کی بازیافت ہی ہماری منزل ہے اور اس منزل کو پانے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم رسول برحق ﷺ کی صدق دل سے پیروی کرتے ہوئے دکھی انسانیت کی خدمت کیلئے کمربستہ ہو جائیں۔

جس معاشرے میں خدمت خلق کو شعار بنانے والے لوگوں کی معتدبہ مقدار موجود ہو اس معاشرے میں سکون و راحت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ لوگ پریشانی کے وقت اپنے کو تنہا اور بے یار و مددگار محسوس نہیں کرتے۔ ان کو یقین ہوتا ہے کہ ہمارے بھائی ہماری مدد کریں گے۔ غور کیا جائے تو مسلم معاشرہ ہی ایسا معاشرہ ہو سکتا ہے کیونکہ ان کا رسول ﷺ رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا اور رحمت للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ [illegible]

خدمت خلق اور احادیث مبارکہ

حدیث نمبر ۱..... حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ منبر پہ تشریف لائے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے

ہے کہ مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے کا ہمدرد ہونا چاہئے۔ اور ان کے آپس میں رحمت و شفقت کا ایسا تعلق ہونا چاہئے جیسے کہ ایک جسم کے اعضاء کا ایک دوسرے سے ہوتا ہے اگر کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو تمام جسم بے چین رہتا ہے حتیٰ کہ اس عضو کی تکلیف ختم ہو جائے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث نمبر ۲..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا! جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتے ہیں اور جو شخص اپنے بھائی کی کسی پریشانی کو دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پریشانی دور فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (مسلم)

حدیث نمبر ۳..... حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تمہارا کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بھلائی پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری)

حدیث نمبر ۴..... رسول اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت (پوری کرنے) میں کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم پر ستر نیکیاں لکھے گا اور اس کے ستر گناہ مٹا دے گا۔ یہاں تک کہ جہاں سے وہ چلا تھا وہاں واپس آ جائے۔ پس اگر اس بھائی کی حاجت اس کے ہاتھ پر پوری ہوگئی تو وہ (کوشش کرنے والا شخص) اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا کہ اس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا اور اگر اس (کوشش) کے دوران ہلاک ہوگیا تو وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہو جائے گا۔ (ترغیب و ترہیب)

حدیث نمبر ۵..... رسول اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مومن کو خوش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اس کی توحید بیان کرتا ہے (یعنی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے) پس جب بندہ اپنی قبر میں منتقل ہو جاتا ہے تو وہ خوشی اس کے پاس آتی ہے اور کہتی ہے کیا تو مجھ کو نہیں پہچانتا تو وہ اس کو کہتا ہے تو کون ہے تب وہ کہتی ہے میں خوشی ہوں کہ تو نے مجھے فلاں شخص پر داخل کیا تھا آج میں تیری وحشت کو انس میں تبدیل کر دوں گی۔ اور تجھ کو حجت (

وسائل) کی تلقین کروں گی اور تجھ کو قول ثابت (کلمہ شہادت) پر ثابت رکھوں گی اور تیرے رب کی حاضری کے مقامات میں تیرے ساتھ حاضر ہوں گی اور تیرے لئے رب کی طرف شفاعت کروں گی اور تجھ کو جنت میں تیری منزل دکھاؤں گی۔

حدیث نمبر ۶ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربار الٰہی میں عرض کیا اے اللہ مجھے وہ شخص بتا جو تجھے مخلوق میں سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ مجھے وہ شخص سب سے زیادہ پیارا ہے جو کسی مومن کے کام نکلنے کی فکر اس طرح کرے گویا خود اس کو لگا ہے۔ (اصلاحی خطبات)

حدیث نمبر ۷..... رسول اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو دوسروں پر رحم کرنے والے ہیں، رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے زمین والوں پر تم رحمت کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ لہٰذا جب تک اللہ کی مخلوق کے لئے تمہارے دل میں رحم نہیں ہوگا، اس وقت تک تم مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ تم اللہ کی رحمت کے امیدوار کیسے ہوگے۔ جب اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتے۔ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں اور اللہ کی مخلوق سے محبت کرو۔

فائدہ..... مندرجہ بالا تمام احادیث کے مطالعہ کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے خدمت خلق سے متعلق کس قدر فضائل کا اہتمام کیا ہے چنانچہ معلوم ہوا کہ مخلوق کو کسی بھی پریشانی کے مشکل وقت میں ان کی مدد کرنا عین ثواب اور ترقی کا باعث ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب ہے۔ قابل فخر انسان وہی ہے جو اپنی استطاعت کو مخلوق خدا کے لئے صرف کرے اپنی ذات کے لئے کرتے کرتے ہی زندگی گزارنا حقیقی انسانوں کا کام نہیں کیونکہ بقول شخصے اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں دوسروں کے لئے جینا ہی زندگی کی اصل معراج ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو مخلوق خدا کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گناہوں سے بچنے کا ایک سبق آموز واقعہ

حضرت علامہ عبداللہ بن اسعد یافعی نے فن تصوف میں ایک کتاب لکھی اس کا نام "الترغیب والترہیب" ہے اس میں انہوں نے ایک نوجوان کا واقعہ نقل فرمایا کہ ایک نوجوان سے ہمیشہ مشک اور عنبر کی خوشبو مہکتی تھی تو اس کے کسی متعلق نے اس سے کہا کہ آپ ہمیشہ اتنی عمدہ ترین خوشبو میں معطر رہتے ہیں، اس میں کتنا پیسہ بلا وجہ خرچ کرتے رہتے ہیں؟ تو اس پر نوجوان نے جواب دیا کہ میں نے زندگی میں کوئی خوشبو نہیں خریدی اور نہ ہی کوئی خوشبو لگائی تو سائل نے کہا تو پھر یہ خوشبو کہاں اور کیسے۔ نوجوان نے کہا کہ یہ ایک راز ہے جو بتلانے کا نہیں۔ سائل نے کہا کہ آپ بتلا دیجئے شاید اس سے ہم کو کوئی فائدہ ہو۔

نوجوان نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرے باپ تاجر تھے گھریلو سامان فروخت کیا کرتے تھے، میں ان کے ساتھ دوکان میں بیٹھا تھا، ایک بوڑھی عورت نے آ کر کچھ سامان خریدا اور والد صاحب سے کہا کہ آپ اپنے لڑکے کو میرے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ میں اس کے ہاتھ سامان کی قیمت بھیج دوں۔ میں اس بوڑھی عورت کے ساتھ گیا تو ایک نہایت خوبصورت گھر میں پہنچا، اور اس میں ایک نہایت خوبصورت کمرے میں ایک مسہری پر ایک خوبصورت لڑکی موجود تھی، وہ مجھ کو دیکھتے ہی میری طرف متوجہ ہوئی، کیونکہ میں بھی نہایت حسین ہوں، میں نے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کیا تو اس نے مجھے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو اللہ پاک نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی۔ میں نے کہا کہ مجھے قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء جانے کی ضرورت ہے۔ اس نے فوراً اپنی باندیوں اور خادموں سے کہا کہ جلدی سے بیت الخلاء ان کے لئے صاف کر دو۔ میں نے بیت الخلاء میں داخل ہو کر خود اجابت کر کے نجاست کو اپنے بدن اور کپڑوں پر مل لیا، اور اسی حالت میں باہر آیا جب مجھے اس حالت میں دیکھا تو اس نے کہا فوراً اسے یہاں سے باہر نکال دو یہ مجنون ہے، میرے پاس ایک درہم تھا، میں نے اس سے ایک صابون خرید کر ایک نہر میں جا کر غسل کیا، اور کپڑے بھی دھو کر پہن لئے۔ اور میں نے یہ راز کسی کو بتلایا نہیں۔ جب میں اسی رات سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتے نے آ کر مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو جنت کی بشارت ہے، اور معصیت سے

بچنے کے لئے جو تدبیر تم نے اختیار کی اس کے بدلے میں تم کو یہ خوشبو پیش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ میرے پورے بدن میں وہ خوشبو لگائی گئی جو میرے بدن اور کپڑوں سے ہر وقت مہکتی رہتی ہے۔ جو آج تک لوگ محسوس کرتے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین!

گناہوں سے بچنے کا دوسرا سبق آموز واقعہ

فقیہ ؒ یہ حکایت نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد شخص تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال بھی بہت دے رکھا تھا اپنے ہاتھ سے زنبیل بنتا اور فروخت کر کے بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک دن وہ بادشاہ کے دروازے پر سے گزرا، بادشاہ کی بیوی کی خادمہ نے دیکھ لیا۔ جا کر ملکہ سے کہنے لگی کہ یہاں ایک آدمی ہے کہ ایسا حسین شخص کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ زنبیل فروخت کرتا پھر رہا ہے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ میرے پاس لے آؤ۔ اسے لایا گیا تو بس دیکھتے ہی لٹو ہوگئی۔ کہنے لگی پھینک دے اور یہ چادر سنبھال، باندی سے کہا کہ تیل اور خوشبو وغیرہ لا، ہم آج سے اپنی حاجت براری کریں گے اور عابد سے کہنے لگی کہ اب تجھے زنبیلیں بیچنے کی ضرورت نہیں رہے گی، عابد بار بار انکار کرتا رہا۔ کہنے لگی اگر تو یہ کام نہیں کرنا چاہتا تو اس کے بغیر یہاں سے باہر نہیں جا سکتا، اور دروازے بند کرنے کا حکم دیا، عابد نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگا تمہارے محل کے اوپر کوئی ضرورت کی جگہ ہے، کہنے لگی ہاں! باندی کو حکم دیا کہ اس کے لئے پانی وغیرہ اوپر لے جا۔ یہ اوپر چھت کے ایک کونے کی طرف گیا، دیکھا کہ محل بہت اونچا ہے، کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ لٹک کر نیچے اتر جائے، آخر اپنے نفس کو خطاب اور عتاب کرنے لگا کہ تو ستر برس سے اپنے رب کریم کی رضا کی طلب میں لگا ہوا ہے۔ رات دن اسی دھن میں گزرتے ہیں تجھ پر آج ایک شام ایسی آئی ہے جو تیری اس تمام محنت کو ضائع کر دے گی واللہ! تجھ سے بڑھ کر کوئی خائن نہ ہوگا، اگر یہ شام تیرے اعمال کو فاسد کر گئی۔ پھر اللہ کو کیا منہ دکھائے گا۔ غرض اسی طرح اپنے آپ کو خطاب اور عتاب کرتا رہا۔ منصور ابن معتمر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب اس نے بلندی سے کود جانے کا تہیہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ندا دی، انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا، ارشاد ہوا میرا بندہ میری معصیت اور ناراضگی سے بچنے کے لئے جان کی بازی لگا رہا ہے، جا اپنے پروں سے اس کو تھام لے اور اسے ذرا بھی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پر پھیلایا اسے پکڑ کر یوں

زمین پر رکھ دیا جیسا ایک مہربان باپ اپنے بیٹے کو رکھتا ہے۔ فرمایا کہ عابد یہاں سے سیدھا گھر گیا۔ ٹہنیاں وغیرہ دیں، اتنے میں سورج غروب ہو چکا تھا، بیوی کہنے لگی ٹہنیوں کی قیمت کہاں ہے؟ کہنے لگا آج تو ان کا کچھ نہیں ملا، کہنے لگی تو آج رات افطار کس چیز سے کریں گے۔ کہنے لگا آج کی رات یوں ہی ذرا صبر سے کاٹ لیں گے۔ پھر کہنے لگا اٹھ کر تنور میں آگ جلا دے ہمسائے تنور میں آگ نہیں دیکھیں گے تو نہ معلوم کیا کچھ خیالات دوڑائیں گے۔ خواہ مخواہ انہیں پریشان کرنا اچھا نہیں۔ بیوی نے اٹھ کر تنور میں آگ جلا دی۔ خود واپس آکر بیٹھ گئی۔ ایک پڑوسن آگ لینے کو آئی، پوچھا آگ ہے، جواب ملا آگے بڑھ کر تنور سے لے لو۔ یہ عورت آگ لے کر واپس ہوئی تو گھر والی سے کہنے لگی، بہن تو یہاں بیٹھی باتیں کر رہی ہے۔ ادھر تیری روٹیاں پک چکی ہیں بلکہ جلنے کو ہیں، عورت نے اٹھ کر دیکھا تو تنور بہترین روٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ عورت نے انہیں برتن میں رکھا اور خاوند کے پاس لے آئی اور کہنے لگی کہ تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ تیرے بلند درجات کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کہ ہماری باقی عمر خوشحالی اور فراخی میں گزرے، عابد کہنے لگا اسی حال پر صبر اچھا ہے۔ مگر عورت کا اصرار بڑھتا گیا حتیٰ کہ عابد نے بات کرنے کا وعدہ کر لیا۔ آدھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ میری بیوی کا اصرار اور تقاضا ہے کہ اس کو باقی عمر میں خوشحالی اور فراخی عطا فرما۔ اتنے میں چھت پھٹ گئی۔ یاقوت اور موتیوں سے بھری ہوئی تشتری نیچے آئی جس سے تمام گھر چمک اٹھا۔ عابد نے بیوی کا پاؤں دبایا جو قریب ہی سوئی تھی اور کہا کہ اٹھو بیٹھو اور جو چاہتی تھی وہ سنبھال لے۔ عورت بیدار ہو کر کہنے لگی جلدی نہ کرو جس مقصد کے لئے تو نے مجھے جگایا ہے میں خواب دیکھ رہی تھی۔ سونے کی بہت سی کرسیاں بچھی ہوئی ہیں جو یاقوت اور زبرجد وغیرہ سے مرصع ہیں۔ ان میں سوراخ ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کرسیاں کس کی ہیں؟ جواب ملا یہ تیرے خاوند کے بیٹھنے کے لئے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ سوراخ کیا ہیں؟ جواب ملا یہ وہی نقص اور کمی ہے جو دنیا کی جلد بازی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے تو میں نے کہا کہ میں کسی ایسی چیز کی خواہش نہیں رکھتی جس سے تیری نشست گاہ میں نقص پیدا ہو۔ لہٰذا اپنے رب سے واپسی کی دعا کرو۔ عابد نے دعا مانگی اور تشتری واپس ہو گئی۔

([illegible])

ہدایات نمبر ۷

کچھ ہدایات اخلاقی برائیوں سے بچنے سے متعلق

قرآن کریم کی بے شمار آیات میں اچھے اخلاق کی تعریف کے ساتھ برے اخلاق کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ اکثر و بیشتر برے اخلاق کی نسبت یہودیوں اور منافقوں کی طرف کر کے یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے دامن زندگی کو دشمنان اسلام والی عادتوں اور صفات کے ساتھ ملوث کرے۔ جھوٹ، وعدہ خلافی، غصہ میں آپے سے باہر ہو جانا، غیبت، حسد، تکبر اور خیانت ان قبیح اخلاق میں سے ہیں جن کی قرآن اور حدیث میں سخت مذمت بیان کی گئی ہے۔ یہ موقع نہیں کہ ان مذموم اخلاق کے حوالے سے قرآنی آیات ذکر کی جائیں، اس لئے ہم بالترتیب احادیث کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

جھوٹ... جھوٹ وہ اخلاقی بیماری ہے جس نے جسد ملت کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے اور بہت کم افراد ہیں جو اس سے بچے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ بولنا ایک فیشن اور ہماری ضرورت بن چکا ہے اور یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جھوٹ کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ نہ دوستی قائم رکھی جا سکتی ہے، نہ تعلقات خوشگوار ہو سکتے ہیں، نہ تجارت ہو سکتی ہے، نہ دکان چل سکتی ہے، نہ سیاست اور حکومت کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ہر شعبے میں جھوٹ ہی کا چلن دکھائی دیتا ہے حالانکہ سرور دو عالم ﷺ نے جھوٹ کو منافق کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا ہے۔ حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "منافق کی تین نشانیاں ہیں وہ جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرتا ہے وعدہ خلافی کرتا ہے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے

وعدہ خلافی..... وعدہ خلافی بھی جھوٹ ہی کی ایک صورت ہے اور مسلمانوں کے عوام و خواص میں یہ اخلاقی بیماری عام ہو گئی ہے۔ بڑے بڑے لوگ (یعنی جو لوگوں کی نظر میں بڑے ہوتے ہیں) وعدہ خلافی کرتے ہیں اور اسے کوئی عیب بھی نہیں سمجھتے۔ قرض لے کر بوقت ادا کرنا معین وقت پر

تقریب کا آغاز نہ کرنا، کسی پروگرام میں شرکت کا وعدہ کر کے نہ پہنچنا، بیع وشراء کا معاہدہ کر کے پھر جانا، یہ سب وعدہ خلافی کی وہ صورتیں ہیں جن میں ابتلاء عام ہے جبکہ ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے وعدہ خلافی کو بھی منافقت کی علامت قرار دیا ہے۔ مسلمان تو مسلمان ہمارے حضور نے کافر کے ساتھ وعدہ خلافی کو بھی بہت بڑا جرم قرار دیا ہے، حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے کسی ایسے ذمی کو قتل کیا جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ثابت ہو چکا تھا تو اس نے اللہ کا ذمہ توڑا ہے لہٰذا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے محسوس ہو جاتی ہے۔" (ترمذی)

غصہ... غصہ برا بھی ہوتا ہے اور اچھا بھی ہوتا ہے، اگر اللہ کی رضا کے لئے اور دین اور حق کے معاملے میں غصہ آئے تو قابل تعریف ہے اور اگر ناحق غصہ آئے تو قابل مذمت ہے، غضب اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، خود آنحضرت ﷺ جب کبھی اللہ کا کوئی حکم ٹوٹتے دیکھتے تھے تو آپ کو شدید غصہ آتا تھا، ایسے موقع پر غصہ آ جانا یقیناً ایمان کی علامت ہے لیکن اگر کسی کو نفسانی خواہشات اور اغراض کی وجہ سے غصہ آئے یا غصہ تو حق بات پر ہی آئے مگر حد سے بڑھ جائے تو وہ قابل مذمت ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ نے جن احادیث میں غصہ کی مذمت بیان فرمائی ہے ان میں اسی قسم کا غصہ مراد ہے حضرت عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ وضو کر لے۔" (ابوداؤد)

غیبت... غیبت ایسا گناہ ہے جس کی وجہ سے غیبت کرنے والے کو جہنم میں بدبودار گندگی کھانی پڑے گی، وہ عذاب قبر میں مبتلا ہوگا، غیبت کی وجہ سے ایمانی انوار ختم ہو جاتے ہیں، صاحب غیبت کو اللہ تعالیٰ بھی اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے، یہ ایک ایسی اجتماعی مرض ہے جس کی وجہ سے باہمی تعلقات خراب ہوتے ہیں اور محبت کا رشتہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے مگر ان تمام مفاسد کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت اس مرض میں مبتلا ہے نہ معلوم کتنے گھرانے اور ادارے اس مرض کی وجہ سے تباہی کا شکار ہو چکے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ آپس میں خوب محبت اور خندہ روئی سے ملتے تھے اور پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی غیبت نہیں

ہدایات نمبر ۸

کچھ ہدایات بے جا غصہ سے بچنے سے متعلق

غصہ سے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی مختصر سا عمل بتلا دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو، اس نے دوبارہ بھی درخواست کی آپ صلی اللہ ﷺ نے پھر یہی جواب دیا۔ ([illegible])

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی یہ حدیث بھی روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ وہ شخص طاقتور اور بہادر نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور اور پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ ([illegible])

رسول اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص نے غصہ ضبط کرلیا باوجودیکہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دیں گے۔ (جامع صغیر ج ۲)

رسول اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص نے غصہ کو ضبط کرلیا اور آنحالیکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حور کو چاہے اپنی پسند سے انتخاب کرلے۔ ([illegible])

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے غصے کو روکے گا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روکے گا اور اپنے رب کے سامنے جو عذر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمائیں گے اور جو اپنی زبان کو تھام رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپائیں گے۔ ([illegible])

ہدایات نمبر ۹

کچھ ہدایات منشیات سے بچنے سے متعلق

منشیات ایک زہر قاتل مرض ہے جس نے اچھے اچھے ہنستے بستے گھروں کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اسے حرام قطعی قرار دیا ہے۔ مثالی زندگی کے لئے یہ ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ کوئی انسان چاہے کتنے ہی اوصاف کا مالک کیوں نہ ہو اور چاہے اس کے پاس دولت کے انبار کتنے ہی کیوں نہ ہوں، لیکن اگر وہ منشیات کا عادی ہے تو سمجھ لیں کہ اس کے سارے اوصاف وخوبیاں اور اس کی ساری دولت ہی بیکار ہے۔

منشیات کے اخلاقی اور معاشرتی نقصانات

منشیات کے عام ہونے سے جو اخلاقی و معاشرتی نقصان سامنے آ رہے ہیں وہ انتہائی مضر اور تکلیف دہ ہیں۔ آج کل اخبارات میں ہم جو جرائم، چوریاں، ڈکیتیاں، قتل و غارت گری کی خبریں پڑھتے ہیں ان سب کا محرک تقریباً یہی منشیات ہے۔ یہ ایسی تباہ کن چیز ہے جو انسان کو ہوش وحواس سے یکسر دست کش کر دیتی ہے۔ نشے کا عادی انسان حقیقی دنیا کو بھول کر تخیلات کی وادیوں میں بھٹکنے لگتا ہے اور پھر اس نشے کی وجہ سے بعض دفعہ انسان سے ایسی ایسی اخلاق سوز اور بے ہودہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ الامان الحفیظ۔ یہی لعنت ہے جو انسان سے ماں باپ، بہن بھائی اور برادری کی تمام اقدار واحترام کو سلب کر کے رکھ دیتی ہے جو یقیناً انتہائی ناکامی و نامرادی کے مترادف ہے۔ غرض منشیات کا عادی اخلاقی اقدار اور معاشرتی آداب سے ناواقف ہو کر پستیوں میں گرتا چلا جاتا ہے اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ نہ صرف وہ اپنی دنیا تباہ کرتا ہے بلکہ اپنی آخرت بھی کھو لیتا ہے۔

''منشیات'' کے جسمانی نقصانات

نشہ کرنے والوں کی اکثریت امراضِ تنفس کا شکار ہو جاتی ہے۔ سگریٹ کے ساتھ ہیروئین کے کش لگانا سونے پر سہاگے کا کام کرتے ہیں، پھیپھڑوں میں زخم اور سانس کی نالیاں تنگ ہو جاتی ہیں۔ افیون، چرس اور بھنگ کے عادی افراد کے پھیپھڑے خشک ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے پھیپھڑوں کی حرکات سست ہو جاتی ہیں اور لمبے لمبے سانس لینے پڑتے ہیں، جسم کو آکسیجن کم ملتی ہے۔ ان منشیات کا استعمال کرنے والے تپ دق، دمہ، برونکائٹس اور سانس لینے میں دقت کا سامنا کرتے ہیں ان کے اعضاء تنفس میں زخم، ورم اور سوراخ ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے خون منہ اور ناک کے راستے جاری ہو سکتا ہے اور موت چند قدم دور رہ جاتی ہے۔

ان منشیات کی وجہ سے سب سے زیادہ مضر اثرات دماغ پر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ شروع میں سب سے پہلے نشہ کرنے والا دماغی امراض میں مبتلا ہوتا ہے۔ دماغ کی کارکردگی سب سے پہلے سست ہوتی ہے جس کے نتیجے میں جسم کا ہر نظام مکمل سست پڑ جاتا ہے۔ دو دماغی امراض جو نشہ سے لاحق ہوتے ہیں ان میں نسیان، مرگی، سر چکرانا، نیند میں کمی، پاگل پن، سوچنے اور قوت فیصلہ میں کمی قابل ذکر ہیں۔

آج کے معاشرے کے نوجوانوں میں منشیات کی ایک قسم ہیروئن نے سخت ترین تباہی پھیلائی ہوئی ہے۔ ایک بار تو کوئی اور کش لگوا دیتا ہے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کی عمر کے لئے یہ تباہی گلے پڑ جاتی ہے۔ آج کل ہیروئن میں جرم سٹ مٹی کی ملاوٹ کی جاتی ہے اور یہ کیمیکل انتہائی زہریلا اور خراش ڈالنے والا ہے کہ جہاں جہاں اس کا اثر پڑتا ہے یہ خراش ڈالتا ہے۔ یہ بالوں تک کو صاف کر دیتا ہے، ہیروئن کے عادی افراد کے پھیپھڑوں میں زخم ہو جاتے ہیں جو کسی بھی وقت پھٹ سکتے ہیں، معدہ کی جھلی گلنے لگتی ہے، خون کی نالیاں پھٹنے سے بعض اوقات نکسیر پھوٹنے لگتی ہے، تھوک کے ساتھ خون آنے لگ جاتا ہے، دل دن بدن کمزور ہونے لگتا ہے، جو کسی وقت بھی اپنی دھڑکن بند کر سکتا ہے۔ جنسی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں، بلڈ پریشر بھی نارمل نہیں رہتا، جسم ٹوٹتا رہتا ہے، ہر وقت تھکاوٹ کی رہتی ہے۔ بہت سی بیماریاں جسم کے اندر موجود ہوتی ہیں لیکن بے حسی کی وجہ سے

ظاہر نہیں ہوتیں، مقدار میں زیادتی کی وجہ سے بعض لوگوں کے سپرم ڈیڈ یا سست رو ہو جاتے ہیں اور یہ لوگ اولاد کے قابل نہیں رہتے، معدہ میں زخم ہو جانے کی وجہ سے جلن محسوس ہوتی ہے۔ ہضم کا عمل ٹھیک طور سے نہیں ہوتا۔ پیٹ میں درد رہنے لگ جاتا ہے، کھانے پینے کی رغبت کم ہو جاتی ہے۔ پھیپھڑوں کے زخموں کی وجہ سے پھیپھڑوں میں پیپ پڑ جاتی ہے اور سخت کام کرنے یا چلانے سے پھیپھڑے پھٹ سکتے ہیں، وہ ہاتھ جو ایک من چیز اٹھاتے تھے دس کلو بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔

نشہ کرنے والوں کی بیویاں بالآخر ان سے طلاق لے لیتی ہیں، بھائی بہن ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اولاد بھی آنکھیں پھیر لیتی ہے، نشہ پر جو رقم خرچ ہوتی ہے اس سے آدمی محلوں سے نکل کر در بدر کا محتاج ہو جاتا ہے کوئی اس سے بات کرنا گوارا نہیں کرتا اس ڈر سے کہ کہیں لوگ مجھے بھی نشئی نہ سمجھنے لگ جائیں۔

اگر مزید نقصانات کے اعتبار سے دیکھیں تو ہمارے ہاں جن منشیات کا استعمال عام ہو گیا ہے، وہ شراب سے کہیں زیادہ خطرناک اور بدترین ہیں۔

غرض معاشرے میں پھیلی ہوئی اکثر بیماریاں یعنی نظام تنفس کی تباہی، پھیپھڑے کا کینسر، ضیق دمہ، دل کا انجماد، اچانک موت، خون کی نالیوں میں جماؤ اور اس نتیجے میں پیدا ہونے والی معذوری، دوران خون کی خرابی اور اس کا انجماد، نظام ہضم کا تعطل، ہونٹ، حنجرہ، آنت اور لبلبے کا کینسر وغیرہ اور حاملہ عورت اور اس کے بچے میں پیدا ہونے والی تمام خرابیاں انہی منشیات کا سیاہ نتیجہ ہیں۔

غور کریں! وہ نوجوان جو اس لعنت میں گرفتار ہیں، یا جو ایسوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھتے ہیں، اور سوچیں وہ احباب جن کے عزیز و اقارب اس لعنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا چکے ہیں کہ یہ منشیات کس قدر تباہی و بربادی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے خدارا اس لعنت سے خود بھی کوسوں دور رہیں اور دوسروں کو بھی اس سے دور رکھیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار.

ہدایات نمبر ۱۰

کچھ ہدایات بدنظری سے بچنے سے متعلق

یاد رکھیے! زندگی کی کامیابی کے لئے بدنظری سے پرہیز کرنا بھی بہت ضروری ہے، یہ بدنظری ایک مہلک ترین بیماری ہے جسے لگ جائے تو اسے نہ تو بدنظری کرنے سے چین آتا ہے اور نہ ہی بدنظری سے بچنے سے چین آتا ہے اور وہ یوں ہر وقت سرگرداں و پریشان رہتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے اور جو انسان بدنظری پر بدنظری کرتا چلا جاتا ہے تو بالآخر زنا جیسی دلدل میں پھنس کر رہتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے اس لئے اگر مثالی زندگی کی تلاش ہے تو اس کے لئے بدنظری سے پرہیز کرنا فرض عین سمجھنا چاہئے آج کتنے ہی لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہماری عبادت میں ہمیں مزہ نہیں آتا یا عبادت کرنے کو دل نہیں چاہتا حقیقتاً اس کی وجہ اس طرح کے باطنی اور مہلک گناہ ہوتے ہیں اور خصوصاً بدنظری تو واقعتاً انسان کو ہلاک کر کے چھوڑتی ہے۔

بدنظری کسے کہتے ہیں

"بدنظری" کا حاصل یہ ہے کہ کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا، بالخصوص جب کہ شہوت کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے، یا لذت حاصل کرنے کے لئے نگاہ ڈالی جائے، چاہے وہ غیر محرم حقیقی طور پر زندہ ہو، اور چاہے غیر محرم کی تصویر ہو، اس پر بھی نگاہ ڈالنا حرام ہے، اور "بدنگاہی" کے اندر داخل ہے۔ یہ بدنگاہی کا عمل اپنے نفس کی اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اور یہ عمل انسان کے باطن کے لئے اتنا تباہ کن ہے کہ دوسرے گناہوں سے یہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے، اور انسان کے باطن کو خراب کرنے میں اس کا بہت دخل ہے۔ جب تک اس عمل کی اصلاح نہ ہو اور نگاہ قابو میں نہ

آئے اس وقت تک باطن کی اصلاح کا تصور تقریباً محال ہے۔

حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "النظر سهم مسموم من سهام ابلیس" یعنی یہ "نظر" ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے، یہ تیر جو ابلیس کی کمان سے نکل رہا ہے، اگر کسی نے اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی اصلاح میں ایک بڑی رکاوٹ کھڑی ہوگئی، اس لئے کہ انسان کے باطن کو خراب کرنے میں جتنا دخل اس آنکھ کے غلط استعمال کا ہے شاید کسی اور عمل کا نہ ہو۔

یاد رکھئے! کامیاب زندگی کیلئے ضروری ہے کہ اپنی آنکھوں کی حفاظت کی جائے۔ آج کل بد نظری کا مرض عام ہے۔ جہاں کوئی عورت ملی وہاں اس پر نظر ڈال لی، نہیں تو ٹی وی دیکھ لیا اور دیواروں پر ننگی تصویریں دیکھ کر دل بہلا لیا۔ کسی نے کہا کہ یہ ٹیلی ویژن پر تصویر نہیں بلکہ عکس ہے میں نے کہا کہ عورت کے عکس کا دیکھنا بھی ناجائز ہے بلکہ عکس کا دیکھنا تو بسا اوقات عورت کے دیکھنے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ حقیقی عورت کو دیکھنے میں ذرا حوصلہ چاہئے کہیں ناراض نہ ہوں۔ لیکن عکس کے دیکھنے والے کو حوصلے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس میں تو اور زیادہ آدمی مبتلا ہوسکتا ہے۔ اس بد نظری کی سنگینی اور خطرناکی کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی شریعت نے بد نظری کے ہر دروازہ کو بند کرنے پر نہایت زور دیا ہے۔ قرآن کریم کے احکامات اور احادیث طیبہ کی روشن ہدایات اس سلسلے میں ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہیں اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بد نظری کے نقصانات

بد نظری سے ایک روحانی نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس مرض کے بعد عبادت کی حلاوت ختم ہو جاتی ہے عبادت بے لذت ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

رسول اقدس ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑ جائے تو پھر وہ اپنی نگاہ ہٹالے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک ایسی عبادت عطا فرمادیتے ہیں کہ جس کی لذت وہ اپنے دل میں پاتا ہے معلوم ہوا کہ نگاہ ہٹا لینے میں عبادت کی لذت محسوس ہوتی ہے اور اس کے برعکس

کرنے میں عبادت کی حلاوت اور لذت ختم ہو جاتی ہے۔ بدنظری کے طبی نقصان یہ ہیں کہ مثانہ کمزور ہو جاتا ہے جس سے پیشاب کے قطرے یا مذی کے قطرے آتے رہتے ہیں اور وضو میں مشکل پیدا ہو جاتی ہے نیز بدنگاہی کے مریضوں کو اکثر جریان کی شکایت ہو جاتی ہے کیونکہ خیالات کی گندگی اور بدنگاہی سے منی پتلی ہو کر پیشاب کے ساتھ یا کثرت احتلام کی صورت میں ضائع ہونے لگتی ہے جس سے دماغ کی کمزوری، دل کا کمزور ہونا اور گھبرانا اور کمر میں درد، پنڈلی میں درد، سر میں چکر، آنکھ کے سامنے اندھیرا آنے لگنا، سبق یاد نہ ہونا یا یاد ہو کر جلد بھول جانا، کسی کام میں دل نہ لگنا، غصہ کا بڑھ جانا، نیند کا کم آنا، ہمت اور ارادہ کا پست ہو جانا، چونکہ منی ایک قیمتی سرمایہ ہے اس کے ضائع ہونے سے ان علامات مذکورہ کا ظاہر ہونا ایک فطری اور ضروری امر ہے لہذا طالب علموں کو نوجوانی میں بہت ہی اہتمام سے بری صحبت اور بدنگاہی سے بچنا چاہئے۔

بدنظری سے بچنے کا ایک علاج

بدنگاہی سے بچنے کا ایک نسخہ یہ ہے کہ ہمت سے کام لے کر طے کر لو کہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی۔ اس کے بعد پھر چاہے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں لیکن اس نگاہ کو مت اٹھاؤ۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں برباد ہوں .... اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

بس ہمت اور ارادہ کر کے اس نگاہ کو بچائیں تو پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد اور نصرت آتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آنکھ کو بدنگاہی سے بچانے کی کچھ تدبیریں بیان فرمائی ہیں، وہ ذرا حکمت کی باتیں فرماتے ہیں کہ:

”اگر کوئی عورت نظر آئے اور نفس یہ کہے کہ ایک دفعہ دیکھ لے کیا حرج ہے؟ کیونکہ تو یہ فعل تو کرنے کا ہی نہیں۔ تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نفس کا مکر ہے۔ اور طریقہ نجات کا یہ ہے کہ عمل نہ کیا جائے۔“ ([illegible])

﴿اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین﴾

پانچواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی معمولات

قابل احترام بھائیو! یہ باب ہماری کتاب "مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو" کا پانچواں باب ہے، اس باب میں دس مثالی معمولات کو پیش کیا گیا ہے یعنی وہ معمولات جو رسول اقدس ﷺ کی تعلیمات سے ہمیں ملتے ہیں اور جن پر ہمارے نبی ﷺ نے عمل کیا ہے، چنانچہ ان پر عمل کرنا ہمارے لئے بھی ضروری ہے اور یہ معمولات ہمیں جنت تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ بہر حال وہ دس معمولات ان شاء اللہ درج ذیل ترتیب کے مطابق پیش کئے جائیں گے۔

پہلا معمول..................... نماز فجر و مغرب کے بعد کے مخصوص کلمات سے متعلق

دوسرا معمول..................... کلمۂ توحید کے فضائل سے متعلق

تیسرا معمول..................... زبان کی حفاظت سے متعلق

چوتھا معمول..................... شب جمعہ میں درود شریف سے متعلق

پانچواں معمول..................... جمعہ کے دن سورۂ کہف سے متعلق

چھٹا معمول..................... نماز جمعہ کے بعد سورۂ اخلاص و معوذتین سے متعلق

ساتواں معمول..................... تہجد و نماز چاشت کے اہتمام سے متعلق

آٹھواں معمول..................... قبرستان کی زیارت سے متعلق

نواں معمول..................... شب قدر و شب براءت سے متعلق

دسواں معمول..................... پندرہویں شعبان اور ذی الحجہ کے روزے سے متعلق

لیجئے ان دس مثالی معمولات کا مطالعہ کیجئے اور ان پر عمل کیجئے تاکہ آپ کی زندگی کامیاب اور شاداں و فرحاں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں اس تسبیح سے زیادہ بہتر (اور آسان) چیز نہ بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا بتا دیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "سبحان اللہ عدد خلقہ" پڑھ لیا کرو۔ (مسند بزار)

دوسرا معمول

کلمہ توحید کے فضائل سے متعلق

صبح کی نماز کے بعد "اللهم اجرني من النار" کو سات مرتبہ پڑھنے کے بعد دس مرتبہ یہ مبارک الفاظ پڑھا کریں جو حضور اکرم ﷺ کا معمول اور وظیفہ ہیں۔

"لا اله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو حي لا يموت بيده الخير وعلى كل شيء قدير"۔

کلمہ توحید کے فضائل

"لا اله الا الله الخ" کی اس بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ یہ تمام انبیاء کا معمول اور وظیفہ ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نماز صبح کے بعد دس مرتبہ پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد)

حدیث شریف میں ہے کہ اس کے پڑھنے والے کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں جنت میں دس درجے بلند کئے جائیں اور تمام دن شیطان اور اس کی مکروہات سے محفوظ رہے اور اس دن شرک کے سوا کوئی گناہ اس کو ہلاک نہ کر سکے گا اور وہ سب لوگوں سے افضل رہے گا ہاں اگر کوئی اس سے زیادہ پڑھ کر آگے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ (ترمذی)

تیسرا معمول

جسم وجان کی حفاظت سے متعلق

"اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" تین مرتبہ "بسم الله الرحمن الرحيم" تین مرتبہ "اعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق" تین مرتبہ "قل هو الله" "قل اعوذ برب الفلق" "قل اعوذ برب الناس" سب تین تین مرتبہ، "فالله خير حافظا وهو ارحم الراحمين" تین مرتبہ "وان الله قد احاط بكل شيء علما" تین مرتبہ کوئی مختصر درود شریف

تین مرتبہ۔ صبح اور مغرب کی نماز کے بعد ان سب دعاؤں اور سورتوں اور آیتوں کو تین تین مرتبہ پڑھ کر دونوں ہتھیلیوں پر پھونک مار کر اپنے تمام جسم پر پھیر لیا کرے۔

بے شک یہ مجموعہ عمل جسم وجان بدن کی صحت اور حاسدوں اور دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے بہت موثر اور بے مثل ہے۔ بچوں کی حفاظت کے لئے پڑھ کر دم کرنے اور بیمار کے اوپر پھونک ڈالنے کے لئے بھی کارآمد اور مفید ہے۔

عجیب معمول برائے حفاظت جان

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح وشام "اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ھو اللّٰہ الذی" تا آخری سورت حشر پڑھے تو اس پر اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتا ہے جو صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اس پر دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ اس دن انتقال کر جائے تو شہید کی موت مرے گا۔

دوسری حدیث میں ہے جو شخص دن میں تین مرتبہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس سے شیطان کو دفع کرتا رہتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن خبیب نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بارش کی سخت اندھیری رات میں ہم رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلے تا کہ آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھا دیں بالآخر ہم نے آپ ﷺ کو پالیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہو کہتے ہو میں نے کچھ نہ کہا آپ ﷺ نے اسی طرح تین مرتبہ فرمایا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا کہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح وشام "قل ھو اللّٰہ" اور "معوذتین" پڑھا کرو یہ تمہارے لئے ہر چیز سے کافی ہے۔ (ترمذی)

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ ایک رات میں تہائی قرآن شریف پڑھ لے؟ صحابہ نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک رات میں تہائی قرآن شریف پڑھ لے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قل ھو اللّٰہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ البخاری)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کل گزشتہ سانپ نے ڈس لیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تو شام کے وقت "اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من شر

ما خلق" پڑھ لیتا تو تجھ کو کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ (رواہ مالک، مسلم، ابوداؤد)

ترمذی کی روایت ہے جو شخص شام کے وقت یہ دعا تین مرتبہ پڑھ لے اس کو اس رات میں کسی زہریلے جانور کے کاٹنے کی تکلیف نہ ہوگی، حتیٰ کہ زہر کا اثر نہ ہوگا، چنانچہ اس سلسلے میں حضرت سہیل نے بیان کیا کہ میرے گھر والے اس کو پڑھتے تھے ایک دن بچھو نے ایک لڑکی کو ڈس لیا تو اس کی برکت سے کوئی درد نہیں ہوا۔ (رواہ ترمذی)

حضور ﷺ نے ایک شخص کو "قل ھو اللہ احد" پڑھتے سنا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے لئے واجب ہوگئی صحابہ نے پوچھا کیا واجب ہوگئی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا: نوحؑ کے نصف بسم اللہ پڑھنے پر کشتی کو طوفان سے نجات مل گئی تو کیا جو شخص تمام عمر میں پوری بسم اللہ پڑھے وہ کیوں نجات سے محروم رہے گا۔ امام رازیؒ نے فرمایا: جب بسم اللہ آدمی کی شرم گاہ اور شیطان کے درمیان حجاب ہے (مشکوٰۃ) تو قیامت کے دن آدمی اور عذاب کے درمیان بھی یقیناً حجاب بنے گی۔

"فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین" حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے بنیامین کی حفاظت کے لئے بھائیوں کی سپردگی میں دیتے وقت کہا تھا، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت یعقوبؑ نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے عزت وجلال کی قسم میں ضرور دونوں بھائیوں کو تمہارے پاس لوٹا دوں گا۔

"وان اللہ قد احاط بکل شیء علما" سورۂ طلاق کی آیت ہے۔ حدیث میں اس کے ساتھ اور الفاظ بھی مروی ہیں فضیلت یہ ہے کہ جو ان کلمات کو صبح پڑھے گا وہ شام تک اور شام کو پڑھے گا تو صبح تک محفوظ رہے گا۔ (ابوداؤد)

بعض لوگ کہتے ہیں بسم اللہ چار کلمے ہیں، اور گناہ بھی چار قسم کے ہیں دن، رات، ظاہر و پوشیدگی کے گناہ تو جو شخص خلوص دل سے بسم اللہ کہتا ہے اس کے چاروں قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

چوتھا معمول

شب جمعہ میں درود شریف سے متعلق

جمعہ کی رات میں درود شریف ایک سو (۱۰۰) مرتبہ پڑھا کریں۔

شب جمعہ میں درود شریف کے فضائل

حضرت علیؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر سو دفعہ درود شریف پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن ایسی مشعل نور کے ساتھ آئے گا کہ اگر وہ نور تمام خلائق کو تقسیم کر دیا جائے تو سب کو کافی ہو جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! مجھ پر جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن اکثر درود پڑھا کرو کیونکہ تمام وقتوں میں تمہارے درود فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں مگر جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن کی خصوصیت یہ ہے کہ ان وقتوں میں اپنے درود کو خود اپنے کانوں سے ان لوگوں سے سنتا ہوں جو مجھ پر درود پڑھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میرے اوپر روشن رات (یعنی جمعہ کی رات) اور روشن دن (یعنی جمعہ کے دن) میں کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ جب تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے تو میں تمہارے لئے دعا و استغفار کرتا ہوں۔ (فضائل درود)

اکثر احادیث میں جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے پر سرکار کی خدمت میں فرشتوں کے ذریعہ پیش ہونا مذکور ہے۔ جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی فضیلت حضرت ابو ہریرہؓ حضرت انسؓ اوس بن اوسؓ ابو امامہؓ ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ سے نقل کی گئی ہے جن کی روایت علامہ سخاوی نے نقل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ جل شانہ اس کی پیشانی پر "براءة من النفاق و براءة من النار" لکھ دیتے ہیں (یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بری ہے اور جہنم سے بھی بری ہے) اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا حشر شہیدوں کے ساتھ فرمائیں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے جو مجھ پر سو (۱۰۰) مرتبہ درود شریف بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر ہزار درود بھیجیں گے اور جو شخص شوق میں اس پر زیادتی کرے گا تو میں قیامت کے دن اس کے لئے سفارشی اور گواہ ہوں گا۔ ایک جگہ حضرت انسؓ کی حدیث سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں درود بھیجے گا حق تعالیٰ شانہ اس کی سو حاجتیں پوری کرتے ہیں اور اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو اس کو میری قبر میں مجھ تک اسی طرح پہنچاتا ہے جیسے تم لوگوں کے پاس ہدایا (تحفے) بھیجے جاتے ہیں۔ [illegible]

پانچواں معمول

جمعہ کے دن سورۂ کہف سے متعلق

جمعہ کے دن صبح سے شام تک جس وقت ممکن ہو سورۂ کہف ایک مرتبہ پڑھا کریں۔ یہ اختیار ہے صبح کو یا شام کو جس وقت چاہیں مکان میں یا مسجد میں جس جگہ سہولت ہو وقت پر نہ پڑھ سکیں تو جب بھی پڑھ لیا کریں، حفظ یاد ہو یا قرآن میں دیکھ کر پڑھیں۔

سورۂ کہف کے فضائل

حضرت ابن عمرؓ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا اس کے لئے قیامت کے دن ایک روشنی ہوگی جو اس کے قدم کے نیچے سے آسمان تک بلند ہوگی اور جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کے پڑھنے کے مقام سے کعبہ تک یا ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک روشنی حاصل ہونا مذکور ہے۔ امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں اس روایت میں مزید فضیلت ذکر کی ہے کہ اس پر ستر ہزار فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں اور درد اور پیٹ کے پھوڑے اور ذات الجنب اور برص اور جذام اور دجال کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔ کئی حدیثوں میں سورۂ کہف کی شروع یا آخری دس آیتیں پڑھنے پر دجال سے محفوظ ہونے کا ذکر ہے۔ [illegible]

چھٹا معمول

نمازِ جمعہ کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین سے متعلق

جمعہ کی نماز اور سنتوں سے فراغت کے بعد یہ تین سورتیں: قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس سات سات مرتبہ پڑھا کریں۔

نمازِ جمعہ کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین کے فضائل

حضرت انسؓ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسی حالت میں بیٹھے ہوئے سورۂ فاتحہ، قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سات سات مرتبہ پڑھے گا، خدا تعالیٰ اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے گا اور مؤمنین کی تعداد کے برابر ثواب عنایت کرے گا۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے دین و دنیا کی حفاظت اور اس کی اولاد کی نگہداشت کرے گا۔ (ابن سنی)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے منقول ہے کہ جمعہ کے روز امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو شخص سورۂ فاتحہ اور مذکورہ تین سورتیں سات سات بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے دین اور دنیا اور اس کے اہل و عیال اور اولاد کو آئندہ جمعہ تک محفوظ رکھیں گے۔ ([illegible])

ساتواں معمول

شجرۂ مشائخ کے اہتمام سے متعلق

اگر آپ کو کسی سے بیعت حاصل ہے تو اس نے جو شجرۂ ارادت دیا ہے اس کو جمعہ کی شب یا جمعہ کے دن ایک مرتبہ پڑھا کریں تاکہ اس نسبت کی تجدید اور تقویت ہو اور ایمان میں مضبوطی پیدا ہو۔ (جمعہ کی کوئی خصوصیت نہیں جب چاہے کسی اور دن پڑھ لے)۔

شجرۂ مشائخ اور صالحین کے توسل کے فضائل

شجرۂ مشائخ کرام کو پڑھنے کا اصل مقصد ان کا واسطہ دے کر خدا کی جناب میں وسیلہ

بتاتا ہے۔ علامہ جزری نے "حصن حصین" میں بخاری اور حاکم کی احادیث سے انبیاء اور صالح بندوں کے توسل کو آداب دعا میں ذکر کیا ہے۔ "وان یتوسل الی اللہ بانبیائه والصالحین من عبادہ" ۔ (حصن حصین)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے "نشر الطیب" کے اخیر میں چند احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہوئے توسل کو جائز قرار دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی روایت ہے "انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون" اے اللہ ہم آپ کے جناب میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں آپ ہمیں بارش عطا کیجئے اور ہم آپ کی جناب میں اپنے نبی ﷺ کے چچا (حضرت عباسؓ) کا وسیلہ لاتے ہیں آپ ہمیں بارش سے سیراب کیجئے تو بارش ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت عثمان بن حنیفؓ کی طویل حدیث جس میں آپ ﷺ کے وسیلہ کی برکت سے دعا قبول ہونے کا واقعہ مذکور ہے اس کا ابتدائی حصہ بایں الفاظ ہے "اللھم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة" ۔ (ترمذی)

اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی جناب میں نبی رحمت محمد ﷺ کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔ خود رسول اللہ ﷺ کی دعا میں بھی اس قسم کے الفاظ ہیں "اللھم رب جبرئیل ومیکائیل ورب اسرافیل نعوذ بک من النار وعذاب القبر" ۔ (نسائی)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی نے ایک منظوم شجرہ مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے بطور وسیلہ اختیار کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا ہے جو "امداد السلوک" کے اخیر میں بھی اردو رسائل میں شائع ہو چکا ہے اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز متوسلین کو ہمیشہ اہل طریقت کو توسل ارشاد فرماتے رہتے اور اور شجرہ طیبہ خاندان چشتیہ قدوسیہ امدادیہ بیان و عطا فرماتے تھے۔ (امداد السلوک)

کے دن خاص طور پر اس وقت میں قبرستان جانا زیادہ افضل ہے۔ جمعہ کے دن جہنم کی آگ بجھا دی جاتی ہے، تنگی کی اور دن تکلیف دور کی جاتی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ہر جمعہ اپنے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور اس کو ماں باپ کے ساتھ حسن و سلوک کرنے والوں میں لکھا جائے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ مدینے کے قبرستان سے گزرے تو آپ ﷺ نے ان کی طرف چہرہ مبارک کر کے فرمایا: "السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر" (اے قبرستان والو تم پر سلامتی ہو خدا ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے پہلے جانے والوں میں ہو اور ہم پیچھے آ رہے ہیں۔)

مسلم کی روایت میں ہے۔ "نسئل اللہ لنا ولکم العافیۃ" مسلم ہی کی دوسری روایت میں "یرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین" بھی ہے "یرحم اللہ لنا ولکم" اسی معنی میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہر سال شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور یوں فرماتے تھے "سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے مردوں پر سورہ یٰسین پڑھا کرو۔ حضرت انس کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم مردوں کی طرف سے صدقہ کریں، حج کریں اور ان کے لیے دعا کریں تو کیا یہ سب (اعمال ثواب کے لحاظ سے) ان تک پہنچ جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ضرور ان تک پہنچ جائیں گے۔ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسے تمہارے پاس کوئی ہدیہ طباق لے کر آئے تو تم خوش ہوتے ہو۔

ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم پر یقینی طور عذاب نازل کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں پھر اس قوم کا کوئی بچہ کتاب اللہ میں سے الحمد پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے عذاب کو چالیس سال تک دور فرما دیتے ہیں۔ ان خاص خاص سورتوں کی فضیلت بھی خاص ہیں اس کے علاوہ ان کے ذریعہ ایصال ثواب زیادہ بہتر سمجھا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورہ فاتحہ قرآن کی سب سے عظیم سورت ہے جو مجھے عطا کی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ فاتحہ ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد

فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے تورات، انجیل، زبور اور خود قرآن میں بھی سورۂ فاتحہ جیسی کوئی سورت نازل نہیں کی گئی۔ ([illegible])

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص روزانہ قرآن کی ایک ہزار آیتیں پڑھنے کی طاقت رکھتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: بھلا کون اس کی طاقت رکھ سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں کوئی شخص سورۂ الھکم التکاثر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ (سورۂ الھکم التکاثر پڑھنا ایک ہزار آیتوں کے برابر ثواب ہے) جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قل یا ایھا الکٰفرون (ثواب میں) چوتھائی قرآن کے (ثواب کے) برابر اور قل ھو اللہ احد (ثواب میں) تہائی قرآن کے (ثواب کے) برابر ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دس مرتبہ پوری قل ھو اللہ احد پڑھے اللہ اس کے لئے جنت میں محل بنا دیتے ہیں۔ اس سورت کے پڑھنے پر ایک صحابی کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا اسے خبر دے دو کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے ([illegible])

آپ ﷺ نے ایک صحابی سے جو نماز میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے فرمایا: اس سورت کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر سے فرمایا کیا تجھے بہترین سورتیں نہ سکھا دوں؟ پھر آپ ﷺ نے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کو سکھایا اور فرمایا ان دونوں کے ذریعہ اللہ کی پناہ چاہو کیونکہ ان دونوں کی طرح کسی اور چیز کے ذریعہ پناہ نہیں مانگی گئی۔ اے عقبہ! تم نے کوئی سورت نہیں پڑھی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ محبوب اور مقبول ہو۔

ایصالِ ثواب کا طریقہ

سعد بن عبادہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ام سعد (یعنی میری ماں) کا انتقال ہو گیا اب ان کے لئے کون سا صدقہ افضل ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانی۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ سعد کی ماں کے لئے ہے یعنی اس کا ثواب ان کے لئے ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر سورۂ یٰسین پڑھے تو اس

دن اللہ تعالیٰ مُردوں کو عذاب میں کمی فرمادیتے ہیں اور اس کو قبرستان کے مُردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں عطا فرماتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سورہ اخلاص (قل ہو اللہ) گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے تو اس کو مُردوں کی تعداد کے بقدر ثواب ملے گا۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکے پڑھے سورۃ فاتحہ سورۃ بقرہ کی پہلی آیت، آیۃ الکرسی اور آمن الرسول، سورۃ یٰس، سورۃ ملک، سورۃ تکاثر، سورۃ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین مرتبہ پڑھے پھر کہے یا اللہ ہم نے جو پڑھا اس کا ثواب فلاں (متعین شخص) کو یا ان سب کو پہنچا دیجئے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں "محیط" سے نقل کیا گیا ہے کہ نفل صدقہ کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ ایصال ثواب میں تمام مومنین ومومنات کی نیت کرے اس لئے کہ اس کا ثواب ان کو بھی پہنچے گا اور اس شخص کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے خصوصیت کے ساتھ ایصال کرتا کہ آپ ﷺ کے احسانات کا کچھ شکریہ ادا ہو سکے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی طرف سے تمام عمر عمرہ کرتے رہے۔ ابن الموفق نے (جو حضرت جنید بغدادی کے حلقے کے ایک بزرگ ہیں) حضرت جنید کی طرف سے ستر حج کئے۔ حضرت ابن السراج نے جناب رسول اللہ کی جانب سے ہزار سے زیادہ قرآن پاک ختم کئے اور اتنی ہی تعداد میں قربانی کی۔

نواں معمول

شب قدر اور شب برأت سے متعلق

شعبان المعظم کی پندرہویں شب میں اور رمضان المبارک کی ستائیسویں رات میں طاقت اور فرصت کے مطابق تمام رات یا ایک دو گھنٹہ ضرور عبادت کریں قرآن پڑھیں نفل نماز پڑھیں "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" سو مرتبہ پڑھیں درود شریف جس قدر دل چاہے پڑھیں قل ہو اللہ احد چالیس مرتبہ سورہ انا انزلنا چالیس مرتبہ پڑھیں اور جس طرح چاہیں ذکر اللہ کریں اپنے خاتمہ بخیر کی اور دینی و دنیوی دعا کریں والدین و مرحوم دوستوں اور عزیزوں کی اور اپنے احسان کرنے والوں کی مغفرت کی دعا کریں۔ تمام رات جاگنا ضروری نہیں

فرماتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے اور انہوں نے کہا: آج نصف شعبان کی رات ہے اس میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کو جہنم سے نجات دے گا جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے بال ہیں۔ (قبائل عرب میں اس قبیلہ کی بکریاں سب سے زائد تھیں)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب شعبان کی پندرھویں رات آجائے تو اس رات میں عبادت کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور دن میں روزہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے بعد آسمان دنیا پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں، ہے کوئی روزی کا طالب کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی بیمار و پریشان کہ میں اسے آرام دوں، اسی طرح اللہ کی طرف سے طلوع فجر تک اعلان ہوتا رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے "ماثبت بالسنۃ" میں امام بیہقی کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کی طویل حدیث بیان کی ہے جس میں اس رات میں رسول اللہ ﷺ کی طویل عبادت، طویل دعا، اللہ تعالیٰ کی کثیر مغفرت، بہت سے گناہگاروں کی بخشش اور مدینے کے قبرستان جنت البقیع میں جا کر مردوں کے حق میں استغفار کرنا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص تنہا اس رات کو عبادت کرے، تو ذکر شدہ گزشتہ احادیث کی بناء پر مستحب ہے اور فضائل کے باب میں ایسی حدیثوں پر عمل ہوتا ہے۔ امام اوزاعی بھی اس کے قائل ہیں۔ حضرت میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے خصوصی شاگرد رشید مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم ہند و پاک نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام و تابعین سے اس رات میں جاگنا اور اعمال مسنونہ پر عمل کرنا قابل اعتماد روایات سے ثابت ہو چکا ہے۔ امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ سلف صالحین اس رات کی تعظیم کرتے، اور اس کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے تھے۔ سرتاج اولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے یہاں بھی اس رات کی عبادت کا خصوصی اہتمام ہوتا تھا۔ امداد الفتاویٰ میں اس رات میں نوافل تلاوت اور ذکر کے معمولات مختلف مشائخ سے اپنے ذوق و حالات کے مطابق مروی ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا جتنے ہو سکے تھوڑی تھوڑی مقدار میں سب عمل کرے تو بہتر ہے جیسا کہ میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے معمولات سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

دسواں معمول

پندرہویں شعبان اور نویں ذی الحجہ کے روزے سے متعلق

شعبان کی پندرہویں تاریخ کو نفل روزہ رکھے اگر دو روزے رکھنے کا ارادہ اور توفیق ہو تو چودہ اور پندرہ کو رکھے۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ جس کو عرفہ کہتے ہیں روزہ رکھے لیکن اگر چاند کے اختلاف کے سبب عرفہ کے روز عید ہونے کا شک و شبہ ہو تو آٹھویں کو روزہ رکھ لے نویں کو نہ رکھے۔

پندرہویں شعبان اور نویں ذی الحجہ کے روزے کے فضائل

شعبان کی پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

عرفہ نویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں کیونکہ اس دن حاجی میدان عرفات میں قیام کرتے ہیں اس دن حضرت ابراہیم کو ارکان حج کی معرفت اور ذبح اسماعیل کے سلسلے میں حکم خدا کی معرفت ہوئی تھی۔

عرفہ کا روزہ جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے اور یہی مذہب مختار ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عرفہ کا روزہ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ ([illegible])

ایک اور حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ عرفہ کے روزے کو ایک ہزار دنوں کے برابر قرار دیتے ہیں۔

روزہ افطار کرنے کے وقت "اللهم لك صمت وعلى رزقك افطرت" پڑھیں اور افطار کے بعد "ذهب الظماء وابتلت العروق فالحمد لله رب العالمين" پڑھا کریں۔

افطار کے بعد دعا کے فضائل

یہ دونوں دعائیں جناب رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ ([illegible])

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا افطار کے وقت دعا رد نہیں جاتی۔

([illegible])

چھٹا باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے مثالی مردوں کے دس مثالی واقعات

قارئین محترم! یہ باب ہماری کتاب کا چھٹا باب ہے۔ اس باب میں ہم دس مثالی مردوں کے دس مثالی واقعات کو پیش کر رہے ہیں تاکہ ان واقعات کو پڑھ کر آج کے مرد احباب کو بھی سبق حاصل ہو کہ آخر وہ بھی ہماری طرح کے مرد تھے ہمارے جیسے انسان تھے لیکن کیا وجہ ہے کہ آج دنیا انہیں مثالی کہتی ہے اور انہیں یاد رکھنے پر مجبور ہے۔ اپنی مجوزہ ذہنی ترتیب کے مطابق یہ واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

پہلا واقعہ .... شیخ ابراہیم خواص کا سبق آموز واقعہ

دوسرا واقعہ .... ایک سبق آموز واقعہ

تیسرا واقعہ .... ایک حافظ قرآن شخص کا واقعہ

چوتھا واقعہ .... ایک اندھے لڑکے کا عجیب واقعہ

پانچواں واقعہ .... مسجد نبوی کے دولہا کا سبق آموز واقعہ

چھٹا واقعہ .... ایک خوبصورت نوجوان کا واقعہ

ساتواں واقعہ .... ایک بزرگ اور ایک پرندے کا واقعہ

آٹھواں واقعہ .... حضرت ابوسعید خراز کا واقعہ

نواں واقعہ .... شیخ علی کردی کا واقعہ

دسواں واقعہ .... یعقوب بن محمد سرقی اور ایک راہب کا واقعہ

چلئے جناب ان واقعات کو پڑھئے اور سبق حاصل کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

پہلا واقعہ

شیخ ابراہیم خواص کا سبق آموز واقعہ

شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ جب کہیں سفر کرنا چاہتے تو نہ کسی کو خبر کرتے اور نہ کسی سے کہتے تھے بلکہ فقط ایک لوٹا لے کر چل دیتے تھے۔ حامد اسود کہتے ہیں ایک مرتبہ مسجد میں میں آپ کے ساتھ تھا کہ آپ لوٹا اٹھا کر چل دیئے اور میں بھی پیچھے ہولیا۔ جب مقام قادسیہ میں پہنچے تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ حامد کہاں جاتے ہو میں نے عرض کیا کہ یا حضرت جہاں آپ جاتے ہیں۔ فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ میرا تو مکہ معظمہ کا قصد ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ان شاء اللہ میرا بھی مکہ معظمہ ہی کا قصد ہے بعد اس کے جب ہمیں تین دن چلتے چلتے ہو گئے تو ایک جوان آ کر ہمارے ساتھ ہو گیا اور وہ بھی ایک دن رات ہمارے ساتھ برابر چلا۔ لیکن نماز بالکل نہ پڑھی۔ میں نے شیخ کو معلوم کرایا کہ یہ جوان (ہمارے ساتھ ہے اور) نماز بالکل نہیں پڑھتا شیخ وہیں ٹھہر گئے اور اس سے پوچھا کہ اے لڑکے کیا وجہ ہے کہ تو نماز نہیں پڑھتا حالانکہ نماز تو حج سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ اس نے کہا اے شیخ میرے ذمہ نماز نہیں ہے آپ نے پوچھا کیا تو مسلمان نہیں ہے کہا نہیں۔ فرمایا اور تو کون ہے کہا میں عیسائی ہوں لیکن عیسائیت میں بھی میرا گزر توکل ہی پر ہے اور میں اپنے جی میں اس بات کا دعویٰ کرچکا ہوں کہ میں توکل کو پورا حاصل کروں گا اور چونکہ اس دعوے میں سچا ہونے میں مجھے اطمینان نہ تھا اس لئے میں بیابان جنگل میں چلا آیا ہوں کہ یہاں معبود کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے تاکہ میں ثابت رہوں اور اپنے جی کا امتحان کروں۔ ابراہیم یہ سن کر چل دیئے اور مجھ سے فرمایا اسے چھوڑ دو اب تمہارے ساتھ ہی رہے گا چنانچہ وہ ہمارے ساتھ سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم مقام بطن مر میں پہنچے شیخ نے وہاں ٹھہر کر اپنے میلے کپڑے اتارے اور انہیں پانی سے دھویا۔ پھر بیٹھ کر اس سے پوچھا

کہ تیرا نام کیا ہے کہا عبد المسیح فرمایا اے عبد المسیح یہ دخترِ مکہ کی یعنی حرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم جیسوں پر اس کے اندر جانا حرام قرار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۔ یعنی مشرک لوگ ناپاک ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں۔ اور جو تو کہنا چاہتا تھا مجھے معلوم ہو گیا ہے سو اب تو مکہ کے اندر نہ آنا جس وقت ہم تجھے اندر دیکھیں گے فوراً نکلوا دیں گے۔ حامد کہتے ہیں کہ ہم اسے وہیں چھوڑ کر مکہ میں چلے گئے اور وہاں سے پھر عرفات گئے۔ عرفات میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دیکھتے کیا ہیں وہ بھی محرم بنا لوگوں سے ملتا ہوا آرہا ہے اور آکر ہمارے پاس کھڑا ہو گیا حضرت ابراہیم کے قدموں پر گر پڑا۔ ان کی قدم بوسی کی۔ آپ نے پوچھا اے عبد المسیح ہمارے بعد تمہارا کیا قصہ ہوا۔ کہا حضرت چھوڑو (اب میں عبد المسیح یعنی مسیح کا بندہ نہیں ہوں بلکہ میں بھی اسی کا بندہ ہوں جس کا مسیح بندہ ہے۔ ابراہیم نے پوچھا کہ اچھا قصہ تو بیان کر۔ کہا جب تم مجھے چھوڑ چلے آئے تو میں اپنی اسی جگہ بیٹھا رہا کہ اتنے میں ایک قافلہ حجیوں کا آیا میں کھڑا ہو گیا۔ (میری یہ حالت ہوئی) گویا میں مجرم ہوں اور مسلمانوں کی صورتیں مجھے اپنی معلوم ہونے لگیں۔ پھر اسی وقت میری نظر خانہ کعبہ پر پڑی کہ یہ کیفیت ہوئی کہ سوائے دین اسلام کے اور سب دین مجھے باطل نظر آنے لگے۔ اسی وقت میں مسلمان ہو گیا اور غسل کر کے احرام باندھا اور آج اسی وقت میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ تب ابراہیم خواص میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے حامد نصرانیت میں بھی صدق کی برکت دیکھو اسے اسلام کی ہدایت ہوئی۔ پھر وہ ہمارے ہی ساتھ رہا یہاں تک کہ فقیروں ہی میں اس کا وصال ہو گیا۔

دوسرا واقعہ

ایک سبق آموز واقعہ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا وہ مجھ پر بہت غضبناک ہو رہے ہیں۔ چونکہ میں ان کی وفات کے وقت بہت دور دراز مقام پر تھا۔ میں نے

کہ ضمیر نے قلم سے اپنے قلب پر فکر کی سفیدی سے خوف کی نب کے ساتھ لکھا۔ اس نے پوچھا کہ کیا
لکھوں؟ کہا یہ لکھو اے وہ ذات کہ تیرے احسانات سوائے تفضل کرنے والوں سے زیادہ ہیں اور
تیرے بلند مرتبہ انعام کرنے والوں کے انعام سے زیادہ ہیں تیرے شکر سے سارے شکر گزار
عاجز ہیں میں نے دوسرے سوال کرنے والوں کے ذریعہ سارے محسنوں کا حال دیکھا تو معلوم ہوا
کہ تیرے غیر کا قصد کرنے والا مردود ہے اور غیروں کی طرف کا راستہ مسدود ہے اور ہر چیز تیرے
پاس موجود ہے اور تیرے غیر کے پاس معدوم ہے۔ اس تقصیر نے کہا یہ بات تو جناب آپ نے بہت
اچھی بتائی ہے کہا اگر روشنی بصیرت کی باقی رہے اور اپنے ارادوں کی تصریح کی ضرورت بھی سمجھی جائے تو
لکھو اے اللہ! تجھ کو ہی میں نے وسیلہ بنایا ہے اور تکلیف برداشت میں تجھی پر بھروسہ کیا ہے۔ میری
حاجتیں تیری طرف پھیر دی گئی ہیں اور میری امیدیں تیرے سامنے قائم ہیں جس کام کی تو مجھے
توفیق دے تو تو ہی اس کا راستہ رکھا اور رہبر ہو۔ اس نے کہا جناب یہ تو اس سے بھی اچھا ہے کہا
اگر بصیرت کی روشنی اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت سمجھے تو یہ اور لکھواے قدیر مجھے صبر
عاجز نہیں کرتی اسے جو تیری طرف ہر راغب جھکتا ہے۔ میں ہر وقت تیری نعمتوں سے لدا ہوا
ہوں جو تیرے فضل و کرم سے مجھ پر فائض ہوتی ہیں۔ اے اللہ تیرے ہی کرم سے تیری مستحق کرم
بنتا ہے اور تیری مہربانی سے نعمت مزید ہوتی ہے اس نے کہا یہ اور احسن ہے۔ کہا اگر فکر کی روشنی اور
تصریح حاجت کی ضرورت سمجھے تو یہ لکھو اے وہ ذات جس نے صبر کو ہر مصیبت زدہ کا معاون بنایا ہے اور
شکر کو نعمتوں کا بڑھانے والا کر دیا ہے۔ میں تجھی سے تنگی میں صبر کی اور نعمتوں پر شکر کی توفیق چاہتا
ہوں۔ تیری آزمائش میرے صبر سے زیادہ ہے۔ اور تیری نعمت میرے شکر سے عظیم ہے تو میرے
اقرار پر عاجزی کی چادر ڈال دے تو اس پر قادر ہوتا ہے۔ اگر میرے گناہ کا کوئی عذر نہیں ہے تو اپنی
طرف سے اسے معاف کر دے۔ پھر کہا اے ابو بشر مقام تذلل میں مغفرت کی جگہ کھڑا ہو اور راحت
وانکساری کے ساتھ قصیں کا امیدوار ہو اور زبان پر سے حق تعالیٰ کا شکر گزار رہ اور اس نے کہا یہ اور اچھا
ہے کیونکہ کرامت فرشتوں کی دعا ہے جو تجھے سکھائی گئی ہے۔ میں نے کہا یہ تو بہت اچھا ہے انشاء
اللہ۔ پھر میں نے اس کے سینے اور پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا وہ چونک اٹھا وہ ساری باتیں اسے یاد تھیں
ایک حرف بھی نہ بھولا تھا۔ حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ ابو بشر نے فجر کی نماز کے وقت سے

روایت ہم سے بیان کی ہم نے اسے بہت اچھا جانا اور اسے لکھ لیا۔ رضی اللہ عنہ۔

چوتھا واقعہ

ایک اللہ والے کا عجیب واقعہ

ابراہیم بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن بعد نماز کے مجلس کیا کرتے تھے۔ ایک شخص صرف ایک کپڑے میں لپٹا ہوا ہماری مجلس میں آ بیٹھا اور ایک سوال کیا۔ ہم لوگ مجلس کے برخاست ہونے تک مسائل فقہیہ میں گفتگو کرتے رہے۔ پھر وہ شخص دوسرے جمعہ کو آیا ہم نے اسے جواب دیا اور اس کا مقام اور اس کی حالت دریافت کی اس نے اپنا پتہ بتایا پھر ہم نے اس کی کنیت پوچھی اس نے ابو عبد اللہ بتائی ہم اس کی ہم نشینی سے بہت خوش ہوئے۔ ایک مدت تک وہ ہمارے پاس اسی طرح آتا رہا۔ پھر اس کا آنا موقوف ہو گیا ایک بار ہم اس کی ملاقات کے ارادے سے اس بستی میں گئے اور اس کے بارے میں دریافت کیا لوگوں نے کہا وہ ابو عبد اللہ شکاری؟ وہ اس وقت شکار کو گئے ہیں ابھی آتے ہوں گے۔ ہم انتظار میں بیٹھے تھے کہ وہ سامنے سے آئے اور وہی پتلا کپڑا باندھے ہوئے اور ایک ٹکڑے کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں کچھ پرندے زندہ اور کچھ ذبح کئے ہوئے ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔ ہم نے کہا آپ ہماری مجلس کی رونق افزائی کیا کرتے تھے۔ اب کیا ہو گیا جو بالکل ترک کر دیا۔ کہا سچ کہا ہمارا ایک ساتھی تھا اس سے کپڑے لے کر اور پہن کر تمہارے یہاں آتا تھا اب وہ شخص سفر کو گیا ہے پھر کہا تم میرے گھر چل کر رزق اللہ تعالیٰ حاصل کرو۔ ہم ان کے مکان پر پہنچ کر بیٹھ گئے اور اپنی بیوی کو ذبح کئے ہوئے پرندے پکانے کے لئے سپرد کئے اور زندہ کو لے کر بازار گئے اور انہیں بیچ کر روٹیاں خرید لائے۔ اتنی دیر میں بیوی نے سالن تیار کر رکھا تھا ہم جب کھا کر چلے آئے تو راہ میں مشورہ ہوا کہ ہم نے اس شخص کی بیماری اور فقر کی حالت اور تنگی اور صبر کی کیفیت دیکھی اور ہم میں قدرت بھی ہے کہ اس کی آئندہ مدد کریں جس سے وہ اپنی حالت سنبھال لے۔ ہمیں ایسا کرنا چاہئے کہ کچھ چندہ جمع کر کے اس کی امداد کریں جس سے وہ اپنی حاجت پوری کر لیں چنانچہ کئی آدمیوں نے متعین کر کے پانچ ہزار درہم جمع کئے اور ان کو دینے کے لئے پھر اس گاؤں کو لوٹ چلے۔ جب ہم مربد پر پہنچے تو میر

بصرہ محمد بن سلیمان حجرہ کے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ غلام سے کہا ابراہیم ابن شعیب کو میرے پاس
بلا لاؤ جب میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہاں سے آئے ہو۔ کہیں جانا ہے
پھر میں نے سارا قصہ کہہ سنایا امیر نے کہا مجھ پر تم سب سے زیادہ حق ہے اور اسی وقت دس ہزار کا
توڑا منگا کر اور ایک فراش کے کندھے پر رکھوا کر میرے ہمراہ کر دیا۔ میں اور خوش ہوا اور جلدی سے
اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا اور ان کے دروازہ پر پہنچ کر سلام کیا۔ وہ جواب دیتے ہوئے باہر نکلے۔
جب میرے ہمراہ فراش کو اور اشرفیوں کے توڑوں کو دیکھا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور
کہنے لگے اے شخص تجھے مجھ سے کیا علاقہ۔ کیا تو مجھے فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا اے ابو
عبداللہ بیٹھ جاؤ۔ واقعہ یہ ہے چنانچہ میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ میں نے کہا تم جانتے ہو کہ وہ ایک
ظالم امیر ہے تم خدا کے واسطے اپنے نفس کو بچاؤ اور میرے لئے بھی مگر ان کا غصہ اور تیز ہوا۔ اسی وقت
گھر میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ میں نا امید ہو کر امیر کے پاس لوٹ آیا اور بغیر کچھ کہنے کے کوئی چارہ
نہ تھا۔ ناچار واقعہ بیان کیا سنتے ہی کہنے لگا۔ یہ شخص خارجی معلوم ہوتا ہے اور غلام سے کہا تلوار لے
آؤ۔ جب وہ لے آیا تو میرے ساتھ کر دیا اور کہا ان کے ساتھ جا کر اس کا سر کاٹ لاؤ۔ میں نے کہا
خدا امیر کو سلامت رکھے اس شخص کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ ہم نے اس کو دیکھا ہے۔ وہ خارجی
نہیں ہے۔ میں انہیں تمہارے پاس بلا لاتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں میرا مقصود ان کو اس سے بچانا تھا۔
اس پر امیر کو اطمینان ہوا اور میں روانہ ہو کر ان کے دروازہ پر پہنچا اور دستک دی تو ان کی بیوی کو روتا ہوا پایا
کہنے لگی کیا خبر کی ہے تمہارے ابو عبداللہ کا کیا قصہ ہوا۔ میں نے کہا ان کا کیا حال ہے کہا انہوں نے
گھر میں آ کر جو کچھ ان کے پاس تھا رکھ دیا اور وضو کر کے نماز پڑھی اور میں نے انہیں یہ دعا کرتے سنا
کہا اے اللہ مجھے اپنے پاس بلا لے اور فتنہ میں نہ ڈال یہ کہتے ہوئے لیٹ گئے میں ان کے پاس
پہنچی تو ان کا انتقال ہو چکا تھا اور یہاں ان کی لاش موجود ہے۔ میں نے کہا اے بیوی یہ ہمارا بہت ہی بڑا
قصہ ہے تم اب اس کا ذکر کسی سے نہ کرو یہ کہہ کر وہیں سے لوٹ کر میں امیر کے پاس آیا اور سارا حال
میں نے اس سے بیان کیا۔ امیر نے کہا میں اس شخص کی نماز پڑھاؤں گا۔ یہ خبر شہر میں مشتہر ہوئی۔
چنانچہ تمام اہل شہر مع امراء و رؤساء کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ رضی اللہ عنہ و نفعنا بہ۔

امتحان تاخیر کی گئی ہے۔ پھر کہا جو کچھ آخر عمر میں ہو جائے وہ اچھا ہے اور اس کا نتیجہ بھی اچھا ہے۔ اے قدیم سے تو اپنے لائق معاملہ کر اور ہمارے لائق معاملہ نہ کر۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ مجھ سے انہیں بزرگ نے جن کا ذکر پہلے ہوا ہے فرمایا کہ میں نے شام کے ایک ساحل پر ایک نوجوان کو اپنے قریب دیکھا ہم تین دن تک وہاں رہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں ان کے پاس گیا۔ پھر میرے جی میں آیا کہ میں ان سے مل کر بات چیت کروں۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور سلام کر کے دو رکعت نماز کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہی۔ لیکن نماز میں اپنے پہلو کی طرف دیکھ بھی لیتا تھا۔ ناگاہ وہ شخص میری نظر سے غائب ہو گئے بس صرف مصلی اور نعلین وہاں رکھے رہے اور ان کا پتہ نہ چلا۔ اسی طرح میں نے اکثر جنگلوں میں فقراء سے ایسے واقعات دیکھے ہیں بعض تو ملی الحال مجھ سے غائب ہو گئے اور بعض مجھ سے مل کر بات چیت بھی کرتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

چھٹا واقعہ

ایک خوبصورت نوجوان کا واقعہ

ایک فقیر سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ملک خراسان کے ایک شہر میں داخل ہوا اور بازار میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک خوبصورت جوان راستہ میں ملے اور سلام کیا اور میرے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ جب میں بازار سے نکلا تو کہا خدا کے لئے میرے مہمان ہو جاؤ۔ میں ان کے ساتھ گیا تو وہ مجھے ایک خوبصورت گھر میں لے گئے جہاں خیر کے آثار معلوم ہوتے تھے مجھے بٹھا کر تھوڑی دیر غائب ہوئے پھر ایک بڑے بوڑھے کو ہمراہ لے آئے مجھ سے کہا میرے باپ ہیں ان کے واسطے دعا کرو۔ میں ان کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔ وہ شخص کھانا لے آئے ہم نے کھانا کھایا اور ہاتھ دھو کر میں جانے لگا تو اس نے کہا آپ تین دن تک میرے مہمان ہیں چنانچہ میں تین دن تک ان کے یہاں رہا۔ ہر روز وہ میرا اکرام زیادہ کرتے تھے۔ جب چوتھا روز ہوا تو میں نے رخصت ہو کر نکلنا چاہا تو اس شیخ نے کہا اے بیٹے آج تم میرے مہمان ہو۔ اس دن میں نے شیخ کے یہاں قیام فرمایا۔ جب دوسرا دن ہوا تو خدا حافظ کر کے کھڑا ہوا تو وہ جوان پھر میرے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب میں شہر

پناہ سے باہر نکلا تو اس نے مجھے رخصت کیا اور روٹی اور حلوہ اور ایک جوڑا مجھے دے کر کہا۔ حضرت یہ راستے کا توشہ ہے اسے قبول فرمالیجئے۔ میں اسے لے کر دوسری طرف چلا اور ایک دوسرے شہر میں داخل ہوا اور فقراء کو تلاش کر رہا تھا تاکہ جو کچھ پاس ہے وہ ان کے حوالے کروں۔ اتنے میں ایک خوبصورت شیخ میرے سامنے آئے۔ میں نے انہیں سلام کیا اور دل میں آیا کہ یہ شخص ولی اللہ ہے۔ چونکہ نماز کا وقت قریب آ گیا تھا میں مسجد میں داخل ہوا اور نماز ادا کر کے بیٹھ رہا۔ مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا۔ خواب میں ایک ہاتف نے مجھ سے کہا کہ وہ توشہ جو تمہارے پاس ہے اس شیخ صالح کو جو ابھی تمہارے سامنے سے گزرے تھے دے دو وہ اللہ کے صالح بندے ہیں۔ میں اسی وقت بیدار ہوا اور ان کی تلاش میں نکلا۔ اور کہا اے اللہ انہیں شیخ کی حرمت سے ان کی ملاقات کرا دیجئے۔ ابھی یہ دعا پوری بھی نہ کرنے پایا تھا کہ وہی بزرگ میرے لوٹے میں پانی لئے ہوئے میرے سامنے آئے۔ میں نے توشہ کھولا تو اس میں پانچ دینار اور پانچ درہم تھے۔ میں نے انہیں جمع کیا اور ان کا ہاتھ چوم کر ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ انہوں نے وہ دام لے لئے اور فرمایا اے بیٹے جو غیر اللہ پر نظر رکھتا ہے اسے خدا کے یہاں سے کچھ نہیں ملتا۔ میں نے کہا حضرت میرے واسطے خدا سے دعا کیجئے کہا یحفظک اللہ و یحفظ بک و یحفظ علیک۔ میں نے کہا مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ فرمایا اخلاص کو لازم پکڑ اور اپنے اور اللہ کے درمیان جو عہد ہے اس کی نگہداشت رکھ۔ پھر مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

ساتواں واقعہ

ایک بزرگ اور ایک پرندے کا واقعہ

راوی کہتے ہیں کہ ہماری ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی۔ جب ہم عشاء کی نماز پڑھ چکے تو بزرگ نے فرمایا کچھ کھاؤ گے۔ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا غار کے اندر چلے جاؤ اور جو ملے کھا لو۔ میں اندر گیا تو ایک پتھر پر اخروٹ، مونگی، تربوز، سیب، انجیر یہ سب چیزیں ایک ایک طرف رکھی ہوئی پائیں میں نے جتنا چاہا ان میں سے کھا لیا۔ رات بھر وہ جاگتے رہے جب سحر کا وقت ہوا تو انہوں نے نماز ادا کی۔ پھر جو کچھ جو اور تھے ان میں سے کھایا اور بیٹھ رہے۔ یہاں تک کہ فجر

کی نماز ادا کی اور بیٹھے ہی بیٹھے سو گئے حتیٰ کہ آفتاب طلوع ہو کر بقدر دو نیزوں کے بلند ہو گیا تو کھڑے ہوئے اور وضو کر کے غار میں داخل ہوئے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ میوہ کہاں سے آتا ہے۔ اس سے اچھا تو میں نے کبھی نہیں کھایا فرمایا یہ تم آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ اتنے میں ایک پرندہ آیا جس کے دونوں بازو سفید اور سینہ سرخ اور گلا سبز تھا اور اس کی چونچ میں منقی اور پاؤں کے بیچ میں اخروٹ تھے اس نے منقی کو منقی پر اور اخروٹ کو اخروٹ پر رکھا جب اس کے پروں کی آہٹ سنی تو فرمایا تو نے دیکھ لیا۔ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا یہی پرندہ میرے پاس یہ چیزیں لاتا ہے تیس سال سے۔ میں نے پوچھا دن میں کتنی بار آتا جاتا ہے فرمایا سات بار میں نے حساب کیا تو چندرہ بار آیا اور گیا۔ میں نے ان سے ذکر کیا تو فرمایا۔ تمہارے واسطے ایک بار زیادہ لاتا ہے۔ اور ان کا لباس ایک چھال کا تھا۔ جو تیلے کے مثل تھا میں نے پوچھا یہ کہاں سے آپ کے پاس آتا ہے۔ فرمایا یہی پرندہ عاشورہ کے روز دن نکلے اس چھال کو لاتا ہے۔ میں اس کا کرتہ یا پاجامہ بنا لیتا ہوں۔ ان کے پاس ایک سوا بھی تھا جس سے وہ چھال سیتے تھے اور وہی بچی پرانی چھال کے ٹکڑے ان کے نیچے بچھے ہوئے تھے اور ان کے پاس ایک پتھر تھا جس میں پانی ڈال کر اس کا پانی بالوں پر ملا جاتا تو بال اکھڑ جاتے۔ ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا ہی تھا کہ سات آدمی ان کے پاس آئے جن کی آنکھیں لمبائی کی جانب پھری ہوئی تھیں اور سرخ تھیں اور ان کا لباس ان کے بال ہی تھے۔ مجھ سے فارسی میں فرمایا ان سے نہ گھبراؤ یہ مسلمان جن ہیں۔ ایک نے سورۃ طٰہٰ آپ کو سنائی اور دوسرے نے سورۃ فرقان اور ایک نے سورۃ رحمٰن کی کچھ آیتیں آپ سے سیکھیں۔ پھر وہ چلے گئے میں نے انہیں بعض مرتبہ سجدہ میں یہ دعا پڑھتے سنا۔ اللّٰھم من علی باقبالی علیک واصغائی الیک وانصاتی لک والفھم عنک والبصیرۃ فی امرک والنفاذ فی خدمتک وحسن الادب فی معاملتک۔ اور اس دعا کو اکثر وتر سے پڑھتے تھے۔ میں نے کہا آپ نے یہ دعا کس سے سیکھی۔ فرمایا مجھے اس کا الہام کیا گیا ایک رات میں یہ دعا پڑھ رہا تھا کہ میں نے ایک ہاتف کو کہتے سنا کہ جب تم یہ دعا کرو تو آواز سے۔ یہ دعا مقبول ہے۔ میں ان کے پاس چودہ روز تک رہا پھر مجھ سے فرمایا کہ اپنا قصہ بیان کر۔ تو میرے پاس یہاں کیونکر پہنچا میں نے قصہ بیان کیا۔ فرمایا اگر تیرا یہ قصہ پہلے معلوم ہوتا تو تجھے اپنے پاس اتنے دنوں نہ رہنے دیتا۔ تو نے اپنے ساتھیوں کو پریشان کیا۔ میں

تاخیر کے سبب سے ندامت ہوئی۔ تمہارا ان کے پاس لوٹ جانا میرے پاس ٹھہرنے سے اچھا ہے۔ میں نے کہا۔ میں راستہ نہیں جانتا۔ آپ خاموش ہو رہے جب زوال کا وقت ہوا تو فرمایا اٹھو چلو۔ میں نے کہا مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا ادب سیکھو اور بھوکا رہنا اختیار کرو مجھے امید ہے کہ تم قوم سے مل جاؤ گے اور مجھے ایک ہدیہ بھی دیا اور وہ یہ کہ فرمایا تم طواف زیارت کے دن زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان ڈھونڈو ایک شخص ان صفات کا ملے گا ان سے میرا اسلام کہیو اور اپنے واسطے دعا کی خواستگاری کرو۔ پھر وہ مجھے لے کر غار سے باہر نکلے۔ دیکھا تو ایک درندہ غار کے دروازے کے باہر کھڑا ہے اس سے آپ نے کچھ بات کی میں نے نہ سمجھا اور مجھ سے کہا اس کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ۔ جب وہ کھڑا ہو جائے اپنے سیدھے بائیں طرف دیکھنا تمہیں راستہ مل جائے گا۔ وہ درندہ تھوڑی دیر میرے آگے چلا پھر کھڑا ہو گیا۔ جب میں نے اپنی سیدھی جانب نظر کی تو دمشق کی حد نظر آئی۔ میں دمشق کی جامع مسجد میں گیا تو بعض ساتھیوں سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے قصہ بیان کیا اور ہم سب ان کی تلاش میں نکلے اور بہت سے آدمی میرے ساتھ ہو گئے چنانچہ ہم اس پہاڑ اور چشمے پر پہنچے اور تین دن تک اس غار کو ڈھونڈا مگر اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر انہوں نے کہا یہ چیز تم پر ظاہر ہوئی اور ہم سے پوشیدہ کی گئی ہے۔ میں ہر سال حج کرتا تھا اور اس شخص کو جس کا اس بزرگ نے پتہ دیا تھا تلاش کرتا تھا۔ وہ مجھے نہ ملتے یہاں تک کہ تھوڑے برس گزر گئے اس کے بعد میں نے اس شخص کو جس کا پتہ اس بزرگ نے دیا تھا۔ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان بعد عصر کے پایا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں انہوں نے میرے واسطے چند دعائیں کیں۔ پھر میں نے کہا کیا ابراہیم کردی آپ کو سلام کہتے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم نے انہیں کہاں دیکھا۔ میں نے کہا وہ لبنان پر۔ مجھ سے کہا خدا ان پر رحم کرے۔ میں نے کہا کیا ان کی وفات ہوگئی کہا اس وقت میں نے ان کو ان کے بھائیوں کے ہمراہ دفن کیا ہے اور ان کی نماز ادا کی ہے جب ہم غسل دیتے تھے تو اس وقت وہ بیمار جوان کے لئے سیب لیا کرتا تھا گر پڑا اور پہاڑ سے گرتے مر گیا۔ ہم نے اسے بھی ان کے پاس دفنا دیا۔ پھر وہ شخص طواف کے واسطے چلے گئے اس کے بعد میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین ونفعنا بہم، آمین۔

آٹھواں واقعہ

حضرت ابوسعید خرازؒ کا واقعہ

حضرت ابوسعید خرازؒ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں جنگل میں تھا۔ مجھے سخت بھوک لگی۔ میرے نفس نے کہا کہ میں اللہ سے کوئی کھانے کی چیز مانگوں۔ میں نے کہا یہاں متوکلین کا کام نہیں ہے جو کہ ہمت والے ہیں تو میرے نفس نے کہا کہ میں اللہ سے صبر مانگوں جب میں نے اس کا ارادہ کیا تو ایک ہاتف کی آواز سنائی دی وہ کہتا تھا۔

ویزعم انہ منا قریب .... وانا لا نضیع من اتانا

فھم ابو سعید سئل صبر .... کانا لا نراہ ولا یرانا

اس کا گمان ہے کہ وہ ہم سے قریب ہے: حالانکہ جو ہمارے پاس آتا ہے ہم اسے ضائع نہیں کرتے: ابوسعید نے ہم سے صبر کی درخواست کا قصد کیا: گویا ہم اسے نہیں دیکھتے نہ وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔

یا غائبا وھو فی قلبی اشاھدہٗ ماغاب من لم یزل فی قلب مشھودا

ان فات عینی من رؤیاک حفظھما فالقلب قدنال حظ منک محمودا

اے غائب حالانکہ وہ میرے دل میں ہے۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔ جو قلب میں حاضر و شاہد ہو وہ غائب نہیں ہے اگرچہ آنکھوں سے تیرے مشاہدہ کی نعمت فوت ہوگئی ہے۔ لیکن دل کو تیرے مشاہدہ کا پورا حصہ مل گیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے یہ اشعار اس لئے کہے تھے کہ میں نے بعض مصنفین کو ذیل کے شعر سے جو کہ نا تمام ہے استدلال کرتے دیکھا ہے۔

ان کنت لست معی فالذکر منک معی : یراک قلبی وان غیبت عن بصری

اگر تو میرے ساتھ نہیں ہے تو تیرا ذکر میرے ساتھ ہے۔ تجھے میرا دل دیکھتا ہے اگرچہ تو میری آنکھوں سے غائب کیا گیا ہے

اور یہ شعر دو وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حق میں منطبق نہیں ہوسکتا۔ ایک تو یہ کہ اس میں یہ لفظ

ہے اگر تو میرے ساتھ نہیں ہے یہ اللہ کے حق میں صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے ساتھ موجود ہے۔ دوسرے یہ لفظ کہ اگرچہ آنکھوں سے غائب کیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ کی شان پر منطبق نہیں ہوتا کیونکہ دل کا قلب کسی مخلوق کو نہیں دیکھتا۔ کیونکہ رویت قلبی اس نور کی وجہ سے ہوتی ہے جو عارفین باللہ کو حاصل ہوتا ہے اور ایسے شخص کا قلب تو جہاں کے قلب سے بھی زیادہ سیاہ ہے اور رویت قلبی تو عارفین باللہ ہی کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ قائل کا قول ہے: قلوب العارفین لها عیون یعنی عارفوں کے قلب میں ایسی آنکھیں ہیں جن سے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جن کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ تیرا ذکر میرے ساتھ ہے کیونکہ یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب ذکر سے ذاکر مراد لیا جائے جیسے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وهو معکم این ما کنتم یعنی تم جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور ایک جگہ فرمایا ہے فاذکرونی اذکرکم یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور فرمایا انا جلیس من ذکرنی یعنی جو مجھے یاد کرتے ہیں میں ان کے ساتھ رہتا ہوں۔ اسی طرح کے دوسرے اقوال خداوند کریم کے ہیں جن سے حق تعالیٰ نے بندوں کو عظمت بزرگی عطا فرمائی ہے اور جنت کے بڑے بڑے مکانات کی ملکیت عطا فرمائی ہے۔ اے اللہ تو ہمارے قلوب کو باران رحمت سے زندہ کر اور اس کو نور معرفت سے منور کر اور اپنے ذکر و شکر اور حسن عبادت سے زینت دے۔ تو ہی بادشاہ احسان و کرم والا ہے اور مسلمانوں پر بڑے فضل والا ہے۔ آمین۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ اس قسم کا اطلاق مخلوق کے حق میں جائز ہے تو جواب یہ ہے کہ اس میں تصوف ہے جس پتہ چلتا نہیں ہے کہ معرفت کے وقت میں اس سے استشہاد کیا جائے۔ جہاں اس کے جمال و جلال کے مشاہدہ تجلی اور اس کے قرب کی تقریب ہے جس میں شراب محبت کے پینے والے رہتے ہیں جس وقت انہیں توجہ ہوتی ہے اور ان پیہم ہوتا ہے کسی کا کیا اچھا قول ہے۔

قلوب العارفین لها عیون — تری ما لا یراه الناظرونا

والسنة بسر قد تناجی — تغیب عن الکرام الکاتبینا

واجنحة تطیر بغیر ریش — فتاوی عند رب العالمینا

وترعی فی ریاض القدس طورا — وتشرب من بحار العارفینا

عبادا فاصطفوا بالسر حتی — دنوا منه وصاروا صابرینا

عارفین کے دلوں میں ایسی آنکھیں ہیں جو ایسی چیزیں مشاہدہ کرتی ہیں جنہیں آنکھوں والے نہیں دیکھ سکتے اور ان کی زبان ایسے راز بیان کرتی ہے جو کراماً کاتبین سے بھی پوشیدہ ہیں۔ ان کے بازو بغیر پروں کے اڑتے ہیں اور رب العالمین کے پاس بسیرا لیتے ہیں۔ کبھی باغ قدس میں چرتے ہیں اور دریائے معرفت کا پانی پیتے ہیں اور وہ ایسے بندے ہیں جو پوشیدہ چلتے ہیں۔ یہاں تک کہ محبوب کے قریب ہو گئے اور حاضر ہو گئے ہیں۔ ایک اور قائل کا قول بھی بہت اچھا ہے۔

للعارفین قلوب یعرفون بہا نور الالٰہ بسر السر فی الحجب

صم عن الخلق عمی عن مناظرهم بکم عن النطق فی دعواه بالکذب

عارفین کے ایسے قلب ہیں جن سے وہ پہچانتے ہیں۔ اللہ کا نور جو پردہ راز در راز میں ہے۔ مخلوق سے بہرے ہیں اور ان کی آنکھیں ان سے اندھی ہیں۔ اگر مخلوق ان کے جھوٹے ہونے کا دعویٰ کرتی ہو تو وہ خاموش رہتے ہیں۔

نواں واقعہ

شیخ علی کردی کا واقعہ

حضرت شیخ تقی الدین فرماتے ہیں اپنے رسالہ میں میں نے تین بزرگوں کو دیکھا ان میں ایک شیخ علی کردی ہیں۔ آپ میں عشق کی شوریدگی ظاہر تھی اور اہل دمشق پر ان کا تحکم فرماتے تھے۔ چنانچہ جب میں تیرہ سال کی عمر میں دمشق پہنچا تو میں بڑے احتشام میں تھا۔ میرے ساتھ غلاموں کی ایک فوج بھی تھی۔ مال و اسباب بھی تھا۔ عزیز و اقارب بھی تھے۔ میں دمشق پہنچنے کے بعد جامع مسجد میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آئے ان کا سر ننگا تھا اور بدن پر ایک پھٹی ہوئی گدڑی تھی اور جامع مسجد کا حق قطع کرتے ہوئے باب جیرون سے مقصورہ امام غزالی کے پاس جنوب میں محراب آئے اور اپنے ہاتھ جس میں سیب بھرے ہوئے تھے میری طرف بڑھا کر فرمایا اے سلطان ان سے ڈرا اور پیچھے کی طرف ہٹ تو آپ نے سارے سیب ایک ایک کر کے میری طرف کو پھینکے اور چلے گئے اتنے میں شیخ ابو القاسم صقلی نے وہ دمشق کے معتبر تاجر تھے ان کے ہمراہ شیخ نجم الدین میرے والد کے ساتھی تھے جو دمشق میں مدرس تھے ان سے ہم نے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے سن کر بہت تعجب

نے کہا جو کچھ تم نے کیا ہے اس کا اظہار ضروری ہے۔ بیان کرو میں کچھ نہیں کہوں گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا سنگ مرمر تو ہم لوگوں نے بیچا اور جامع مسجد کا سنگ مرمر اس میں لگایا۔

دسواں واقعہ

یعقوب بن محمد خراسانیؒ اور دو راہبوں کا واقعہ

یعقوب بن محمد خراسانیؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں اپنے شہر سے سیاحت اور توکل کے ارادہ سے چلا اور اسی حالت میں بیت المقدس تک پہنچا اور تیہ بنی اسرائیل کے ایک غار میں بہت دنوں تک رہا کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ موت کے قریب پہنچا اسی حالت میں دو راہبوں کو میں نے سیر کرتے دیکھا اور پراگندہ بال اور گرد آلود تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور سلام کیا اور پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم کہاں ہو؟ کہا ہاں۔ ہم اللہ کے ملک میں اس کے سامنے ہیں۔ میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ملامت کرنے لگا اور کہا یہ دونوں راہب باوجود کافر ہونے کے توکل پر قائم ہیں اور تو قائم نہیں ہوتا۔ پھر ان سے کہا تم اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے سکتے ہو۔ انہوں نے کہا بہتر ہوگا انشاء اللہ۔ چنانچہ ہم تینوں چلے۔ جب شام ہوئی تو وہ دونوں اپنے معبود کی عبادت کرنے لگے اور میں اپنے معبود کی جانب متوجہ ہو کر کھڑا ہوا اور مغرب کی نماز میں تیمم سے ادا کی۔ وہ مجھے مٹی سے تیمم کرتے دیکھ کر مسکرائے۔ جب اپنی نماز پڑھ چکے تو ایک نے ان میں سے اپنے ہاتھ سے زمین کھودی تو موتی کی طرح چمکتا ہوا صاف پانی وہاں سے نکلا۔ میں متحیر رہ گیا۔ اور پھر دیکھا تو اس کے دائیں طرف کھانا رکھا ہوا تھا۔ اس سے اور تعجب ہوا۔ انہوں نے مجھ سے کہا تجھے کیا ہوا جو حیران ہے آگے بڑھ اور اسے کھا جو حلال روزی ہے اور یہ ٹھنڈا اور میٹھا پانی پی اور اللہ ذوالجلال کی عبادت کر۔ میں آگے بڑھا اور سب نے مل کر کھانا کھایا اور پانی پیا۔ پھر نماز کے واسطے میں نے وضو کیا اور نماز قضا کی اور وہ پانی زمین میں چلا گیا گویا تھا ہی نہیں۔ پھر وہ اپنی نماز میں مشغول ہوئے۔ حتیٰ کہ صبح ہوئی اور دونوں سفر کے واسطے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ رات تک چلا جب شام ہوئی تو دوسرا راہب آگے بڑھا اور نماز پڑھ کے چپکے سے کچھ دعا کی اور پھر اپنے ہاتھ سے زمین

ساتواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے مثالی مردوں کی دس مثالی کرامات

قابل احترام بھائیو! یہ باب ہماری اس کتاب کا ساتواں باب ہے اس باب میں ہم نے مردوں کی اصلاح اور ترقی کے لئے مثالی مردوں کی دس مثالی کرامات لکھی ہیں پچھلے باب میں مثالی مردوں کے دس مثالی واقعات تھے اور یہاں کرامات ہیں ان دونوں میں الگ الگ مثالی مردوں کا تذکرہ ہے یقیناً ان کرامات کے پڑھنے سے آپ کا ایمان تازہ ہو جائے گا چنانچہ یہ دس کرامات اس ترتیب کے مطابق ان شاء اللہ آپ پڑھیں گے۔

پہلی کرامت.. ایک نوسلم کی کرامت

دوسری کرامت.. زندگی بھر پسینے سے خوشبو آنے کی کرامت

تیسری کرامت.. حضرت مالک بن دینار کی ایک خوبصورت واقعہ اور ان کی کرامت

چوتھی کرامت.. فرشتے کے آسمان سے اتر کر قتل کرنے کی عجیب کرامت

پانچویں کرامت.. ایک اللہ کے ولی کی کرامت

چھٹی کرامت.. ایک سفر کی عجیب کرامت

ساتویں کرامت.. کوہ لگام کے ایک ولی کی کرامت

آٹھویں کرامت.. ایک عجیب تر کرامت

نویں کرامت.. حضرت سفیان ثوری کی کرامت

دسویں کرامت.. نہر تاکل پہ بیٹھے والے بزرگ کی کرامت

لیجئے اب پہلے نمبر سے ان مثالی مردوں کی مثالی کرامت کا مطالعہ شروع کیجئے ان شاء اللہ ایمان تازہ ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

پہلی کرامت

ایک نومسلم کی کرامت

شیخ عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں جہاز میں سوار تھا۔ تلاطم امواج سے جہاز ایک جزیرہ میں جا پہنچا اس جزیرہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک شخص ایک بت کی پرستش کر رہا ہے ہم نے اس سے دریافت کیا کہ تو کس کی عبادت کرتا ہے اس نے بت کی طرف اشارہ کیا ہم نے کہا یہ تیرا معبود خالق نہیں بلکہ خود دوسرے کا مخلوق ہے اور ہمارا معبود وہ ہے جس نے اسے اور سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ اس بت پرست نے دریافت کیا تو تم کس کی عبادت کرتے ہو ہم نے جواب دیا کہ ہم اس پاک ذات کی عبادت کرتے ہیں جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی داروگیر ہے اور زندوں اور مردوں میں اس کی تقدیر جاری ہے اس کے نام پاک میں اس کی عظمت اور جلال نہایت بڑی ہے۔ اس نے پوچھا تمہیں یہ باتیں کس طرح معلوم ہوئیں ہم نے کہا اس بادشاہ حقیقی نے ہمارے پاس ایک سچے رسول کو بھیجا جس نے ہدایت کی پھر اس نے پوچھا کہ وہ رسول کون ہیں اور وہ کہاں ہیں؟ ہم نے جواب دیا کہ جس کام کے لئے خدا نے انہیں بھیجا تھا جب وہ پورا کر چکے تو اس نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اس نے کہا رسول خدا نے تمہارے پاس اپنی کیا نشانی چھوڑی ہے؟ ہم نے کہا اللہ کی کتاب کہا مجھے دکھاؤ ہم اس کے پاس قرآن شریف لے گئے اس نے کہا میں تو پڑھ نہیں سکتا تم پڑھ کر سناؤ ہم نے اسے ایک سورۃ پڑھ کر سنائی وہ سن کر روتا رہا اور کہنے لگا جس کا یہ کلام ہے اس کا حکم تو دل و جان سے ماننا چاہئے اور کسی طرح اس کی نافرمانی نہ کرنی چاہئے۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ ہم نے اسے دین کے ضروری احکام اور چند سورتیں سکھائیں۔ جب رات ہوئی اور ہم سب سونے اپنے بچھونوں پر لیٹ رہے وہ بولا بھائیو یہ معبود جس کا تم نے مجھے پتہ اور صفات بتائیں وہ سوتا بھی ہے؟ ہم نے کہا وہ سونے سے پاک ہے وہ ہمیشہ زندہ قائم ہے۔ اس نے کہا تم

کیسے برے بندے ہو کہ تمہارا معبود نہیں سوتا اور تم سوتے ہو۔ اس کی یہ باتیں سن کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی۔ مختصر یہ کہ ہم وہاں چند روز رہے جب وہاں سے کوچ کا ارادہ ہوا اس نے کہا بھائی مجھے بھی ساتھ لے چلو ہم نے قبول کر لیا۔ چلتے چلتے ہم آبادان پہنچے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ ابھی مسلمان ہوا ہے اس کی کچھ مدد کرنی چاہیے۔ ہم سب نے چند درہم جمع کر کے اسے دے اور کہا کہ اسے اپنے خرچ میں لانا۔ وہ کہنے لگا لا الہ الا اللہ! تم تو عجیب آدمی ہو تم ہی نے تو مجھے راستہ بتایا اور خود ہی راہ سے بھٹک گئے، مجھے سخت تعجب آتا ہے کہ میں اس جزیرہ میں بت کی عبادت کیا کرتا تھا میں اسے پہچانتا نہ تھا اس وقت بھی اس نے مجھے ضائع نہیں کیا پھر جب میں اسے جاننے لگا تو اب وہ مجھے کس طرح ضائع کر دے گا۔ تین دن کے بعد ایک شخص نے مجھے آ کر خبر دی کہ وہ نومسلم مر رہا ہے اس کی خبر لو۔ میں یہ سن کر اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ تجھے کیا حاجت ہے کہا کچھ نہیں۔ جس ذات پاک نے تمہیں جزیرہ میں پہنچایا اس نے میری سب حاجتیں پوری کر دیں۔ خواجہ عبدالواحد فرماتے ہیں کہ مجھے وہیں بیٹھے بیٹھے نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا دیکھتا ہوں کہ ایک سرسبز باغ ہے اس میں ایک قبہ ہے اور ایک منقش تخت بچھا ہوا ہے اس پر ایک نہایت حسین نوعمر عورت جلوہ افروز ہے، کہتی ہے خدا کے لئے اس نومسلم کو جلدی بھیجو مجھے اس کی جدائی میں بڑی بے قراری اور بے صبری ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھلی تو دیکھا وہ سفر آخرت کر چکا تھا۔ میں نے اسے غسل و کفن دے کر دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو خواب میں وہی قبہ اور باغ اور تخت پر وہی عورت اور پہلو میں اس نومسلم کو دیکھا کہ وہ یہ آیت پڑھ رہا ہے۔

والملائکة یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

(اور فرشتے ان پر یہ کہتے ہوئے ہر دروازے سے آئیں گے کہ سلامتی ہے تم پر پس کیا اچھا بدلہ ہے آخرت کا)۔

دوسری کرامت

زندگی بھر ہاتھ سے خوشبو آنے کی کرامت

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا اور اس سال سخت گرمی تھی لو چلتی تھی

ایک دن جب میں ملک حجاز کے وسط میں تھا قافلہ سے جدا ہو کر کچھ دیر تک سو رہا۔ اچانک ایک شخص سامنے آیا میں جلدی کر کے اس سے ملا وہ ایک کمسن بے ریش لڑکا تھا گویا کہ وہ چودویں رات کا چاند تھا وہ پیرکا آفتاب تاباں ناز وکرشمے کے انداز اس سے ظاہر تھے میں نے کہا صاحبزادے السلام علیکم۔ جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اے ابراہیم۔ مجھے سخت تعجب ہوا اور اس حال پر شک گزرا مجھ سے ضبط نہ ہو سکا میں نے کہا سبحان اللہ تو نے مجھے کیسے پہچانا حالانکہ اس وقت سے پہلے کبھی تو نے مجھے نہیں دیکھا؟ کہا اے ابراہیم جب سے میں نے پہچانا جاہل نہ ہوا اور جس وقت سے ملا جدا نہ ہوا۔ پھر میں نے کہا تو اس بیابان میں اور ایسی سخت گرمی کے موسم میں کیوں آیا جواب دیا اے ابراہیم میں نے بجز اس کے کسی سے دوستی نہیں کی اور نہ کسی کے ساتھ ہوا اور میں ہمہ تن سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف جا رہا ہوں۔ اسی کے معبود ہونے کا اقرار ہے۔ میں نے پوچھا کھانا پینا کہاں سے ملتا ہے جواب دیا میرا دوست ضامن ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم مجھ کو گرمی کی شدت اور موسم کی حرارت سے تیری جان کا خوف ہے۔ اس نے جواب دیا اور آنکھوں اور رخساروں سے موتیوں کی لڑیاں بہائیں اور چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

اے شخص تو مجھے راہ حق کے سفر سے ڈراتا ہے حالانکہ میں تو اپنے دوست کے پاس جا رہا ہوں محبت کھٹکے میں ڈالتی ہے اور شوق ابھارے ہوئے لئے جاتا ہے۔ بھلا خدا کا دوست بھی کسی انسان سے ڈرا ہے۔ بھوک میں ذکر الٰہی اس کا پیٹ بھرتا ہے اور خدا کے شکر سے اس کی پیاس بجھ جاتی ہے میں ضعیف و ناتواں ہوں تو کیا ہوا آخر اس کا عشق مجھے حجاز سے خراسان تک اٹھا لے جائے گا کیا اس وقت مجھے چھوٹا جان کر حقیر سمجھتا ہے تو میری ملامت سے باز آ جو کچھ گزرے گزرنے دے۔

وہ بزرگ کہتے ہیں پھر میں نے اس سے کہا تجھے خدا کی قسم اے لڑکے تو اپنی عمر ٹھیک ٹھیک بتلا دے کہا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یقیناً میری عمر بارہ برس کی ہے۔ پھر کہا اے ابراہیم کیا عجب ہے جو تو نے میری عمر پوچھی اور میں نے ٹھیک ٹھیک عمر بتلا دی؟ میں نے کہا میں تیری باتیں سن کر حیران تھا۔ کہا الحمدللہ کہ مجھ کو بہت سے اپنے خاص ایمانداروں پر فضیلت دی۔ کہتے ہیں مجھ کو اس کی خوبصورتی اور شیریں بیانی پر تعجب ہوا۔ پاک ہے اس خدا کے لئے جس نے ایسی صورت زیبا پیدا کی

پھر اس لڑکے نے کچھ دیر تک اپنا سر جھکا لیا اس کے بعد سر اوپر اٹھایا اور مجھے تیز نگاہ سے دیکھا۔ پھر کہا اے ابراہیم دراصل جدا وہ ہے جسے دوست چھوڑ دے اور ملنے والا وہ ہے جس نے خدا کی فرمانبرداری میں حصہ لیا لیکن اے ابراہیم تو دونوں قافلوں سے الگ ہے میں نے کہا ہاں میں ایسا ہی ہوں اور خدا کے لئے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے حق میں دعا کرنا کہ میں قافلہ میں اپنے ہمراہیوں سے مل جاؤں۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور اپنے لب ہلا کر کچھ کہا اس وقت مجھے کچھ غنودگی معلوم ہوئی اور میں بیہوش ہو گیا۔ جب مجھ کو ہوش آیا تو اپنے قافلہ میں پایا اور میرا ساربان کہتا تھا اے ابراہیم سنبھلے رہو سواری سے نہ گرو مجھے معلوم نہ ہوا کہ وہ لڑکا آسمان کو اڑ گیا یا زمین میں سما گیا۔ پھر ہم جب اہل قافلہ مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے اور میں حرم شریف میں داخل ہوا میری نظر اچانک ایک لڑکے پر پڑی جو غلاف کعبہ کا پردہ پکڑے رو رہا ہے۔ اس کے بعد وہ خود بخود سجدہ میں گر پڑا اور میں دیکھتا ہی رہا۔ پھر میں اس کے پاس آیا اور اس کو ہلایا تو وہ جان بحق ہو چکا تھا۔ خدا اس سے راضی ہو۔

مجھے اس پر سخت رنج اور افسوس ہوا میں اپنی قیام گاہ میں واپس گیا اور کپڑا اور ضروریات کی چیزیں اس ارادے سے کہ اس کو دفن کروں ساتھ لے کر واپس آیا۔ مگر میں نے اس کو نہ پایا اور نہ کسی نے خبر دی کہ اس نے اسے زندہ یا مردہ دیکھا ہو تو میں نے جان لیا کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ کیا گیا ہے اور میرے سوا کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ میں اپنے مکان پر واپس آیا اور کچھ دیر سویا اس کے بعد خواب میں اسے دیکھا ایک بڑی جماعت میں سب سے اول سردار نہایت عمدہ و بہا نورانی پوشاک پہنے ہوئے جس کی ثنا و صفت بیان میں نہیں آسکتی۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تو ہمارا دوست نہیں کہا ہاں۔ پھر میں نے کہا کیا تو مرا نہیں؟ کہا ہاں یہ درست ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم تجھ کو دفن کرنے کے لئے میں نے بہت تلاش کیا اور چاہا کہ تیرے جنازہ کی نماز پڑھوں۔ کہا اے ابراہیم تو جان لے کہ جس نے مجھے میرے شہر سے نکالا اور اپنی محبت کا شائق کیا اور میرے گھر والوں سے جدا کر کے مسافر بنایا اسی نے مجھے کفن دیا اور جو حاجت مجھے تھی پوری کی۔ میں نے کہا خدائے کریم نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے اپنے روبرو کھڑا کیا اور فرمایا تیری کیا مراد ہے میں نے عرض کیا خداوندا تو ہی میری مراد اور آرزو ہے۔ پھر فرمایا تو میرا سچا بندہ ہے اور تیرے

لئے میرے پاس یہ ہے کہ جو کچھ تو چاہے تجھ سے نہ چھپاؤں۔ پھر میں نے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ جس زمانہ میں میں ہوں ان لوگوں کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ حکم ہوا میں نے سفارش منظور کی حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں پھر اس لڑکے نے مجھ سے عالم خواب میں مصافحہ کیا اس کے بعد میں جاگ اٹھا صبح کو اٹھ کر جو کچھ میرے ذمہ ارکان حج واجب تھے ادا کئے مگر میرے دل کو کسی طرح قرار نہ تھا۔ اس لڑکے کی یاد اور غم و افسوس ہر وقت تھا پھر میں تمام حاجیوں کے ہمراہ واپس ہوا راستے کے دوران ہر شخص یہی کہتا تھا اے ابراہیم تیرے ہاتھ کی خوشبو سے سب لوگ حیران ہیں راوی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھوں سے وہ خوشبو ان کی زندگی بھر آتی رہی۔

تیسری کرامت

حضرت مالک ابن دینارؒ کی توبہ کا خوبصورت واقعہ اور ان کی کرامت

حضرت مالک ابن دینارؒ سے کسی نے ان کی توبہ کرنے کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ میں شرابی آدمی تھا ہر وقت شراب خوری میں ڈوبا رہتا تھا۔ میں نے ایک بہت حسین خوبصورت لونڈی خریدی اور اس سے خوب مجلس کی سال سے میری ایک بیٹی ہوئی اس سے بھی مجھے از حد محبت ہوگئی جس وقت وہ پاؤں چلنے لگی تو میرے دل میں اس کی الفت و محبت اور زیادہ ہوتی چلی گئی اور آخر یہ ہوتا کہ جب میں شراب لے کر بیٹھتا وہ میرے پاس آتی اور مجھ سے چھین کر میرے کپڑوں پر گرا جاتی۔ جب وہ پوری دو برس کی ہوئی تو اس کا انتقال ہوگیا۔ مجھے اس کے رنج و صدمہ نے بالکل تباہ کر دیا تھا۔ جب ماہ شعبان نصف گزر چکا اتفاق سے جمعہ کی شب بھی تھی میں شراب میں مست ہو کر سو رہا عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی (میں نے خواب میں) دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور اہل قبور قبروں سے نکل نکل کر آ رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں مجھے اپنے پیچھے کچھ کھس کھساہٹ سی معلوم ہوئی میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک بہت بڑا کالا سانپ میری طرف منہ کھولے دوڑا آ رہا ہے۔ میں خوف کے مارے اس کے آگے آگے بھاگا جا رہا ہوں رعب مجھ پر چھایا ہوا ہے۔ میں ایک راستہ سے گزرا تو ایک بوڑھے آدمی سفید کپڑے سے پہنے خوشبو لگائے ہوئے ملے۔ میں نے اس سے گریہ وزاری کی (کہ مجھے اس سانپ سے بچا دیجئے) تو انہوں نے فرمایا میں ضعیف آدمی ہوں یہ مجھ سے زیادہ زور

آور ہے اس لئے میں نہیں بچا سکتا لیکن تم جاؤ وہیں شاید اللہ تعالیٰ تمہاری نجات کا سبب پیدا کر دے۔ پھر میں اور بھی زیادہ بھاگا اور ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ وہاں سے دوزخ کی لپٹیں اور ان کے طبقے نظر آنے لگے۔ میں اسی سانپ کے اندیشہ سے جو میرے پیچھے آ رہا تھا قریب تھا کہ میں ان میں جا پڑوں اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ "پیچھے ہٹ تو دوزخی نہیں ہے" اس کے کہنے پر مجھے اطمینان ہوا اور میں پیچھے ہٹا لیکن وہ سانپ میرے پیچھے تھا۔ پھر مجھے آواز آئی تو میں اس وقت ان بوڑھے صاحب کے پاس پھر آیا اور کہا کہ آپ سے میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اس سانپ سے بچا دیں آپ نے قبول نہ کیا یہ سن کر وہ رونے لگے اور فرمایا میں خود کمزور اور ناتواں ہوں لیکن تم اس پہاڑ پر جاؤ یہاں مسلمانوں کی امانتیں جمع ہیں اگر تمہاری بھی کوئی شے امانت رکھی ہوگی تو اس سے مدد مل جائے گی میں نے دیکھا تو وہ گول پہاڑ تھا بہت سے دروازے اس میں بنے ہوئے ان پر پردے پڑے ہوئے اور ہر دروازے کی دونوں چوکھٹیں سونے کی یاقوت اور موتی جڑے ہوئے ہر دروازے پر ریشمی پردے تھے۔ جس وقت میں نے اس پہاڑ کو دیکھا تو میں اس کی طرف دوڑا اور وہ سانپ بھی میرے پیچھے دوڑا۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو چند فرشتوں نے پردے اٹھا کر اس کے دروازے کھول دیئے اور انہوں نے خود ہی دیکھنا شروع کر دیا کہ شاید یہاں اس ناامید کی کوئی امانت مل جائے اور اسے اس کے دشمن سے بچا لے۔ جس وقت پردے اٹھ گئے اور دروازے کھل گئے تو بہت سے بچے چاند سے چہرے چمکاتے ہوئے نکلے اور وہ سانپ میرے پاس ہی آ گیا تھا۔ میں اپنی فکر میں نہایت ہی حیران اور پریشان تھا اتنے میں ایک بچے نے چیخ کر کہا کہ افسوس تم سب تو موجود ہو اور وہ سانپ اس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ سنتے ہی بچوں کی ایک جماعت نکلی اور میری بچی جو مر گئی تھی یکایک وہ بھی آ نکلی اور مجھے دیکھ کر رونے لگی اور کہا ہائے اللہ میرے ابا۔ یہ کہتے ہی تیر کی طرح ایک نورانی مکان میں چلی گئی۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ میری داہنی طرف بڑھایا تو میں اوپر چڑھ گیا اور اپنا داہنا ہاتھ اس سانپ کی طرف کیا تو وہ فوراً پیچھے کی طرف بھاگ گیا۔ پھر اس نے مجھے بٹھا لیا اور خود میری گود میں بیٹھ گئی اور میری داڑھی پر ہاتھ مار کر کہا اے ابا الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ وما نزل من الحق۔

یعنی کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور نازل شدہ عبرتوں سے مسلمانوں کے دل

ڈر جاتی ہیں؟ اس پر میں رونے لگا۔ میں نے پوچھا کہ اے بچی یہ یہاں تم قرآن شریف بھی سیکھتی ہو؟ کہا کہ ہم تم ہی سے سیکھتے ہیں۔ میں نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ یہ سانپ جو مجھے کھانے کو آتا تھا یہ کیا بلا تھی؟ کہا یہ تمہاری بداعمالیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ تھا۔ تم ہی نے اسے بڑھا بڑھا کر اپنے اوپر مسلط کر دیا تھا کہ اب تمہیں یہ دوزخ میں جھونکنا چاہتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ بوڑھے صاحب کون تھے جن کے کہنے پر میں یہاں آیا تھا؟ کہا اے ابا یہ تمہارے اعمال صالحہ اور نیک افعال تھے تم نے ان کو ایسا ضعیف و ناتواں کر رکھا ہے کہ تمہارے بداعمال کے مقابلے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ تم اس پہاڑ میں کیا کرتی ہو؟ کہا ہم سب مسلمانوں کے بچے ہیں قیامت آنے تک ہم یہاں رہیں گے۔ تمہارے آنے کا ہمیں انتظار رہتا ہے تاکہ ہم تمہارے لئے سفارش کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں گھبرایا اور مجھ پر رعب چھایا ہوا تھا۔ جب صبح ہوئی تو جو کچھ میرے پاس تھا سب دے ڈالا اور اللہ کے سامنے توبہ کی اور یہی میری توبہ کا باعث ہوا۔

چوتھی کرامت

فرشتے کے آسمان سے اتر کر قتل کرنے کی ایک عجیب کرامت

روایت ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک تاجر تھے جو شام سے مدینہ اور مدینہ سے شام کی طرف مال لے جاتے تھے اور قافلے کے ساتھ نہیں جاتے تھے صرف اللہ پر توکل کرتے تھے۔ ایک بار شام سے مدینہ منورہ کی طرف مال لا رہے تھے۔ ناگہاں ایک ڈاکو گھوڑے پر سوار ان کے آگے آ گیا اور تاجر پر چلا کر رکا۔ تاجر نے کہا یہ مال تو لے جا مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا مال تو میرا ہی ہے میں تیری جان بھی چاہتا ہوں۔ تاجر نے پھر کہا میری جان لے کر تو کیا کرے گا مال لے جا اور مجھے چھوڑ دے۔ اس ڈاکو نے پھر وہی پہلی والی بات کہی۔ تاجر نے کہا اچھا تم اتنی دیر مجھے مہلت دے دو کہ میں وضو کر کے نماز پڑھوں اور دعا کر لوں۔ اس نے کہا جو جی چاہے کر لے۔ تاجر نے وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھی اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھی۔

یا ودود یا ودود یا ودود یا ذالعرش المجید یا مبدئ یا معید یا فعال لما یرید اسئلک بنور وجھک الذی ملاء ارکان عرشک واسئلک بقدرتک التی قدرت بھا

علی جمیع خلقک وبرحمتک التی وسعت کل شئی لاالٰہ الا انت یا مغیث اغثنی اغثنی

دعا سے فارغ ہوتے ہی دیکھا کہ ایک سوار سفید گھوڑے پر چڑھے ہاتھ میں نور کی تلوار لئے پہنچا۔ وہ ڈاکو سوار کو دیکھ کر اس پر دوڑا جب قریب پہنچا تو اس سوار نے ایک ایسا نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا پھر تاجر کے پاس آ کر کہا تو اسے قتل کر۔ تاجر نے کہا تم کون ہو میں نے اب تک کسی کو قتل نہیں کیا نہ اس کے قتل سے میرا جی خوش ہوا۔ سوار نے لوٹ کر اس ڈاکو کو قتل کیا اور پھر تاجر سے آ کر کہا کہ میں ایک فرشتہ ہوں تیسرے آسمان میں رہتا ہوں۔ جب تو نے پہلی بار دعا کی تو ہم نے آسمان کے دروازے پر سخت آواز کی جس سے ہم نے جانا کہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔ جب تو نے دوسری مرتبہ دعا کی تو آسمان کے دروازے زور سے کھلے کہ ان سے چنگاریاں اڑنے لگیں۔ تیسری مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آواز دی کہ اس مصیبت زدہ کی مدد کون جاتا ہے؟ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اس کام پر مقرر کیا جائے۔

تم جان لو کہ جو شخص مصیبت کے وقت تیری یہ دعا پڑھے گا خواہ کوئی حادثہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے بچائے گا۔ اور اس کی فریاد رسی فرمائے گا۔ وہ تاجر اس واقعہ کے بعد سلامتی کے ساتھ مدینہ طیبہ میں آیا اور بارگاہ نبوی میں آ کر سارا قصہ عرض کیا اور دعا سنائی۔ آپ نے فرمایا اللہ نے تجھ کو اسمائے حسنیٰ کی تلقین کی جس کے وسیلہ سے دعا مستجاب اور سوال مقبول ہوتا ہے۔

پانچویں کرامت

ایک اللہ کے ولی کی کرامت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نیت سے داخل ہوا وہاں ایک فقیر اور تاجر بیٹھے ہوئے تھے اور وہ فقیر دعا مانگ رہا تھا کہ اے مالک میں آج فلاں فلاں قسم کا کھانا فلاں فلاں قسم کا حلوہ چاہتا ہوں۔ اس تاجر نے کہا اگر یہ شخص مجھ سے مانگتا تو میں ضرور کھلاتا لیکن وہ حیلہ کر رہا ہے میرے سامنے اللہ سے دعا کرتا ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ میں کھلاؤں اللہ کی قسم اسے ہرگز کچھ نہ کھلاؤں گا۔ وہ فقیر دعا سے فارغ ہو کر مسجد کے ایک گوشہ میں

سو گئے ناگاہ مسجد میں ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں ایک خوان سرپوش ڈھکا ہوا تھا اس نے مسجد کے
چاروں طرف دیکھا تو اس نوجوان کو ایک گوشہ میں سویا ہوا پایا ان کے پاس آ کر انہیں جگایا اور خوان ان
کے آگے رکھ کر رخصت کیا۔ اس تاجر نے جو دیکھا تو اس میں اسی قسم کے کھانے تھے جتنے اس
نے طلب کئے تھے انہوں نے بقدر اشتہا کھایا اور باقی پھیر دیا تاجر نے اس لانے والے سے کہا کہ
میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں تو اس شخص کو پہلے سے جانتا تھا؟ اس نے کہا واللہ میں نہیں
جانتا۔ میں ایک مزدور آدمی ہوں ایک سال سے میری لڑکی اور بیوی ان کھانوں کا شوق رکھتے تھے مگر
اتفاق نہیں ہوتا تھا آج میں نے ایک شخص کا بوجھ اٹھایا تو اس نے ایک مثقال سونا مجھے دے دیا۔ میں
گوشت وغیرہ خرید لایا اور میری بیوی پکانے لگی۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی میں نے خواب میں
حضور ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا آج تمہارے یہاں ایک ولی اللہ آئے ہوئے ہیں اور مسجد میں
ٹھہرے ہوئے ہیں تو نے جو کھانے اپنے گھر والوں کے لئے پکوائے ہیں ان کا انہیں بھی شوق ہے
یہ کھانے ان کے پاس لے جا وہ اپنی ضرورت کے مطابق کھا لیں گے اور باقی میں اللہ تمہیں برکت
دے گا اور میں تیرے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں میں نے بیدار ہو کر اس کی تعمیل کی ہے تاجر
نے کہا میں نے اس شخص کو اللہ سے مانگتے ہوئے سنا تھا پھر تاجر نے پوچھا تو نے اس پر کیا خرچ کیا
ہے؟ اس نے کہا ایک مثقال سونا۔ تاجر نے کہا مجھ سے دس مثقال لے کر اپنے ثواب میں مجھے ایک
قیراط کا حصہ دار بنا لو اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ تاجر نے کہا بیس مثقال لے لے اس نے کہا
نہیں، پھر پچاس مثقال لے کر شریک بنا لے۔ اس نے کہا قسم ہے اللہ کی میں ہرگز ایسی چیز کو جس کی
نبی ﷺ نے ضمانت کی ہے فروخت نہ کروں گا اگر چہ ساری دنیا اس کی قیمت میں دے دے اگر
تجھے اجر لینا تھا تو مجھ سے پہلے اس عابد کی خواہش پوری کی ہوتی مگر اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت
کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ تاجر اپنی غفلت سے بہت شرمندہ ہوا لیکن اس کی
ندامت نے کچھ نفع نہ دیا اور پریشان ہو کر مسجد سے نکلا جیسے اپنی گمشدہ چیز پر کوئی پریشان ہوا کرتا
ہے۔

چھٹی کرامت

ایک صابر کی عجیب کرامت

ایک اللہ والے سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے ارادت میں ایک شخص کی خدمت میں گیا اور وہ مجھے خدمت کا حکم فرماتے تھے اور میں خدمت سے خوش ہوتا تھا۔ ایک دن مجھے قصائی کے یہاں بھیجا تا کہ فقیروں (اللہ والوں) کے واسطے گوشت لے کر آؤں۔ چنانچہ میں نے حسب ضرورت گوشت خرید کر اٹھا لیا اور چلنے کے ارادہ سے مڑنے ہی والا تھا کہ سامنے سے ایک آدمی نظر آیا جو ایک لدے ہوئے جانور کو ہانکتے ہوئے آ رہا تھا۔ مجھے اس شخص کو دھکا لگا میں قصائی کی ایک دکان کی تختہ پر گر پڑا اور میرا پیر زخمی ہو گیا۔ دکاندار نے مجھے اس تختے پر سے اٹھایا لیکن مجھے بہت تکلیف ہوئی اور زخم پر پٹی بندھواتی رہا تھا کہ اتنے میں وہ گدھے والا تین آدمیوں کو ساتھ لئے آ موجود ہوا اور کہا میرا بٹوا گر پڑا ہے جس میں دس دینار تھے اور وہ میرے سر پر سوار ہو گیا وہ مجھے اور قصاب کو اور دو اور آدمیوں کو پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گیا اور کہا انہوں نے بٹوا چرایا ہے۔ چنانچہ میرے سب ساتھیوں کو کوڑے لگے اور مجھے بھی آخر میں لٹایا گیا اور مار میرے زخم ہی پر پڑتی رہی تھی۔ راستے میں ایک سپاہی کی نظر اس برتن پر پڑی جس میں گوشت تھا۔ دیکھا تو اس میں بٹوا پڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا یہی بٹوا ہے۔ کوتوال نے کہا اس کا ہاتھ کاٹا جانے چنانچہ اس کے حکم سے نکال کر لے گیا اور مجھ پر ایک مخلوق جمع ہو گئی۔ کوئی مارتا تھا کوئی گالیاں دیتا تھا۔ اور میں چار آدمیوں کے بیچ میں تھا۔ اتنے میں ایک شخص نے آواز دی کہ تم کمبخت کیا چور کو حاضر کرو، میں اپنا کام اللہ کے سپرد کر چکا تھا جس کے ہاتھ میں سب کی حکومت ہے۔ یہ شخص نے اس زور سے میرے ایک طمانچہ مارا کہ میرے ہوش بالکل بجا نہ رہے۔ اس وقت بھی میں اس بلا پر صابر تھا اور اپنا کام اللہ ہی کے سپرد کر دیا تھا۔ پھر اس نے کہا اسے چوراہے پر لے جاؤ اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکا دیا جس سے میں منہ کے بل زمین پر سجدے کی شکل میں گر پڑا۔ اس وقت میں نے جناب نبی ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ مسکرا رہے ہیں اور میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں ابھی وہاں پر سیدھا بھی کھڑا نہ ہو پایا تھا کہ یہ ساری مصیبت مجھ سے دور ہو گئی اور ایک شخص نے چلا کر کہا یہ شخص جس کو تم نے گرفتار کیا شیخ کا خادم ہے اس وقت

لوگوں نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اب تو سب لوگ میرے پاؤں پر گرنے لگے اور کوتوال صاحب بھی روتے ہوئے آئے اور میرا پاؤں چومنے لگے اور کہا حضرت خدا کے واسطے عرض کرتا ہوں کہ آپ ہماری خطا معاف کریں۔ پھر بجوے والا آ کر گریہ وزاری کرنے لگا اور کہا حضرت مجھ سے راضی ہو جایئے۔ میں نے کہا خدا مجھے اور تمہیں معاف کرے یہ ایک آزمائش تھی جس سے میرے صبر کی پوشیدہ طاقت ظاہر ہوئی۔ پھر بجوہ کھولا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ بجوا اور بجوہ دونوں شیخ ہی کے واسطے بھیجے گئے تھے۔ اتفاقاً اس واقعہ کے وقت شیخ اور باقی فقراء آپس کے ایک زمانے کے سبب استغفار میں مشغول تھے اور کوئی باہر نکلا یہاں تک کہ میں دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ میرے پاس وہ گوشت اور بجوا تھا۔ میں نے سارا قصہ بیان کیا فرمایا جس نے صبر کیا اس نے جمال و کمال حاصل کیا۔ پھر فرمایا اے بیٹے میں بھی فقیروں کے ساتھ تیری یہ حالت دیکھ رہا تھا کیونکہ مجھے اس کا پہلے سے علم تھا۔ پھر فرمایا اے محمد! یہ واقعہ طریقت میں تمہارے کامل ہونے کا سبب بن گیا اب جہاں چاہو سفر کرو۔

ساتویں کرامت

کوہ لکام کے ایک ولی کی کرامت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں دس آدمیوں کے ہمراہ کوہ لکام پر گیا۔ کئی دن ہم وہاں سیر کرتے رہے اور پہاڑ سے اتر کر ایک میدان میں پہنچے وہاں ایک میٹھے پانی کا تالاب تھا۔ اس کے کنارے ایک سفید سنگ مرمر کی مسجد بنی ہوئی تھی اور ایک چشمہ مسجد کے ایک پتھر کے نیچے سے بہہ کر اس تالاب میں جا رہا تھا۔ ہم اس مسجد میں بیٹھ گئے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو ایک شخص نے آ کر اذان کہی اور اندر آ کر ہمیں سلام کیا اور دو رکعات پڑھیں اور اقامت کہی۔ اتنے میں ایک شخص تین آدمیوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے۔ اور محراب میں جا کھڑے ہوئے اور ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے۔ پھر چلے گئے اور ہم سے کچھ نہ کہا۔ جب عصر کا وقت ہوا تو ہم ہی نے نماز ادا کی اور ان میں سے کوئی نہ آیا۔ جب مغرب ہوئی تو اس شخص نے اذان کہی اور شیخ نے آ کر نماز پڑھائی۔ پھر سرخ شفق کے غائب ہونے تک نماز پڑھتے رہے پھر اذان دی گئی اور انہیں شیخ نے عشاء کی نماز

پڑھائی اور چلے گئے۔ نہ ہم نے ان سے کوئی بات کی نہ انہوں نے ہم سے کوئی بات کی۔ جب تھوڑی دیر گزری تو ان میں سے ایک شخص کچھ لئے ہوئے آیا اور مسجد کے ایک کونہ میں رکھ کر ہم سے کہا چلو خدا تم پر رحم کرے۔ ہم ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ ایک سفید دسترخوان ہے۔ اس جیسا ہم نے کبھی نہ دیکھا تھا اس نے اسے کھولا تو اس کے اندر ایک سبز زمرد کا سرپوش تھا اور اس کے نیچے ایک سرخ یاقوت کا خوانچہ تھا اس پر ایک کھانا ثرید کی شکل چنا ہوا تھا۔ ہم نے اس میں سے کھایا۔ لیکن ہمارے کھانے سے اس میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ صبح کے وقت وہ شخص آیا اور خوانچہ اٹھا کر لے گیا پھر اذان اور اقامت کہی اور اس شیخ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی اور محراب میں بیٹھ کر قرآن شریف ختم کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور ایک اچھی دعا مانگی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ایک دو فرض مقرر فرمائے ہیں اور سب لوگ اس سے غافل ہیں۔ میں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے وہ کیا ہیں۔ فرمایا خدا تمہاری سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرے۔ اے میرے بیٹے اللہ عزوجل جل جلالہ نے فرمایا۔ ان الشیطان لکم عدو اور اس کی تعریف برائی کے ساتھ کی۔ پھر فرمایا فاتخذوہ عدوا۔ یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی بنائے رکھو۔ یہ ہم کو اللہ کا حکم ہے کہ اسے دشمن بنائے رکھیں اور اس سے کیسے بچیں۔ فرمایا ہاں اللہ تجھ پر رحم کرے" اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے سات قلعے بنائے ہیں۔ میں نے کہا وہ قلعے کون سے ہیں۔ فرمایا پہلا قلعہ سونے کا ہے اور یہ معرفت الٰہی ہے، اور اس سے آگے چاندی کا قلعہ ہے، اور یہ ایمان کا قلعہ ہے، اور اس سے آگے لوہے کا قلعہ ہے اور یہ توکل علی اللہ ہے، اور اس کے گرد پتھر کا قلعہ ہے اور یہ شکر اور رضا ہے، اور اس کے گرد اینٹوں کا قلعہ ہے اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ان کی بجا آوری ہے، اور اس کے گرد زمرد کا قلعہ ہے وہ صدق اور اخلاص ہے تمام احوال میں، اور اس کے گرد تازہ موتیوں کا قلعہ ہے وہ نفس کی اصلاح اور تادیب ہے مومن ان سات قلعوں کے اندر ہے، اور ابلیس ان کے باہر رہتا ہے اور کتے کی مانند بھونکتا ہے اور مومن پرواہ نہیں کرتا کیونکہ وہ ان قلعوں کے اندر محفوظ ہے۔ پس مومن کو لازم ہے کہ کسی حال میں اپنے نفس کی اصلاح نہ چھوڑے اور کسی حالت میں اس سے سستی نہ کرے کیونکہ وہ شخص نفس کی تادیب چھوڑ دیتا ہے اور اس کی اصلاح میں سستی کرتا ہے اسے رسوائی ہوتی ہے اوپر سے بعجز ترک ادب کے ابلیس لعین اس کے درپے ہو جاتا ہے اور اس کی تاک میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ پہلے قلعہ پر

قابض ہو جاتا ہے۔ پھر کبر کے بعد دکھاوے سارے قلعے لے لیتا ہے اور ترک ادب کی وجہ سے اللہ کی طرف سے خسارہ اور رسوائی ہوتی ہے جب ساتوں قلعے لے چکتا ہے تو اسے کفر میں پھنساتا ہے اور ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من جمیع ذالک۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق اور حسن ادب کی استدعا کرتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ فرمایا ہاں خدا تعالیٰ تمہاری کوتاہی کی تلافی کرے۔ اللہ کی رضا میں کوشش کرو جس قدر کہ تم اپنے نفس کی رضا میں کوشش کرتے ہو۔ اور دنیا کا کام اس کی زندگی کی مقدار پر کرو۔ اللہ کی فرمانبرداری اتنی کرو جتنی تم کو اس کی حاجت ہے اور ابلیس کی فرمانبرداری اتنی کرو جتنا وہ تمہارا خیر خواہ ہے۔ وہ خیر خواہی دھوکے کے واسطے کرتا ہے۔ اور گناہ اس قدر کرو جتنی تجھ میں دوزخ کی برداشت ہو اور زبان کو ایسی باتوں سے جس میں ثواب نہیں ہے روکے رکھو جیسا کہ تو نے اپنے کو ایسی تجارت سے باز رکھا ہے جس میں کوئی نفع نہ ہو۔ اور چار چیزیں چار چیزوں کے واسطے چھوڑ دے۔ پھر تجھے پرواہ نہیں کہ تو کس وقت مرے۔ اول خواہش نفسانی کو جنت میں پہنچ جانے تک چھوڑ دے رکھو اور نیند کو قبر میں پہنچنے تک اور آرام کو پل صراط سے گزر جانے تک اور فخر کو نامہ اعمال کے لے لینے تک روکے رکھو۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ اٹھ کر چل دیئے ہم اس دن وہیں رہے۔ جب رات ہوئی تو وہی شخص اس خوان پر ویسا ہی کھانا لے گیا۔ ہم نے کھایا اسی طرح ہم تین دن وہاں رہے۔ جب چوتھا دن ہوا تو ہم نے شیخ سے رخصت چاہی۔ آخر میں آپ نے یہ فرمایا اے جوانو! یہاں کا ذکر پوشیدہ رکھو خدا تمہاری دنیا و آخرت میں تمہارے عیب چھپائے۔ ہم ان کے پاس سے نکل کر اس میدان میں چلے اور درختوں کی جانب سے ہوتے ہوئے چلے ان میں ہر قسم کے میوے لگے ہوئے تھے ہم نے دور سے نہر کے ایک کنارے پر ایک پرندہ کھڑا ہوا دیکھا۔ جب ہم قریب ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھیں پھوٹی ہوئی تھیں۔ ہم اس کی حالت پر تعجب کر رہے تھے راستے میں ایک سیاہ شہد کی مکھی آئی اس کے پیچھے بہت سی شہد کی مکھیاں تھیں اس مکھی نے آکر اس پرندے کو پاؤں سے دبایا اس نے منہ کھول دیا اور اس مکھی نے اس کے منہ میں شہد رکھا اس کے بعد ساری مکھیوں شہد لے کر اس کے منہ میں ٹپکاتی گئیں اور شہد رکھتی گئیں حتی کہ اس کا منہ شہد سے بھر گیا۔ اس نے چونچ بند کر لی۔ اس میں سے کچھ نیچے گرا تو اسے ہم نے گرمیں نے چاٹا اور وہاں سے لوٹ آئے خدا ان پر اور جملہ صالحین پر رحم فرمائے۔

آٹھویں کرامت

ایک تعجب خیز کرامت

ایک رومی کہتے ہے میرے اسلام لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ مسلمان ہم پر چڑھ آئے اور میں ان کی تاک میں ان کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن اخیر کی فوج کو غافل پا کر میں نے ان میں سے تقریباً دس آدمی گرفتار کر لئے اور باندھ کر خچروں پر سوار کیا اور ہر ایک پر ایک ایک پہرہ دار مقرر کیا۔ ایک دن میں نے ان میں سے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس کے ہمراہیوں سے اس کے متعلق جواب طلب کیا۔ اس نے کہا کہ یہ شخص جب نماز کا وقت آتا ہے تو مجھ سے کہتا ہے ایک اشرفی دوں گا مجھے نماز پڑھ لینے دے ہمیشہ سے اسی طرح دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے میں نے کہا اس کے پاس کچھ ہے؟ کہا نہیں ہے لیکن جب وہ نماز ادا کر چکتا ہے تو اپنا ہاتھ زمین پر مار کر اٹھاتا ہے تو اس کے ہاتھ میں ایک اشرفی آجاتی ہے اور وہ مجھے دے دیتا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو میں نے پرانے کپڑے پہنے اور ایک ہونی دوجہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس شخص کے پاس کے ساتھ ہولیا تا کہ اس کی سچائی دیکھوں۔ جب ظہر کا وقت آیا تو انہوں نے مجھ سے اشارہ سے کہا اگر نماز پڑھنے دو گے تو میں تمہیں ایک دینار دوں گا۔ میں نے اشارہ سے کہا میں دو دینار لوں گا پھر انہوں نے اشارہ سے کہا اچھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو زمین پر ہاتھ مار کر دو دینار نکالے اور میرے حوالے کئے۔ جب عصر کا وقت آیا تو انہوں نے پھر پہلے ہی کی طرح اشارہ کیا۔ میں نے کہا میں پانچ دینار سے کم نہ لوں گا کہا اچھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو پہلے کی طرح زمین پر ہاتھ مار کر پانچ دینار مجھے اٹھا کر دیئے۔ جب مغرب کا وقت آیا تو پھر اشارہ کیا۔ میں نے کہا میں دس دینار سے کم نہ لوں گا۔ انہوں نے قبول کیا اور نماز سے فارغ ہو کر پہلے کی طرح زمین پر ہاتھ مار کر دس دینار میرے حوالے کئے۔ جب وہ منزل پر پہنچے اور صبح ہوئی تو میں نے ان کی حالت دریافت کی اور انہیں دارالاسلام کی جانب لوٹنے کی اجازت دی انہوں نے لوٹ جانا قبول کیا۔ میں نے انہیں ایک خچر پر سوار کر کے ان کے ساتھ توشہ بھی رکھ دیا اور اپنے آپ میں نے خچر پر سوار کیا اس وقت انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تم کو اس کے پاس اپنے پسندیدہ دین میں قوت دے۔ اسی وقت سے میرے

دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی۔ میں نے ان کے ہمراہ اپنی مقرب جماعت سے کئی آدمی حفاظت کے لئے بھیجے اور ان سے کہہ دیا کہ دارالاسلام میں جو پہلا شہر تمہیں ملے اس میں انہیں پہنچا دو۔ اور ان کو دوات اور کاغذ دیا۔ اور ایک نشان مقرر کیا کہ تم پہنچ کر یہ نشان کاغذ پر لکھ دو تا کہ میں جان لوں کہ انہوں نے احتیاط سے تمہیں پہنچا دیا۔ ہمارے اور اس کے شہر کے درمیان چار روز کا راستہ تھا۔ جب پانچواں روز ہوا تو وہ لوگ واپس لوٹ آئے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ان لوگوں نے قتل نہ کر دیا ہو۔ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا جب ہم تم سے جدا ہوئے تو ایک لحظہ میں وہاں پہنچ گئے۔ اور یہ چار دن ہمیں لوٹنے میں لگے۔

نویں کرامت

حضرت سفیان یمنیؒ کی کرامت

شیخ کبیر عارف باللہ حضرت سفیان یمنیؒ ایک مرتبہ عدن میں داخل ہوئے ان سے کہا گیا کہ یہاں ایک یہودی ہے اسے بادشاہ نے ایک بڑے صوبہ کا حاکم بنا رکھا ہے اور اسے بڑا مرتبہ اور منصب حاصل ہو گیا ہے اب مسلمان اس کی ہمرکابی میں چلتے ہیں اور وہ جب بیٹھتا ہے تو اس کے سر پر کھڑے رہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ سفیانؒ اس کے پاس گئے اور یہ آپ کی ریاضت اور تجرد اور فقیرانہ شکل کا زمانہ تھا آپ نے دیکھا تو وہ کرسی پر بیٹھا تھا اور مسلمان اس کے آگے زمین پر کھڑے تھے اور خدمت گزاری کرتے تھے جب اس کے پاس پہنچے تو کہا کہہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ پس وہ چلایا اور اپنی فوج کو مدد کے لئے بلایا لیکن فوج کسی طرح اس کی مدد کو نہ پہنچ سکی پھر آپ نے اس پر کلمہ شہادت دوسری اور تیسری بار پیش کیا اور وہ ہر مرتبہ فوج کو پکارتا رہا اور فوج اس کی مدد نہیں کر سکتی تھی تیسری دفعہ کے بعد شیخ نے بائیں ہاتھ سے اس یہودی کے بال پکڑے اور سیدھے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا چاقو لیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اسے ذبح کر دیا اور اللہ کے نام پر قربانی کی پھر اپنی جگہ پر لوٹ گئے اور جامع مسجد کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ یہ خبر رفتہ رفتہ امیر تک پہنچی اس نے اس خبر کا یقین نہ کیا کیونکہ وہ یہودی بادشاہ کا خادم اور اس کے خواص میں سے تھا خصوصاً جب یہ سنا کہ قاتل ایک فقیر آدمی ہے۔ پھر جب متواتر خبر پہنچی تو غلاموں سے کہا کہ اس شخص

کو میرے پاس پکڑ لاؤ مگر غلام ان کے پاس تک نہ پہنچ سکے۔ اور جامع مسجد تک جا کے واپس لوٹ گئے۔ اس وقت امیر خود سوار ہو کر اپنی فوج کے ساتھ نکلا اور جامع مسجد میں پہنچا انہیں تکلیف تو کیا پہنچاتے ان میں سے کسی کو حضرت کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوئی اس وقت امیر سمجھ گیا کہ ان کی اللہ کی جانب سے حفاظت ہوتی ہے۔ جب وہاں سے لوٹا تو اسے بادشاہ کی جانب سے سختی کا اندیشہ ہوا کیونکہ شہر اس کی حفاظت میں تھا چنانچہ اس نے عقلمند اور اہل رائے سے مشورہ کیا بعض عقلمندوں نے رائے دی کہ یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں اور آپس میں تعلق رکھتے ہیں اور مکہ میں ایک ولی اللہ ہیں ان کا نام عابدی ہے ان کے پاس کسی کو بھیج کر بلواؤ اور ان سے اس قصہ کی شکایت کرو۔ چنانچہ قاصد بھیج کر انہیں بلوایا اور ان سے شکایت کی اور انہیں مجبور کیا اور کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تا آنکہ بادشاہ کا جواب آئے تک شہر سے نہ نکلنے پائے۔ انہوں نے فرمایا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ پھر حضرت عابدی امیر کے پاس سے چل کر شیخ سفیانؒ کے پاس آئے ان میں محبت اور دوستی تھی اور حضرت عابدی نے ان کے فعل کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا تم نے مسلمانوں کے راستہ سے یہ پتھر اٹھا دیا۔ پھر فرمایا ہمارے ساتھ چلنے کے لئے چلو حتیٰ کہ قید خانہ کے دروازہ تک پہنچے اس وقت عابدی نے قید خانہ کے داروغہ سے فرمایا ان کو پکڑو اور بیڑیاں پہنا کر قید کر دو اور حضرت سفیان نے بیڑیوں کے واسطے پاؤں پھیلا دیئے اور کہا حکم فرمانبردار ہیں چنانچہ قید ہو گئے اور کئی روز تک قید خانہ میں اس طرح پر رہے کہ جب چاہتے بیڑیاں پاؤں میں رہنے دیتے اور جب چاہتے اتار کر پھینک دیتے۔ جب جمعہ کا دن آیا اور نماز کا وقت قریب ہوا تو آپ بیڑیاں اتار کے جامع مسجد میں پہنچے مسجد آدمیوں سے بھری ہوئی تھی آپ مسجد میں داخل ہو کر امیر کے قریب جا بیٹھے۔ پھر لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا اے مردو! میں نماز پڑھتا ہوں اور چار تکبیریں کہتا ہوں پھر اللہ اکبر کہا اور مسجد سے نکل کر قید خانہ میں واپس لوٹ گئے اور ایک مدت تک وہیں رہے حتیٰ کہ بادشاہ کا جواب آیا جس میں لکھا تھا اسے چھوڑ دو ہم خود اس سے سوائی چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ شہر اور ملک سب ان کا ہے عجب راز ہے۔ پھر وہ قید خانہ سے نکل گئے۔ اس کے بعد کسی بادشاہ و کسی شیخ کا ان پر قابو نہ چلا۔ ایک مرتبہ اسی طرح ان کو سلطان کے ساتھ ایک قصہ پیش آیا ایک روز آپ بادشاہ کے پاس پہنچ گئے اور ان سے کہا ہمارے ملک سے نکل جاؤ۔ یہ مقام یمن میں جہاں سے عدن

دو منزل پر واقع تھی اور سلطان وہاں سے ڈر کر چلے بھی گئے تھے۔

دسویں کرامت

زہر قاتل پینے والے بزرگ کی کرامت

ایک کافر بادشاہ مسلمانوں کے شہروں پر قابض ہو گیا اور ان کا خون کیا اور مال لوٹا اور بعض فقراء اور مشائخ کے قتل کا بھی ارادہ کیا۔ شیخ نے اس سے مل کے اس کام سے منع کیا۔ ان سے بادشاہ نے کہا اگر تم سچے ہو تو مجھے کچھ علامت دکھاؤ؟ چنانچہ شیخ نے اس وقت کنکریوں کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً جواہر بن کر چمکنے لگ گئے۔ اور خالی کوزوں کی طرف اشارہ کیا جو زمین پر رکھے ہوئے تھے وہ ہوا پر معلق ہو گئے اور پانی سے بھر گئے ان کے منہ زمین کی طرف اوندھے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکتا تھا۔

بادشاہ دیکھ کر گھبرا گیا اس کے ایک ہم نشین نے کہا اسے بڑی بات مت جان یہ جادو ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر اور دکھاؤ؟

شیخ نے آگ جلانے کا حکم دیا۔ جب آگ خوب دہک گئی اس وقت فقراء سے کہا کہ مجلس سماع گرم کرو۔ جب ان پر وجد طاری ہو گیا تو شیخ ان فقراء کے ساتھ آگ میں گھس گئے اور آگ بہت تیز تھی اس وقت شیخ نے بادشاہ کے لڑکے کو بھی ساتھ لے لیا اور آگ میں چاروں طرف گھومتا اور اس سے کچھ دور جا بیٹھے اور غائب ہو گئے اور معلوم نہ ہوا کہ کہاں گئے بادشاہ موجود تھا دیکھ کر اپنے بچے کے غائب ہونے پر بہت گھبرایا تھوڑی دیر کے بعد دونوں موجود ہوئے اور بادشاہ کے بیٹے کے ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے ہاتھ میں انار تھا۔ بادشاہ نے پوچھا تو کہاں تھا۔ کہا باغ میں تھا وہاں سے میں نے یہ دو میوے توڑ لئے اور نکل آیا بادشاہ متحیر ہوا اس کے بدمعاش ساتھیوں نے کہا کہ یہ بھی ایک بازیگری تماشا ہے۔

اس وقت بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ ہو وہ ہم اس وقت نہیں مانیں گے کہ تم یہ پیالہ پیو اور ایک پیالہ زہر قاتل سے بھر دیا جس کا ایک قطرہ بھی ہلاک کر دے نکالا۔ شیخ نے فقراء سے کہا مجلس سماع گرم کرو جب ان پر حال طاری ہوا تو وہ پیالہ اٹھا کر سب کا سب پی گئے۔ ان پر جو لباس تھا وہ

آٹھواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے اکابرین کے دس مثالی ملفوظات

قابل احترام بھائیو! یہ باب ہماری کتاب "مردوں کی مثالی زندگی" کا آٹھواں باب ہے اس باب میں ہم نے اپنے چیدہ اکابرین کے ملفوظات کو جمع کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اکابرین کے ملفوظات بڑا تاثیر اور انقلابی اثر رکھتے ہیں چنانچہ دس اکابرین میں سے ہر ایک کے دس دس ملفوظات کو ہم نے آپ کے لئے ترتیب دیا ہے جو کہ درج ذیل ترتیب کے مطابق پیش کئے جا رہے ہیں نیچے ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ملفوظات نمبر ۱ .... از حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ملفوظات نمبر ۲ .... از بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس دہلویؒ

ملفوظات نمبر ۳ .... از مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ

ملفوظات نمبر ۴ .... از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

ملفوظات نمبر ۵ .... از شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

ملفوظات نمبر ۶ .... از محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

ملفوظات نمبر ۷ .... از مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ

ملفوظات نمبر ۸ .... از عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب

ملفوظات نمبر ۹ .... از شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

ملفوظات نمبر ۱۰ .... از مفکر امت حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

انگریزوں میں ہمارا جیسا انتظام ہے اور پھر بھی حقیقت ان کے پاس نہیں وہ اس طرح سے کہ ان کا انتظام دنیوی مصلحت کے لئے ہے جو بدلتی بھی ہے اور ہمارا انتظام حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جو کبھی نہیں بدلتی پھر اس انتظام پر ایک قصہ فرمایا کہ حضرت مقداد ایک صحابی ہیں وہ مع بارہ تیرہ آدمیوں کے حضور اقدس ﷺ کے مہمان تھے آپ نے ان کو بکریاں بتلا دی تھیں کہ دودھ نکال کر پی لیا کریں اور حضور ﷺ کا حصہ رکھ دیا کریں اکثر حضور ﷺ عشاء کے بعد تشریف لاتے کہ یہ حضرات سونے کے لئے لیٹ جاتے مگر آپ تشریف لا کر جو سلام کرتے تو ایسی آواز سے کہ اگر یہ جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو نیند خراب نہ ہو کیا ٹھکانہ ہے اس رعایت کا ورنہ اگر آپ ان کو جگا کر دودھ دیتے تب بھی تو صحابی کیا عذر کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا اب بتلایئے یہ تعلیم کس کی ہے اور کس کے گھر کی ہے مگر افسوس اس تعلیم سے مسلمانوں کی اجنبیت کا یہاں تک درجہ پہنچ چکا ہے کہ اس کو دوسروں کی چیز بتلانے لگے افسوس صد افسوس۔ اور محض عدم علم ہی تک بس نہیں اس تعلیم کی ضد کو شکل جامہ پہنا کر دکھا دیا میں سیوہارہ میں ٹھہرا ہوا تھا شب کو ذرا بے آرام رہا تھا صبح کے وقت ذرا لیٹ گیا ایک صاحب حج کو جا رہے تھے غالباً سات آٹھ بجے کا وقت ہوگا کہ وہ صاحب مصافحہ کی غرض سے آئے اول تو آ کر بڑے زور سے سلام کیا آنکھ تو ان کے سلام ہی سے کھل گئی تھی مگر میں نے کہا کہ ابھی میں بھی ہرگز مصافحہ نہ کروں گا غرض کہ میں نہیں اٹھا جب ان کو مایوسی ہوئی بس اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ لے کر اور کچھ گھس گھس کر ملتے ہوئے یہ حالت تو ان کی ہے جو دیندار کہلاتے ہیں دنیا داروں کا اس سے خود ہی اندازہ ہو جائیگا حضور ﷺ نے ہمیں دین و دنیا سب کچھ سکھا دیا ہے حضرت عائشہ صدیقہ کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ شب کو قبرستان میں تشریف لے جانے کے لئے بستر سے اٹھے آہستہ نعلین پہنیں آہستہ سے کواڑ کھولے پھر حضرت عائشہ کے سوال پر فرمایا کہ میں نے اس لئے کیا کہ تم جاگ جاؤ اور تنہا گھبراؤ۔ دیکھئے بیوی کا اس قدر خیال ہے جو ہر طرح تابع ہے اب باوا کا بھی خیال نہیں جو ہر طرح متبوع ہے غرض یہ کہ کسی شے میں بھی یہ فکر نہیں کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

دوسرا ملفوظ .... آج کل کے تعلیم یافتہ

ایک جلسہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے جدید تعلیم یافتہ انگریزی خواں اپنے کو بڑا عاقل سمجھتے ہیں مگر انہیں خاک بھی قابلیت نہیں ہوتی۔ اکثر سفر میں اتفاق ہوا ان لوگوں سے گفتگو کا۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ چند الفاظ ہیں جو ان لوگوں کو یاد ہیں باقی خاک بھی نہیں آتا جاتا۔

میں جس زمانہ میں سفر کرتا تھا ایک مقام پر بلایا گیا تھا وہاں پر وعظ بھی ہوا قبل وعظ کے ایک صاحب جنٹلمین صورت آئے اور کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ علی گڑھ کالج کے لوگوں سے نفرت رکھتے ہیں میں نے سوچا اگر کہتا ہوں کہ نفرت ہے تب تو ان کی دل آزاری ہوتی اور اگر نہیں کہتا کہ تو چاپلوسی ہے جو واقع کے خلاف ہے اس لئے کہ بعض وجوہ سے نفرت تو ہے ہی۔ اللہ نے دل میں جواب ڈال دیا۔ میں نے کہا کہ علی گڑھ والوں کی ذات سے تو نفرت نہیں مگر افعال سے نفرت ہے کہنے لگے وہ کیا افعال ہیں؟ میں نے کہا ہر فاعل کے افعال جدا ہیں کہنے لگے مثلاً میرے کیا افعال ہیں۔ میں نے کہا مجمع میں ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ نیز ابھی نہ مجھ کو یہ اطمینان کہ آپ تحقیق کے لئے پوچھ رہے ہیں نہ آپ کو یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ خیر خواہی سے کہہ رہا ہے اس لئے اچھی صورت یہ ہے کہ آپ چند روز میرے پاس خاموشی سے رہئے۔ جب جانبین ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائیں گے اس وقت بتلانا مفید ہو سکتا ہے پھر کچھ نہیں بولے چپ ہو گئے۔ یہ جواب ایسا ہوا کہ نہ وہ مجھ کو متعصب کہہ سکتے تھے اور نہ چاپلوسی بھی چل سکی۔ میں ایسے موقع پر اس کا خیال بھی رکھتا ہوں کہ مخاطب کی تو ذلت نہ ہو اور حقیقت واضح ہو جائے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مرتبہ سہارنپور کے سفر کے قصد سے قصبہ کے اسٹیشن پر پہنچا اسی گاڑی میں ایک صاحب بھی جو دہلی سے آئے تھے اترے مجھ سے ملے اور کہنے لگے کہ میں تو آپ ہی سے ملنے کو آیا تھا میں نے کہا کہ میں تو اس وقت سہارنپور جا رہا ہوں میری واپسی تک قیام تھانہ بھون ٹھہرو اور اگر جی چاہے بشرطیکہ کسی مصلحت کے خلاف نہ ہو تو سہارنپور چلیے میری طرف سے اجازت ہے۔ دونوں شقوں پر آپ آزادی کر سکتے ہیں اپنی مصلحت دیکھ لیجئے وہ بولے کہ میں سہارنپور چلتا ہوں میں نے کہا کہ ٹکٹ لے لو انہوں نے کوشش بھی کی مگر گاڑی چھوٹنے والی تھی ٹکٹ نہ

مل سکا۔ میں نے اپنے گارڈ سے کہہ کر سوار ہو گیا اسٹیشن نانوتہ پر پہنچ کر میں نے ان سے کہا کہ یہاں تک کا کرایہ لے کر رسید دے دو اور یہاں سے سہارنپور تک ٹکٹ لے دو۔ مجھے ٹکٹ مل گیا آ کر کہنے لگے کہ سہارنپور تک کا تو ٹکٹ مل گیا مگر تھانہ بھون سے نانوتہ تک کے ٹکٹ کے لئے گارڈ نے کہا کہ ہم معاف کرتے ہیں۔ میں نے کہا ریل کی ملکیت نہیں ان کی حیثیت نوکر کی ہے ان کو کسی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے یہ معافی معتبر نہیں کرایہ ادا کرنا واجب ہے اور میں نے ان کو ادا کرنے کا طریقہ بتایا کہ تھانہ بھون سے نانوتہ تک کا ٹکٹ لے کر چاک کر دیا جائے یہ صورت اختیار کی گئی ہے اور مالک کے قبضہ میں بھی پہنچ جائے گا اسی ڈبہ میں چند آدمی بھی سوار تھے کچھ اوپر سے آ رہے تھے ان میں ایک انگریزی داں اور بیرسٹر تھا اس نے جو یہ بات سنی کہنے لگا کہ میں اپنی ایک کمزوری بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب میں نے یہ سنا کہ ان کو معافی دیدی اور ٹکٹ کے دام نہیں لئے تو میں خوش ہوا کہ ایک غریب آدمی کا بھلا ہوا پیسے بچے مگر تمہاری تقریر سے معلوم ہوا کہ میری یہ خوشی بے ایمانی کی خوشی تھی۔ میں نے کہا یہ آپ کی خوبی کی بات ہے کہ آپ نے محسوس فرما لیا پھر میں نے اپنے ہمراہیوں سے ہر طرح کی باتیں کرنے لگا تو وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ معلوم نہیں ان لوگوں کی معمولی باتوں میں دل کو اتنی کشش کیوں ہوتی ہے۔

آپ نے جواب دیا کہ بیان کے سچے ہونے کی علامت ہے سچ میں خاصیت ہے کہ اس طرف کشش ہوتی ہے اب وہ بیرسٹر آ رہے تھے اور گفتگو کرنے کو جی چاہا مجھ سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟ میں نے کہا ضرور پوچھئے معلوم ہوگا عرض کر دوں گا نہ معلوم ہوگا لاعلمی ظاہر کر دوں گا۔ اس نے سوال کیا کہ مثلاً دو شخص ہیں انہوں نے ایک نیک کام کیا ایک ہی نیت سے ایک ہی کام ہے اس کا ایک ہی نفع ہے۔ فرق صرف یہ ہے ایک تو ان میں مسلم ہے ایک غیر مسلم ہے تو کیا ان کو اجر و ثواب برابر ہوگا یا نہیں؟ میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے مقصود اس کا یہ ہے کہ جواب تو یہی ملے گا کہ مسلم کو اجر و ثواب ہوگا اور غیر مسلم محروم ہوگا۔ اس جواب پر اس کی گفتگو کی گنجائش تھی کہ یہ ظلم ہے اور تعصب ہے حالانکہ اس کا جواب صحیح یہی کہ اذا فات الشرط فات المشروط مگر میں نے اس کی بھی گنجائش نہیں دی دوسرے طرز پر جواب دیا چنانچہ میں نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسے ذی علم اور مہذب اور دانشمند ہو کر ایسی بات پوچھتے ہیں جس کا جواب

گھر سے بچھڑ گیا تو بے نکیں۔

تیسرا ملفوظ .... آج کل کے لیڈر اور قرآن وحدیث

فرمایا کہ اکبر الہ آبادی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ لیڈروں کے یہاں قرآن وحدیث میں تو فال دیکھی جاتی ہے باقی عمل رزولیوشن پر ہوتا ہے اور واقعی سچی بات ہے۔ فرمایا کہ بالکل ایسی مثال ہے جیسے بعض لوگ طبیعت خوش کرنے کی غرض سے مثنوی شریف یا دیوان حافظ سے فال لیا کرتے ہیں ارادہ تو ہر کام کا پہلے سے ہوتا ہے محض تائید کا کام کرنے کو ان میں بھی دیکھ لیا کہ وہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہی معاملہ قرآن وحدیث کے ساتھ کیا جارہا ہے کہ رزولیوشن پاس کرلیا اور پھر اس کو قرآن وحدیث پر منطبق کرلیا اور وہ منطبق کرنا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ایک صاحب نے آیت لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ الخ۔ غیر مسلموں کے معبودوں کو برا مت کہو سے گاؤکشی کی حرمت پر استدلال کیا تھا کہ گائے ان کا معبود ہے اور ذبح کرنے میں ان کے معبود کی اہانت اور سب وشتم ہے۔ اس کو اس آیت میں منع فرمایا ہے۔ یہ استدلالات ہیں جن پر شروع سے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اسی طرح صلح حدیبیہ کے واقعہ سے استدلال کیا گیا تھا کہ حضور ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوانا چاہا تو مشرکین نے اس کے لکھے جانے سے انکار کیا آپ نے ان کی اس درخواست کو منظور فرما کر باسمک اللہم لکھوایا پھر حضور ﷺ نے محمد رسول اللہ لکھوانا چاہا تو انہوں نے محمد رسول اللہ لکھے جانے سے بھی انکار کیا تو آپ نے محمد بن عبداللہ اس کی جگہ لکھوایا۔ معلوم ہوا کہ صلح حدیبیہ کے لئے شعائر اسلام کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ میں اس کے متعلق ایک موٹی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ باریک بات تو سمجھا نہیں سکتے یہ دھوکہ دیا جاتا ہے۔ ہر شخص کو یہ بات معلوم ہے کہ جب دو قوموں میں صلح ہوتی ہے اور صلح نامہ لکھا جاتا ہے تو وہ صلح نامہ فریقین کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اس صلح نامہ میں وہی مضمون لکھا جاتا ہے جو دونوں فریق کے مسلمات سے ہو۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی جاتی جو فریقین کو تسلیم نہ ہو۔ جب یہ حقیقت ہے تو اب سمجھئے کہ جس صلح نامہ پر حضور ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور محمد رسول اللہ لکھوانا چاہا تھا اس کے ساتھ صرف مسلمانوں ہی کا تعلق نہ تھا بلکہ مشرکین مکہ

نے جدون میں انگریز کی اطلاع یا اجازت کے وقت گھوڑے روک لئے اور اتر کر وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ انگریز نے پشت کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ گھوڑے کھڑے ہیں اور بدوی صف بنائے نماز پڑھ رہے ہیں اس انگریز کے سامنے نماز پڑھنے کا یہ پہلا موقع تھا وہ اپنے رسالے میں لکھتا ہے کہ میں اس وقت ان کی صف سے الگ کھڑا ہوا خود اپنی نظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اپنے آقا کا سرکش غلام مجرم ہوں اور یہ فرمانبردار غلام ہیں یہ شریف ہیں اور میں ذلیل ہوں اس وقت ایک کتے سے بدتر میں اپنی حالت کو پاتا تھا اور بے اختیار دل چاہتا تھا کہ میں بھی ان کی صف میں داخل ہو جاؤں پھر لکھتا ہے کہ اسی روز سے اسلام کی محبت میرے دل میں جگہ کر گئی اور فضائل اسلام پر یہ کتاب تصنیف کی۔ اس واقعہ سے سبق مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہئے کہ اگر یہ خود احکام اسلام اور شعائر اسلام کے پابند ہو جائیں۔ دوسروں پر خود بخود اثر ہو یہ بھی ایک نہایت زبردست تبلیغ ہے اسلام کی ایک پادری نے لکھا ہے مسلمانوں میں بڑا عیب تو یہ ہے کہ اپنے مذہب کے سامنے شرمندہ نہیں سرخرو ہیں بخلاف دوسری قوموں کے غرض دوسروں کو بھی اسلام کی خوبیوں کا اقرار ہے مگر آجکل خود مسلمانوں ہی نے تعلیم اسلام کو بدنما کیا ہے اسلام مسلمانوں کی حالت کو دیکھ کر زبان حال یوں کہتا ہے۔

خندہ اہل جہاں کی مجھے پروا کیا تھی .... تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا ہے یہی

چھٹا ملفوظ .... فکر آخرت بدن کو گھلاتی اور روح کو تازہ کرتی ہے

ایک جلسہ گفتگو میں فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم سے نفرت رکھتے ہیں یہاں سے مراد موٹاپا بے فکری سے ہے اس لئے کہ فکر آخرت وہ چیز ہے کہ بدن کو گھلا دیتی ہے اور روح کو تازہ کرتی ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

کار ظاہر بدن کی فربہی تو بدن کو پالنے سے ہوتی ہے اور باطن کی ترقی ظاہری حالت کو بگاڑنے سے ہوتی ہے اس بدن کی صحت تو طبیب کے پاس ڈھونڈو اور دین کی محبوب کے پاس تلاش کرو دنیاوی کی حکمت کب تک پڑھتے رہو گے ایمانی کی حکمت کو بھی پڑھ لو۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ رات کو روتے تھے بیوی نے کہا کہ سو جائیے تو کہنے لگے کہ

راحت کا بھی خیال رکھتا ہوں اس سے زیادہ دوسروں کی راحت کا کیا خیال ہوگا کہ راستہ چلنے میں بھی اس کی رعایت رکھتا ہوں کہ اگر پشت کی جانب سے کسی آنے والے کی آہٹ معلوم ہوتی ہے تو میں سڑک کے کنارہ ہو جاتا ہوں تاکہ اس آنیوالے کو راستہ کی کوئی تنگی نہ ہو۔ آزادی سے چلا جائے حالانکہ بعض مرتبہ وہ آنے والا بھنگی ہوتا ہے چمار ہوتا ہے مگر میں اس کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ بچ کر نکل جائے گا بلکہ خود ہی بچ جاتا ہوں۔ میں بحمد اللہ ہر امر میں لحاظ رکھتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی پر ذرہ برابر بھی گرانی نہ ہو۔ پھر جب میں خود دوسروں کا اس قدر خیال رکھتا ہوں تو دوسرے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کرتے ہیں کہ جس سے مجھ کو گرانی ہو یا تکلیف پہنچے پھر فرمایا کہ بعض لوگ بھولے پن کے سبب دوسرے کی تکلیف وراحت کی رعایت نہیں کرتے وہ معذور ہیں مگر دوسروں کو تو ضرر پہنچتا ہے اس پر ایک حکایت فرمائی۔ کہ دیوبند میں ایک بزرگ بہلی میں سوار ہو کر چلے ایک معتقد بھی ساتھ بیٹھے اتفاق سے راستے میں بہلی الٹ گئی اور نقشہ یہ ہوا کہ وہ معتقد صاحب جس طرف بیٹھے تھے اس طرف کو بہلی اوندھی وہ نیچے اور بزرگ صاحب اوپر۔ بزرگ ہیں کہ معتقد کی کمر پر بیٹھے اس نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھے میں تو مرا جاتا ہوں وہ فرماتے ہیں ٹھیرو مرو گے نہیں ہم جوتہ پہن لیں ہمارا جوتہ لاؤ اس نے کہا کہ حضرت راستے میں جوتہ آئے گا میرا تو خاتمہ ہو جائے گا فرمایا کہ نہیں ہم ننگے پیر زمین پر نہیں رکھتے مٹی لگ جائے گی ہمیں کبھی عادت نہیں ننگے پیر زمین پر رکھنے کی۔

اس بے چارے کی کمر سے نہیں اترے جب گاڑی بان نے جوتہ دیا تب پہن کر اترے مگر اس شخص کے چوٹ بالکل نہیں آئی خیر یہ تو بھولے بزرگوں کی باتیں ہیں۔ باقی بعض تو مرید کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ الحمد للہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق دی ہے جس کی برکت سے مریدوں کے ساتھ تو ایسا برتاؤ کیا کرتے اور حق بھی کیا ہے مجھ کو ایسا کرنے کا جن کے ساتھ اس قسم کا حق بھی ہے اور وہ محکوم بھی ہیں اور محبت کی وجہ سے کسی خدمت پر گرانی کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا اور ایسے لوگ گھر والے ہیں میرا تو ان کے ساتھ بھی یہی معمول ہے کہ مثلاً کھانا کھا کر کبھی گھر والوں سے یہ نہیں کہتا کہ برتن اٹھا لو اس وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے اپنے کسی کام میں مصروف ہوں اور محض میری وجہ سے ان کو اپنا کام چھوڑ کر اس کام کو کرنا پڑے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اٹھوا لو اب آگے ان کا کام ہے کہ وہ خود اٹھائیں یا کسی نوکرانی سے اٹھوائیں میں اپنی طرف سے ان پر اتنا بار بھی نہیں ڈالتا۔ غرض

کہ اپنی راحت اور دوسروں کی راحت یہ میرا معمول ہے اسی وجہ سے مجھ کو دوسرے کی بے فکری سے ناگواری ہوتی ہے عرض فرمایا پھر ناگوار ہو جاتا ہے (مزاح سانپ ہے) کہ جب میں اتنی رعایتیں دوسروں کی کرتا ہوں تو میں بھی صرف ان سے یہ چاہتا ہوں کہ تم بھی مجھ کو مت ستاؤ۔

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا اہتمام ہے راحت پہنچانے کا اور پھر اس سے کوئی فرو گذاشت ہو جائے اس پر ناگواری نہیں ہوتی۔ ہاں اگر راحت پہنچانے کا اور فکر ہی نہ ہو تو بے شک ناگواری ہوتی ہے اس پر میں مواخذہ کرتا ہوں کہ یہ حرکت کیوں ہوئی پھر لوگوں نے ایک آسان سبق نکال رکھا ہے جواب میں کہتے ہیں کہ غلطی ہوئی اس پر میں پوچھتا ہوں کہ سبب اس غلطی کا کیا ہے آیا بے فکری سبب ہے غلطی تو کہتے ہیں کہ بدفہمی اور یہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اگر یہ کہا کہ سبب اس کا بے فکری ہے تو مواخذہ بڑھ جائے گا کہ بے فکری کیوں اختیار کی۔ ایسی چیز کا نام لو کہ جو غیر اختیاری ہے جیسے بدفہمی کا عذر پیش کرتے ہیں مگر میں اس پر کہتا ہوں کہ اگر بدفہمی اس کا سبب ہے تو مجھ کو اپنے تعلق سے معاف کرو کیونکہ بدفہم آدمی سے مناسبت ہونا اور اس کی اصلاح ہونا اور زیادہ مشکل ہے اسلئے کہ بدفہمی ایک غیر اختیاری چیز ہے۔ جو تمہارے اختیار سے بھی باہر اور میرے اختیار سے بھی۔ بس تعلق ہی ختم کر دو اور اگر کہتے کہ اس کا سبب بے فکری ہے تو میں بتلاتا ہوں کہ اچھا اب مجھے یہ شکایت ہے کہ بے فکری کیوں اختیار کی۔ مگر پھر بھی یہ ایسی چیز ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس سے بچ سکتا ہے اسلئے کہ وہ اختیاری ہے تو اس وقت معافی چاہ لے اور آئندہ کے لئے عزم کرلے کہ اب ایسا نہ کروں گا پس اگر ایسی ہوئی تو یہ ضروری ہے کہ اس وقت اس عذر پر مواخذہ میں رعایت بھی ہوگی کہ اختیار سے تو یہ کی مگر انجام کے اعتبار سے چونکہ اختیاری چیز ہے امید ہے کہ آئندہ وہ اگر چاہے گا تو ایسی غلطی نہ کرے گا اور اصلاح کی بھی امید ہے اور مجھ کو خدانخواستہ کچھ تھوڑا ہی ہے بس ایسے موقع پر پوچھتا ہوں کہ آدمیت پیدا ہو جاتی ہے اور [illegible]۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر قرائن حالات سے یہ معلوم ہو جائے کہ دوسروں کو تکلیف نہ دینے کا اہتمام ہے اور راحت کا قصد ہے پھر اگر لغزش بھی ہو جائے تو ایسی لغزش کی ذرہ برابر بھی گرانی نہیں ہوتی۔ ویسے عرض اصلاح ہے کہ لوگ اس وقت بھی نہیں مانتے مگر اس وقت کی اصلاح کا طریق جدا ہوگی۔

آٹھواں ملفوظ .... وسوسوں کی مثال آئینہ پر مکھی

ایک جلسہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے وسوسے آتے ہیں قلب میں میں نے کہا کہ وہ اندر نہیں ہوتے باہر ہوتے ہیں کیونکہ اندر تو صرف متعلق ہوتے ہیں اور میں نے یہ مثال بیان کی کہ جیسے آئینہ پر مکھی بیٹھے تو بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندر ہے مگر حقیقت میں وہ اندر نہیں ہوتی باہر ہوتی ہے مگر جو حقیقت سے بے خبر ہے وہ یہی سمجھے گا کہ اندر ہے باقی تکلیف میں خیال کو بہت بڑا دخل ہے مگر خیالی ایذاؤں کا علاج خیال ہی سے ہوتا ہے خیال کو بدل دینے سے بڑی تکلیف سے نجات مل جائے گی بس یہ خیال کرو کہ وساوس قلب کے اندر نہیں باہر ہیں اور اگر اندر ہی فرض کر لیا جائے تو یہ مت سمجھو کہ وساوس باہر سے اندر آ رہے ہیں۔ بلکہ یہ سمجھو کہ اندر سے باہر نکل رہے ہیں اسلئے کہ نکلنے کے وقت بھی تو گھر کے دروازہ پر ہجوم نظر آتا ہے اور اصل علاج تو یہ ہے کہ چاہے آ رہے ہوں یا جا رہے ہوں ان کی طرف التفات ہی نہ کرو نہ جلیا نہ سلایا۔ اکثر لوگ خطوط میں وساوس کی شکایت لکھتے ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اختیار سے آتے ہیں یا بدون اختیار اور ان کو برا سمجھتے ہو یا اچھا وہ لکھتے ہیں بدون اختیار کے آتے ہیں اور ہم برا سمجھتے ہیں۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ بس بے فکر رہو۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو ایک بار وضوء کے بعد یہ وسوسہ ہوا کہ تو موزوں کا مسح کرنا بھول گیا حضرت نے دوبارہ مسح کر لیا اگلے وقت پھر وہی وسوسہ اب ایک بلا پیچھے لگ گئی اس پر حضرت فرماتے تھے کہ ایک بار عین مصلے پر وہی وسوسہ ہوا خیال ہوا کہ یقیناً یہ شیطانی وسوسہ ہے آج اس پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ شیطان سے مکالمہ شروع ہو گیا وہ کہتا ہے کہ مسح نہیں ہوا کر لو۔ مولانا فرماتے ہیں نہیں ہوا نہ سہی کہتا ہے جب مسح نہیں ہوا تو وضوء نہ ہوا مولانا کہتے ہیں وضو نہیں ہوا نہ سہی کہتا ہے کہ جب وضو نہ ہوا تو نماز نہ ہوگی مولانا کہتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی نہ سہی کہتا ہے گنہگار ہو گے۔ مولانا کہتے ہیں کہ میں آپ کی خیر خواہی سے باز آیا جہاں اور بہت سے گناہ ہوتے ہیں ایک یہ بھی سہی بس تڑ کی تہہ پھر کبھی وہ وسوسہ نہ آیا تو ایسی صورت میں یہی مناسب ہے بعض مرتبہ رکعت کی تعداد میں نماز پڑھتے ہوئے گڑبڑ کر دیتا ہے اس کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے

ورنہ ہمیشہ کے لئے ایک مرض لگ جائے گا۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ ایسا کرنا حضرات فقہاء کی تفصیل کے خلاف ہوگا۔ فرمایا کہ فقہاء فرماتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جو وساوس کے مریض نہیں اور صوفیاء ان کے متعلق تجویز کرتے ہیں جو وساوس کے مریض ہیں اس میں کوئی تعارض نہیں اور نہ کوئی شبہ عارض ہوتا ہے۔ بلکہ خود روایات فقہیہ حضرت مولانا کے علاج مذکور کے موافق پائی جاتی ہیں فی الدر المختار شک هل کبر للافتتاح اولا او احدث اولا او مسح رأسه اولا استقبل ان کان اول مرة والا لا فی رد المحتار عن الذخیرة فی آخر العبارة ان کان ذالک اول مرة استقبل الصلاة والاجازله المضی ولا یلزمه الوضوء وهو اول شک غسل ماشک فیه وان وقع له کثیر الم یلتفت الیه وهذا اذا شک فی خلال وضوءه فلو بعد الفراغ منه لم یلتفت الیه. اھ آخر باب سجود السہو۔

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے ایک خادم کا قصہ بیان فرمایا کہ اس کو اس قدر وہم تھا کہ غسل خانہ میں پاجامہ اتار کر استنجا پاک کیا کرتا تھا حضرت اس سے مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ

سگ بہ ہفتگانہ بشوئے ☆ چوں کہ تر شد پلید تر باشد

دوسرا ایسا واقعہ بھی دیوبند ہی کا ہے۔ مدرسہ کے ایک فارغ التحصیل کو وہم ہو گیا تھا کہ میرے سر نہیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سن کر پہنچے اور دریافت فرمایا کہ تمہارے سر نہیں عرض کیا کہ حضرت نہیں جوتا نکال کر سر پر مارنا شروع کیا اس نے واویلا مچایا کہ حضرت مر گیا چوٹ لگی ہے فرمایا کہ کہاں چوٹ لگی ہے عرض کیا کہ حضرت سر میں فرمایا کہ سر تو ہے ہی نہیں چوٹ کے کیا معنی عرض کیا کہ حضرت سر ہے فرمایا کہ اب تو کبھی نہ کہو گے کہ سر نہیں عرض کیا کہ نہیں چھوڑ دیا وہ وہم جاتا رہا اور ساری عمر پھر کبھی یہ مرض وہم کا نہ ہوا یہ حضرت حکیم تھے حقیقت کو سمجھتے تھے حضرت مولانا غصیلے مشہور ہیں مگر نہایت نرم دل اور نہایت خوش اخلاق تھے۔

دلانا اس پر خفا ہو گیا مسرت کا اظہار کیا غرض کسی کے نام پر کسی کے اعمال پر کسی کے لقب پر کسی کی ظاہری حالت پر ہرگز تحقیر نہ کرنا چاہیے مگر اتنی بھی رعایت نہ چاہیے جیسے ان شاہ صاحب نے کی کہ اس کے فعل معصیت کو توحید میں داخل کیا نعوذ باللہ منہ مگر اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ جیسے ان شاہ صاحب نے اس آوارہ اور بازاری عورت کی رعایت کی کہ اس کی نظر میں شاہ صاحب مسلمان بھی نہ رہے اسی طرح لوگ علماء کو مشورہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمانہ کے اعتبار سے مسائل میں عوام کی رعایت کرنا چاہیے مگر معلوم بھی ہے کہ ایسا کرنے سے سب سے اول ہم ہی ان کی نظروں سے گریں گے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری نظر سے بھی گر یں گے اور دینداروں کی نظر سے بھی اب اہل حق کی نسبت کہتے ہیں کہ میاں یہ تو پرانے خرنٹ ہیں پرانی لکیر کے فقیر ہیں ان سے تو زمانہ شناسی کی امید نہیں یہ تو پک گئے اچھا صاحب ہم تو جیسے کچھ ہیں تم اپنے بچوں کو روشن دماغ مولوی بناؤ ہم خاک نشین سہی ذلیل سہی تم کو ہماری خیر خواہی کرنے کی کیا ضرورت تم اپنی فکر کرو۔

دسواں ملفوظ..............................مجذوب اور مجنوں میں امتیاز

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجذوب اور مجنوں میں آجکل امتیاز مشکل ہو گیا۔ فرمایا بالکل صحیح ہے کوئی مجذوب ہوتا ہے کوئی مجنوں ہوتا ہے اہل ادراک کو پہچان ہوتی ہے۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا کہ بزرگوں سے سنا ہے کہ دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مجذوبین کی جماعت کے سردار تھے جس کی تائید بھی ایک واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک ولایتی مجذوب دیوبند میں وارد ہوئے اور چھتہ کی مسجد میں ٹھہرے مگر ٹھہرنے سے پہلے حضرت مولانا سے اجازت لی۔

پھر فرمایا کہ ہم لوگ طالب علم ان مجذوب سے بعض کفار کے لئے بددعا کرایا کرتے تھے مگر وہ کبھی جواب نہ دیتے صرف یہ کہہ دیتے کہ خیر باشد خیر باشد پھر وہ مر گئے۔

بعد میں اپنے بعض بزرگوں سے معلوم ہوا کہ وہ بعض کفار کے طرفدار تھے اس طرفداری پر فرمایا کہ مجذوبین کی مثال ملائکہ کی سی ہے کہ وہ کفار کی بھی تربیت کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں کہ وہ گو اس عالم کے اعتبار سے بے سمجھ ہوتے ہیں مگر ان کو اس سمجھ کی ضرورت نہیں دوسری سمجھ کی

ضرورت ہے وہ ان میں ہوتی ہے اور میں نے جو اس عالم کے اعتبار سے سمجھ کی نفی کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس جماعت میں عقل نہیں ہوتی گو حواس درست ہوں جیسے گھوڑے میں مثلاً عقل نہیں ہوتی مگر حواس ہوتے ہیں۔ یا بچہ کی مثال بلوغ سے پہلے کہ اس وقت عقل نہیں ہوتی مگر حواس ہوتے ہیں تو سلامت حواس مجذوبیت کے منافی نہیں۔ تو اس سلامت حواس پر نماز وغیرہ کے فرض ہونے کا مدار ہوتا ہے اس کی فرضیت کے لئے عقل شرط ہے پس مجنوں اسی طرح مجذوب عقل نہ ہونے کی وجہ سے احکام شرع کا مکلف نہیں ہوتا باقی ان دونوں جماعت میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ بہت ہی نازک مقام ہے کہ ہر مجذوب اور مجنوں میں فرق کرلیا جائے مگر اس کا ظنی معیار یہ ہے کہ اس مجذوب کے زمانے کے صلحا و اتقیاء کا جو برتاؤ اس کے متعلق ہو وہ معتبر ہے۔

عوام کا خیال اس بارہ میں معتبر نہیں۔ یعنی اس زمانہ کے مشائخ جو اس کے ساتھ برتاؤ کریں احترام کا یا اعراض کا وہی دوسروں کو کرنا چاہئے اپنی رائے سے عوام کچھ نہ کریں۔ پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اول تو اس جماعت سے کوئی امید نفع کی نہیں رکھنی چاہئے حتی الامکان ان لوگوں سے الگ ہی رہنا مناسب ہے کیونکہ ان کو عقل تو ہوتی نہیں اس لئے ان سے اندیشہ ضرر ہی غالب ہوتا ہے۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس کی حقیقت کیا ہے یہ مجذوب کیسے ہو جاتے ہیں فرمایا کہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ وارد ایسا قوی ہوتا ہے جس سے عقل مسلوب ہو جاتی ہے اور یہ سب مجذوبی کی برکت ہے کہ یہ دولت نصیب ہو جاتا ہے پہلے سے کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ یہ کرتے کیا تھے اسی وارد سے پیالہ چھلک گیا تب سب نے دیکھ لیا یہ حقیقت ہے مجذوبیت کی اور یہی مجذوب ہیں جن کے سپرد کارخانہ تکوینیہ ہے اور جن کے انتظام کے ذمہ دار ہیں۔ باقی جو اہل ارشاد ہیں وہ نائب رسول ہیں وارثانی پیغمبر ہیں۔ ان کی شان کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اصل چیز اللہ رسول کی اطاعت ہے باقی کشف و کرامات وغیرہ یہ چیزیں کوئی کمال نہیں ویسے عجائب اہل باطل سے بھی صادر ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ امریکہ یا جرمن میں ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوا وہ اس کو بہت چاہتا تھا اس لئے اس کو خیال ہوا کہ دفن سے پہلے اس کا فوٹو لے لیا جائے تاکہ دل بہلانے کا مشغلہ باقی رہے اس
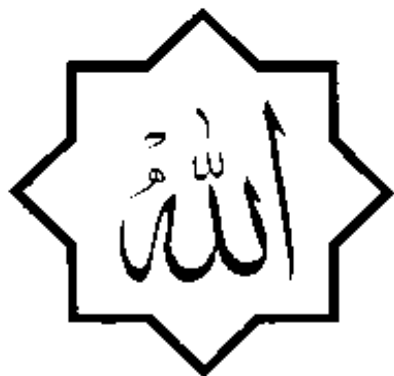
ملفوظات نمبر ۳

از بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس دہلویؒ

پہلا ملفوظ.................................اخلاص نہایت ضروری ہے

قرآن و حدیث میں بڑی اہمیت کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ دین "یسر" ہے یعنی وہ سراسر سہولت اور آسانی ہے جو چیز دین میں جس درجہ ضروری ہوگی وہ اسی درجہ میں سہل اور آسان ہوتی چلی جائے گی پس تصحیح نیت اور اخلاص اللہ چونکہ دین میں نہایت ضروری ہے بلکہ دین میں سب سے اہم دین کی روح ہے اس لئے وہ بھی سہل ہے اور یہی اخلاص اللہ چونکہ سارے سلوک اور طریق کا حاصل ہے اس لئے معلوم ہوا کہ سلوک بھی بہت آسان چیز ہے مگر دستور یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اصول اور اپنے طریقے سے سہل ہوتی ہے غلط طریقے سے تو آسان سے آسان کام بھی دشوار ہو جاتا ہے اب لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ اصولوں ہی کی پابندی مشکل سمجھتے ہیں وہ اس سے گریز کرتے ہیں حالانکہ دنیا میں کوئی معمولی کام بھی اصول کی پابندی اور مناسب طریق کار اختیار کئے بغیر انجام نہیں پاتا دنیا کی کشتی ریل موٹر سب اصول ہی سے چلتے ہیں اسی طرح بندگی کا کام بھی اپنے اصولوں ہی سے چلتا ہے۔

اور فرمایا۔ طریقت کی اصل غایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کا مرغوب طبعی اور نواہی کا مکروہ طبعی ہو جانا، یعنی ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ احکام و اوامر الٰہی کے بجالانے میں لذت و فرحت حاصل ہو اور نواہی یعنی ممنوعات کے پاس جانے سے اذیت اور کراہت ہونے لگے یہ تو ہے طریقت کی غایت باقی جو کچھ ہے یعنی خاص اذکار و اشغال اور خصوصی قسم کی ریاضت وغیرہ وغیرہ وہ اس کی تحصیل کے ذرائع ہیں لیکن اب بہت سے لوگ ان ذرائع ہی کو اصل طریق سمجھنے لگے

حالانکہ بعض تو ان میں سے بدعت ہیں، بہرحال چونکہ ان چیزوں کی حیثیت صرف ذرائع کی ہے
اور یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں اس لئے احوال ومقتضیات کے اختلاف کے ساتھ ان پر نظر ثانی اور
حسب مصلحت ترمیم وتبدیلی ضروری ہے، البتہ جو چیزیں شریعت میں منصوص ہیں وہ ہر زمانہ میں
یکساں طور پر واجب العمل رہیں گی۔

فرائض کا مقام نوافل سے بہت بلند ہے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ نوافل سے مقصود ہی فرائض
کی تکمیل یا ان کی کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے غرض فرائض اصل ہیں اور نوافل ان کے تابع اور فروع
مگر بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ فرائض سے تو غفلت برتتے ہیں اور نوافل میں مشغول رہنے کا اس
سے بدرجہا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، مثلاً آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دعوت الی الخیر، امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر غرض تبلیغ دین کے یہ تمام شعبے اہم فرائض میں سے ہیں۔ مگر کتنے ہیں جو
ان فرائض کو ادا کرتے ہیں لیکن اذکار نوافل میں اشتغال وشغف رکھنے والوں کی آج کمی نہیں بعض
اہل دین اور اصحاب علم کا استغناء کے باب میں بڑا سخت مسلک ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضی
یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے
حالانکہ استغناء کا تقاضا صرف یہ ہے کہ انسان کی دولت کے حصول کے لئے ان کے پاس نہ جائیں
اور طلب جاہ ومال کے لئے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لئے اور دینی مقاصد کے لئے
ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں، بلکہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے۔ ہاں
اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے کہ ان کے اس اختلاط سے ہمارے اندر حب مال وجاہ اور دولت
کی حرص پیدا نہ ہو سکے۔

جب کوئی اللہ کا بندہ کسی امر خیر کی طرف قدم بڑھانا چاہتا ہے تو شیطان طرح طرح سے
اس کی مزاحمت کرتا ہے اور اس کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹیں ڈالتا ہے لیکن اگر اس کی یہ مزاحمتیں
اور رکاوٹیں ناکام رہتی ہیں اور وہ بندہ ان سب کو عبور کر کے اس کار خیر کو شروع کر ہی دیتا ہے۔ تو
پھر شیطان کی دوسری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے اخلاص اور اس کی نیت میں خرابی ڈالنے کے
دوسرے طریقوں سے اس کار خیر میں خود حصہ دار بن جائے۔ کبھی کبھی اس میں ریا وسمعہ یعنی
دکھاوے اور شہرت کی خواہش شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی دوسرے اغراض کی آمیزش اور

چوتھا ملفوظ .... استغفار کی کثرت کیجئے

ایک صحبت میں فرمایا: وقت چلتی ہوئی ایک ریل ہے، گھنٹے منٹ اور لمحے گویا اس کے ڈبے ہیں اور ہمارے مشاغل ان میں بیٹھنے والی سواریاں ہیں، اب ہمارے دنیوی اور مادی ذلیل مشاغل نے ہماری زندگی کی ریل کے ان ڈبوں پر ایسا قبضہ کر لیا ہے کہ وہ شریف اخروی مشاغل کو آنے نہیں دیتے، ہمارا کام یہ ہے کہ عزیمت سے کام لے کے ان ذلیل اور دنی مشاغل کی جگہ ان شریف اور عالی مشاغل کو قابض کر دیں جو خدا کو راضی کرنے والے اور ہماری آخرت کو بنانے والے ہیں۔

ایک صحبت میں فرمایا: جتنا اچھا سے اچھا کام کرنے کی اللہ توفیق دے ہمیشہ اس کو خاتمہ استغفار پر ہی کیا جائے، غرض یہ کہ ہمارے ہر کام کا جزو آخر استغفار ہونا چاہئے یہ سمجھ کر کہ ہم سے یقیناً اس کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کوتاہیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے رسول اللہ ﷺ نماز کے ختم پر بھی اللہ سے استغفار کیا کرتے تھے، لہٰذا تبلیغ کا کام بھی ہمیشہ استغفار ہی پر ختم کیا جائے۔ بندہ سے کسی طرح بھی اللہ کے کام کا حق ادا نہیں ہو سکتا، نیز ایک کام میں مشغولیت بہت سے دوسرے کاموں کے رہ جانے کا بھی باعث بن جاتی ہے تو اس قسم کی چیزوں کی تلافی کے لئے بھی ہر اچھے کام کے ختم پر استغفار کرنا چاہئے۔

ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار الفاظ باآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ۔

آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا گویا یہ علم و ذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جا سکتی بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ و ضلالت کا ایک نیا دروازہ بن جائے، دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام و ایمان

چھٹا ملفوظ............دعوت و تبلیغ کے رہنما اصول

ایک صحبت میں فرمایا ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو جمیع ما جاء به النبی ﷺ سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا یہ تو ہے ہمارا مقصد خاص رہی یہ قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی الف ب ت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورے کام نہیں کر سکتے۔ ان سے تو بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جد و جہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کا فکر رکھنے والے علماء و صلحاء کو بیچ ڈال کے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں۔ ہر جگہ پر اصلی کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی اسی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا۔ البتہ اس کا طریقہ ہمارے ان قافلوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصہ سے افادہ اور استفادہ اور تعلیم و تعلم کے اس طریقہ پر عامل ہیں اور اس پر بڑی حد تک قابو پا چکے ہیں۔

ایک صحبت میں فرمایا۔ ہمارے کارکن اس بات کو مضبوطی سے یاد رکھیں کہ اگر ان کی دعوت و تبلیغ کہیں قبول نہ کی جائے اور الٹا ان کو برا بھلا کہا جائے الزامات لگائے جائیں تو وہ مایوس اور ملول نہ ہوں، اور ایسے موقع پر یہ یاد کر لیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص سید الانبیاء کی خاص سنت اور وراثت ہے، اور خدا کی وکیلی ہونا ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے۔ اور جہاں ان کا استقبال اعزاز و اکرام سے کیا جائے، ان کی دعوت و تبلیغ کی قدر کی جائے اور طلب سے سن کر ان کی باتیں تسلیم کی جائیں اور مانی جائیں تو اس کو اللہ پاک کا فقط انعام سمجھیں اور ہرگز ان کی ناقدری نہ کریں، ان طالبوں کی خدمت و تعظیم کو اللہ کے اس احسان کا خاص شکریہ سمجھیں، اگرچہ یہ چھوٹے سے چھوٹے طبقہ کے لوگ ہوں۔ قرآن پاک کی آیات عبس و تولی ان جاءه الاعمی الآیات میں ہم کو یہی سبق دیا گیا ہے، وہاں اس صورت میں اپنے نفس کے فریب سے بھی ڈرتے رہیں، نفس اس مقبولیت و مطلوبیت کو اپنا کمال نہ سمجھنے لگے، نیز اس صورت میں جاہ پرستی کے فتنہ کا بھی سخت اندیشہ

تجربہ رکھتے ہیں اور تم اپنی یہ بات ان کو اچھی طرح سے سمجھا سکو گے یعنی تم ان کو ان باتوں میں
اس کا یقین نہیں دلا سکو گے کہ یہ کام ان کے دوسرے دینی مشاغل سے زیادہ دین کے لئے مفید اور
زیادہ مستحق توجہ ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بات مانیں گے نہیں اور جب ایک دفعہ ان کی طرف
سے "نہ" ہو جائے گی تو پھر اس "نہ" کا "ہاں" سے بدلنا مشکل ہو جائے گا، پھر تمہاری بات نہ سنیں
اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود تمہارے اندر تذبذب پیدا ہو جائے، اس لئے ان کی خدمت میں بس
استفادہ ہی کے لئے جایا جائے لیکن ان کے ماحول میں نہایت محنت سے کام کیا جائے، اس طرح
امید ہے کہ تمہارے کام اور اس کے نتائج کی اطلاعیں خود بخود ان کو پہنچیں گی اور وہ ان کے لئے داعی
اور ان کی توجہ کا سبب ہو جائیں گی، پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمہاری طرف متوجہ ہوں تو ان سے
سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے اور ان کے دینی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی
بات ان سے کہی جائے۔

فرمایا اگر کہیں دیکھا جائے کہ وہاں کے علماء اور صلحاء اس کام کی طرف ہمدردانہ طور سے
متوجہ نہیں ہوتے تو ان کی طرف سے بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے، بلکہ یہ سمجھا جائے کہ ان
حضرات پر اس کام کی پوری حقیقت ابھی کھلی نہیں، نیز یہ سمجھا جائے کہ چونکہ یہ دین کے خاص خادم
ہیں اس لئے شیطان ان کا ہم سے زیادہ گہرا دشمن ہے، پھر ان کی یہ بات "ب" تو وہ اس لئے بھی
سمجھنے کی ایک بات ہے کہ دینی تحریک وہ تبلیغ ہے، جب اس کے کرنے والے اپنی دنیوی مشاغل پر اس
کام کو ترجیح نہیں دے سکتے اور اپنے مشاغل دنیویہ کو چھوڑ کر اس کام میں نہیں لگ سکتے تو اہل
دین اپنے اعلیٰ دینی مشاغل کو اس کے لئے کیسے آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں، علاوہ ازیں یہ کہ یہ بات
نورانی حجابات ظلمانی سے بدرجہا زیادہ شدید ہوتے ہیں۔

ساتواں ملفوظ .... زکوٰۃ صحیح مصرف میں دیجئے

ایک بار فرمایا۔ زکوٰۃ اور ہدیہ میں فرق ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صدقہ حرام تھا
ہدیہ حرام نہ تھا اور اگرچہ زکوٰۃ فرض ہے اور ہدیہ مستحب ہے مگر بعض دفعہ مستحب کا اجر فرض سے بڑھ
جاتا ہے جیسے ابتداء سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے مگر ابتدا کرنے والے کا اجر جواب سے بڑھ

قیاس کرو کہ یہ چیز خدا کو کس قدر غضبناک کرنے والی ہوگی؟

اور خدا کے دین کے کام سے غافل رہنا اور اس کے اوامر و احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے دنیا میں لگا رہنا ہی اس سے اعراض اور اس کے ماسوا میں اشتغال و انہماک ہے اور اس کے برعکس اللہ میں لگنا یہ ہے کہ اس کے دین کی نصرت میں لگا رہے اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرتا رہے مگر اس کا لحاظ رکھنا پڑے گا کہ جو بات جتنی زیادہ اہم اور جتنی زیادہ ضروری ہو اس کی طرف اسی قدر توجہ دی جائے اور یہ چیز معلوم ہوگی صرف رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے اور معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے جس کام کے لئے سب سے زیادہ محنت کی اور سب سے زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور وہ کام تھا کلمہ کا پھیلانا یعنی بندوں کو خدا کی بندگی کے لئے تیار کرنا اور اس کی راہ پر لگانا تو یہی کام سب سے زیادہ اہم رہے گا اور اس کام میں لگنا اعلیٰ درجہ کا خدا میں لگنا ہوگا۔

ایک صحبت میں فرمایا: لوگوں نے اللہ کی عبدیت اور بندگی کو انسانوں کی غلامی اور نوکری سے بھی کم درجہ دے رکھا ہے غلاموں اور نوکروں کا عام حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے آقا کے کام میں لگا رہنا ہی اپنا منصب سمجھتے ہیں اور اس کے بیچ میں دوڑتے بھاگتے جو کچھ ہاتھ لگ جاتا ہے کھا پی لیتے ہیں۔ لیکن اللہ پاک کے ساتھ اب بندوں کا یہ معاملہ رہ گیا ہے کہ مستقل طور سے تو وہ اپنے اور بالکل اپنے کاموں اور اپنے مرغوبات اور لذائذ میں اپنے ہی لئے لگے رہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی کچھ وقت اپنے ان ذاتی مشاغل و مرغوبات سے نکال کر خدا کا کوئی کام بھی کر لیتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھ لیتے ہیں یا خیر کے کاموں میں چندہ دے دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس خدا اور دین کا مطالبہ ہم سے ادا ہو گیا۔ حالانکہ حق بندگی یہ ہے کہ اصالۃً اور مستقلاً تو ہو دین کا کام اور اپنا کھانا پینا اور اس کے لئے سامان کرنا ہو صرف ضمناً اور طبعاً اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے تمام ذرائع معاش اور کاروبار چھوڑ دیں؛ نہیں بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہو اس کی بندگی کے تحت ہو اور اس کے دین کی خدمت اور نصرت سب میں ملحوظ ہو اور اپنے کھانے پینے وغیرہ کی حیثیت صرف ضمنی ہو جس طرح ایک غلام کی اپنے آقا کے کاروبار میں ہوتی ہے۔

قربانی کا بھی اس کو ثواب ملے گا، پھر ان جانے والوں کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے کہ جو کام ہمارے کرنے کا تھا مگر ہم کسی عذر کی وجہ سے اس وقت نہیں کر سکے تو یہ حضرات ہمارے فرض کو ادا کر رہے ہیں دین یہی ہے کہ قاعدین و معذورین مجاہدین کو اپنا محسن سمجھیں۔

ایک بار فرمایا، ہماری تبلیغ میں علم اور ذکر کی بڑی اہمیت ہے بدون علم کے نہ عمل ہو سکتا نہ عمل کی معرفت اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے، اس میں نور نہیں ہو سکتا مگر ہمارے کام کرنے والوں میں سے اس کی کمی ہے، میں نے عرض کیا کہ تبلیغ خود بہت اہم فریضہ ہے اس کی وجہ سے ذکر میں کمی ہوتا ویسا ہی ہے جیسا حضرت سید صاحب بریلوی قدس سرہ نے جس وقت جہاد کی تیاری کے لئے اپنے خدام کو بجائے ذکر و شغل کے نشانہ بازی اور گھوڑے کی سواری میں مشغول کر دیا تو بعض نے یہ شکایت کی اس وقت پہلے جیسے انوار نہیں ہیں تو حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ذکر کے انوار نہیں ہیں جہاد کے انوار ہیں اور اس وقت اسی کی ضرورت ہے فرمایا مگر مجھے علم اور ذکر کی کمی کا قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ اب تک اہل علم اور اہل ذکر اس میں نہیں لگے ہیں۔ اگر یہ حضرات آکر اپنے ہاتھ میں کام لے لیں تو یہ کمی بھی پوری ہو جائے مگر علماء اور اہل ذکر تو ابھی تک اس میں بہت کم آئے ہیں، اب تک جو جماعتیں تبلیغ کے لئے روانہ کی جاتی ہیں ان میں اہل علم اور اہل نسبت کی کمی ہے جس کا حضرت کو قلق تھا، کاش اہل علم اور اہل نسبت بھی ان جماعتوں میں شامل ہو کر کام کریں تو یہ کمی پوری ہو جائے، الحمد للہ مرکز تبلیغ میں اہل علم اور اہل نسبت موجود ہیں مگر وہ چند گنتی کے آدمی ہیں، اگر وہ ہر جماعت کے ساتھ جایا کریں تو مرکز کا کام کماحقہ انجام ہو سکے۔

ایک بار فرمایا، ہماری تبلیغ کا حاصل یہ ہے کہ عام دیندار مسلمان اپنے اوپر والوں سے دین کو لیں اور اپنے سے نیچے والوں کو دیں مگر نیچے والوں کو اپنا محسن سمجھیں کیونکہ جتنا ہم کلمے کو پہنچائیں گے پھیلائیں گے اس سے خود ہمارا کلمہ بھی کامل اور منور ہوگا، اور جتنوں کو ہم نمازی بنائیں گے اس سے خود ہماری نماز بھی کامل ہوگی، تبلیغ بہتر اثر ہے کہ اس سے مبلغ کو اپنی تبلیغ مقصود ہو دوسروں کے لئے اپنے کو ہادی نہ سمجھے کیونکہ ہادی اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

(تحفہ بی ملفوظات ص ۱۰۰، ۹۳)

ملفوظات نمبر۳

از مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ

پہلا ملفوظ............کلمہ طیبہ کے انوار و برکات

حضرت ابن عطا فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کے ذاکر کو تین نور عطا ہوتے ہیں نور ہدایت، نور کفایت، نور رعایت۔ نور ہدایت کے نصیب کی وجہ سے شرک کی ظلمت و تاریکی کو نکال لیا گیا ہے جس پر نور کفایت کا فیضان ہوا وہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوا اور جو نور رعایت سے نوازا گیا وہ فاسد خطروں اور اہل غفلت جیسی حرکتوں سے مامون رہا۔ پہلے نور کے نصیب والے ہیں جو ذاکر لسانی ہیں۔ قلب متاثر و حاضر نہیں دوسرا نور ذاکر قلب کا حصہ ہے۔ تیسرا نور ان کے لئے ہے جو کسی وقت بھی اپنے رب کو نہیں بھولتے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ۔ پھر بعض تو ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض متوسط درجہ کے ہیں اور بعضے ان میں ایسے ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ۔ ''تم میری یاد میں مصروف رہو میں تمہارا ذکر کروں گا۔''

مسلمانو! غور کرو ہماری ساری خرابیوں کی اصل بھی یادِ حق کا نہ ہونا ہے۔ دیکھا فرماتے ہیں کہ تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ مگر ہم میں کہ اس سے دور رہتے ہیں مؤذن کہتا ہے کہ حیَّ علی الصلوٰۃ نماز کی طرف آؤ ہم ہیں کہ بازار اور چوپالوں کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ مؤذن کہتا ہے کہ حیَّ علی الفلاح بہبودی بھلائی کی طرف فلاح کی طرف آؤ ہم شر ارتوں

نزدیک) محال ہے تو حاصل یہ نکلا کہ معصیت کا علاج یاد الٰہی ہے اب رہی یہ بات کہ خدا تعالیٰ کی یاد کیسے ہو اور اس کا کیا طریقہ ہے تو یاد کے بہت سے طریقے ہیں مثلاً ایک یاد ہوتی ہے محبت کی بناء پر ایک ہوتی ہے خوف سے اور ایک ہوتی ہے حیاء سے، پھر ان کی بھی چند قسمیں ہیں کہ اس محبت کا منشا اس کی ذات ہے، یا اس سے مقصود ثواب ہے اسی طرح خوف کا حال ہے کہ خوف ذات کا ہے یا عقاب کا اور یہی حال حیا کا ہے کہ وہ ذات سے ہے یا محسن کے احسانات سے اس میں لوگوں کے طبائع اور مذاق مختلف ہوتے ہیں بعضے ایسے ہوتے ہیں جن میں محبت ذات غالب ہوتی ہے، یعنی محبوب کی ذات ہی ایسی عظیم الشان ہے کہ مجبوراً اس سے محبت کرنی پڑتی ہے، نہ وہ جنت کے حاصل کرنے کے لئے ذکر اور عبادت کرتے ہیں، اور نہ دوزخ سے بچنے کے لئے بصرف ذات حق کا عشق ان کے لئے ذکر کا باعث بنا ہوا ہے اور بعضے وہ ہیں جن کے ذکر اللہ کا منشاء حصول جنت ہے کہ ہم کو اس عمل سے جنت ملے گی، دوزخ سے نجات ہوگی اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ مقصود تو ذکر اللہ ہے وہ ہونا چاہئے اگر اسی نیت سے ذکر کرتا رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ اس کو ذات حق سے عشق ہو جائے گا پھر اس کو بھی ذات محبوب کی رضاء کے سوا کچھ مطلوب نہ ہوگا۔

چوتھا ملفوظ .... مستحبات عشاق کا سرمایہ تسکین ہیں

اگر شریعت میں صرف ضروریات فرائض و واجبات ہی کا بیان ہوتا، مستحبات کا ذکر نہ ہوتا تو عشاق کو سخت بے چینی ہوتی کیونکہ عاشق محض ضروریات پر اکتفا نہیں کرتا، ان کو تو وہ فرض منصبی سمجھتا ہے بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ فرض منصبی کے علاوہ بھی میں کوئی ایسا کام کروں جس سے محبوب کی توجہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ ہو۔ ہمارا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمارے خیال فاسد میں محض قانونی رہ گیا ہے اس لئے ہم فرائض و واجبات کے علاوہ مستحبات کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اگر ہمارا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت و جانثاری کا ہوتا تو فرائض و واجبات پر ہم کبھی قناعت نہ کرتے، بلکہ خود ہی مستحبات کی تلاش میں لگ جاتے، اور جس بات کے متعلق بھی یہ معلوم ہو جاتا کہ حق تعالیٰ کو یہ پسند ہے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو اس کی طرف شوق سے سبقت کرتے اور جس بات کے متعلق

یہ معلوم ہو جاتا کہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہے تو اس سے کوسوں دور بھاگتے اور اس کی یہ تحقیق نہ کرتے
کہ یہ زیادہ ناپسند ہے یا کم، عاشق کو تو اتنی بات بہتیری کسی کام سے رکنے کے لئے کافی ہے کہ یہ
محبوب کی ناپسند ہے وہ اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ یہ کس درجہ کا ناپسند ہے آیا ایسا ناپسند ہے کہ اس
پر ضرب اور حبس کی سزا ہوتی ہے یا ایسا ناپسند ہے کہ محبوب کس قدر کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے اور رخ
پھیر لیتا ہے اس کے نزدیک تو یہ دونوں صورتیں برابر ہیں، عاشق تو اس کو بھی ہرگز گوارا نہیں کر سکتا
کہ محبوب اس سے ذرا بھی کبیدہ خاطر یا بے رخ ہو جائے، چہ جائیکہ کبیدگی کے علاوہ ضرب و حبس
بھی ہو اس کو تو بھلا کیوں گوارا کرنے لگا۔

پانچواں ملفوظ .... ذکر الٰہی کا اصل مقصد

ذکر الٰہی کا اصل مقصد ہے وصول الی المطلوب کہ کس طرح مطلوب اور مقصود تک رسائی
ہو جائے تو پھر ذکر و شغل کرتے اس بات کے خواہش مند مت ہوں کہ ہم کو خوف یا اس کی محبت و وجد
و شوق میں حاصل ہو جائے یا ہم پر فلاں کیفیت طاری ہو جائے، کیونکہ یہ سب چیزیں غیر اختیاری
ہیں اور غیر اختیاری امور کا بندہ مکلف نہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب عرصہ تک ذکر کرنے سے یہ چیزیں
حاصل نہ ہوں تو افسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہائے ہم پر فلاں کیفیت کیوں نہیں غالب ہوئی تم کو کیا
خبر ہے کہ تمہارے لئے کونسی کیفیت مناسب ہے اور کونسی نہیں، خوف کا راستہ مناسب ہے یا محبت
و حیا کا، کسی کو ہنسا کر پہنچاتے ہیں کسی کو رلا کر اور کسی کو تڑپا کر پہنچاتے ہیں بلکہ حسرت اور
پریشانی میں مبتلا رکھ کر پہنچاتے ہیں، کسی نے خوب کہا ہے۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است ...... بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

تم نے پھول کے کان میں کیا بات کہہ دی کہ وہ ہنس رہا ہے اور بلبل سے تم نے کیا کہہ دیا کہ وہ رو رہی
ہے۔ غرض جس کو محبوب کے ہاتھ سے جو کچھ مل گیا اسی کو اپنے حق میں بہتر اور اچھا سمجھنا چاہئے اور
اسی پر راضی رہنا چاہئے جنہوں نے اس راز کو سمجھ لیا وہ ہر حال میں راضی رہتے ہیں، اگر ان پر خوف کا
غلبہ ہے تو وہ محبت کے غلبہ کے طالب نہیں ہوتے، اگر کسی پر محبت غالب ہے تو وہ محبت اور خوف کا
طالب نہیں ہوتا۔

ہے اول تو گناہوں پر نظر کر کے ہم کو خود رونا چاہئے اور جو کسی کو رونا نہ آئے تو اس رونا نہ آنے پر رونا چاہئے کہ افسوس! میں ایسا سنگدل ہو گیا ہوں کہ مجھے بدحالی پر رونا بھی نہیں آتا۔

ساتواں ملفوظ............خواہش نفسانی تمام گناہوں کی جڑ ہے

آخرت فرمانی ہوتی کیوں ہے بجز خواہش نفسانی اور دوسرا کیا سبب ہے مثلاً نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آرہی تھی بس آرام میں خلل گوارا نہ ہوا حتیٰ کہ وقت ہو گیا اور سو کر صبح کر دی اب یہ آرام اور تن پروری خواہش نفسانی ہی تو ہے یا نماز میں تاخیر کا سبب کسی دوسرے کام میں لگا ہوا ہونا ہوتا ہے اس کو چھوڑ کر جانا گوارا نہیں ہوتا، مال کے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے یا نماز میں تاخیر اور اس کا ترک تو نہ ہوا مگر بے توجہی کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ بے توجہی جب ہی ہوگی جب کہ توجہ دوسری طرف ہو اور توجہ کا ایک طرف نہ رہنا یہ بھی خواہش نفس سے ہوتا ہے۔ غرض کوئی ترک طاعت کرتا ہے کوئی ارتکاب معصیت یہ سب نفسانی خواہش سے ہے اس لئے ہر چیز میں خیال رکھا جاوے کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں جب اس سے مواخذہ کیا جاوے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے معصیت ہو سکے پھر دل تک عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضر ہیں مگر خواہش نفسانی سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضرت پیش نظر رکھی جائے تو لذت سے مغلوب نہ ہو۔ مثلاً غیبت کرنے کے وقت اس کی مضرت کو خیال کرے کہ اس شخص کو خبر پہنچ گئی تو مجھ سے ضرور لڑائی ہوگی اور بہت سے نقصان پہنچیں گے نفع تو کوئی بھی مرتب نہ ہوگا۔

جہاں تک غور کیا جائے گا تو سب معصیت کا سبب خواہش نفسانی کو ہی پایا جاوے گا خواہ غیبت ہو یا رشوت کی رسمیں ہوں یا شادی کی اور اسراف وفضول خرچی تو ایسی معصیت ہے کہ اس کا وبال اخروی تو آخرت میں ہوگا ہی مگر دنیا میں بھی اس کا نتیجہ سامنے آ جاتا ہے۔

آٹھواں ملفوظ............ذکر و فکر ہی مقصود ہے

بندہ کا کام صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی یاد میں لگے اور ذکر و فکر ہی کو مقصود سمجھے کسی کیفیت پر نظر نہ رکھے۔ غرض حق تعالیٰ نے ہمیں اس طرح خطاب فرمایا ہے۔

قلب ہے۔ اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو اور جائداد بھی ہو اور ہر طرح کا سامان عشرت مہیا ہو اور اس کے ساتھ اسے یہ معلوم ہو کہ آج کے چوتھے روز مجھے پھانسی دے دی جائے گی اب فرمایئے کہ کیا اسے اس دولت سے خوشی ہوگی؟ اس سامان عشرت سے لطف میسر ہوگا؟

کیا اسے لذیذ کھانوں سے حظ آئے گا؟ کیا اسے عیش و خوشی میں راحت ملے گی؟ اس وقت تو دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہوگی اور یہ سب کچھ اس لئے کہ اس کے قلب کو راحت حاصل نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اصل اور روح دنیا کی راحت ہے تعلق دل، دولت ریاست و سلطنت سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ حقیقی راحت اہل اللہ کو میسر ہے۔ اگرچہ بظاہر ان کے پاس سامان جاہ و ثروت کم ہو حتیٰ کہ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوں اور جو کھانا ہو روکھا ہو اگر یہ شخص دیندار ہے تو واقعی یہ راحت میں ہے اور بظاہر ان دولت مند امیروں کے مقابلے میں مصیبت میں ہے اور اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ کہ حوادثات کا پیش آنا انسان کے اختیار میں نہیں۔ دوسرے یہ کہ زیادہ حوادث طبیعت کے خلاف ہوتے ہیں سو جب ناگوار اور خلاف طبیعت امور پیش آتے رہیں گے تو چین کیوں کر میسر ہوگا خواہ روپیہ بہت ہو مگر اس روپیہ کو کیا کریں کہ کبھی تو نیند نہ آنے کی شکایت ہے کبھی معدہ کمزور ہے غذا نہیں کھا سکتے کبھی زکام ہے کبھی کھانسی کی تکلیف ہے کبھی تجارت میں نقصان و خسارہ ہے آرام سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا کبھی کسی عزیز کے مرنے کی خبر آئی کبھی کسی کی چوٹ اور موت کی زیادہ تر ایسے ہی حوادث آتے رہتے ہیں جو پریشان کرنے والے ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ واقعات رک جائیں یا خلاف طبع پیش نہ آئیں اس لئے پریشانی اور بے چینی لازم ہے اب اس کی تدبیر کی کوئی صورت ہے تو صرف یہ ہے کہ مزاج کو ایسا کر لے کہ کوئی واقعہ خلاف مزاج نہ رہے اور ایسا مزاج کس طرح ہو سکتا ہے اس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھو یا حضرت علیؓ سے یا حبش کے حضرت بلالؓ سے کہ انہوں نے بچھونے بوریوں میں اور مختصر تنگ حجروں میں یہ مزاج بنا لیا تھا کہ کوئی واقعہ خلاف مزاج نہ رہا اور وہ مزاج جو حجروں میں بیٹھنے سے بنتا ہے وہ محبت و معرفت ہے۔

([illegible])

ملفوظات نمبر ۴

از مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

پہلا ملفوظ.............. قرآن وسنت میں اصلاح کا مکمل نظام موجود ہے

قرآن وسنت میں انسان کے ظاہری اعمال اور معاملات اور باطنی عقائد اور اخلاق سب ہی کی اصلاح کا مکمل نظام موجود ہے۔ امت میں صحابہ و تابعین سے لے کر موجودہ زمانے کے صالحین کاملین تک جس کو جو کچھ کمال حاصل ہوا ہے وہ صرف اسی نظام عمل کی مکمل پابندی سے ہوا ہے۔ وہ جس طرح نماز، روزے، حج، زکوٰۃ کے پابند تھے اسی طرح صدق، اخلاص، توحید، تواضع، صبر، شکر، توکل، زہد وغیرہ باطنی اعمال میں بھی ویسا ہی کمال رکھتے تھے۔ وہ جس طرح جھوٹ، فریب کی تحقیر و توہین، حب جاہ، حب مال، حرص، بخل وغیرہ باطنی گناہوں کو بھی ایسا ہی حرام جانتے اور ان سے پرہیز کا اہتمام کرتے تھے۔

علماء امت نے عوام کی سہولت کے لئے قرآن وسنت کے اس پورے نظام کو چند علوم وفنون میں الگ الگ جمع کر کے مدون کر دیا۔ اعمال ظاہرہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور نکاح و طلاق اور تمام معاملات کو علم فقہ میں اور اعمال باطنہ میں سے عقائد کو علم عقائد میں اور اخلاق و معاشرت کو علم تصوف میں جمع کر دیا۔

بعض حضرات علماء نے تینوں علوم کو یکجا بھی لکھا ہے، علامہ ابن السبکی نے اپنی کتاب "جمع الجوامع" میں جو اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے اس کے آخر میں بعنوان "خاتمہ" تصوف و اخلاق اور اعمال باطنہ کی بھی کچھ تفصیل لکھی ہے۔ امام قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں حضرت سہروردیؒ نے "عوارف المعارف" امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" وغیرہ مستقل تصانیف میں اعمال باطنہ کی

اصلاح اور ان کی اہمیت پر نہایت تفصیلی بحث فرمائی ہے اور اس آخری دور میں حضرت حکیم الامت سیدی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اس موضوع پر التکشف، التشرف مسائل السلوک، تعلیم الدین، القصد السبیل وغیرہ نہایت جامع کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

دوسرا ملفوظ .... روح کی بیماریوں کا علاج

فرمایا یہ دل کی بیماریاں کفر، شرک، نفاق، حسد، کینہ، تکبر، نخوت، حرص، بخل، حب جاہ، حب مال، غرور وغیرہ ہیں۔ اور تندرستی یہ ہے کہ مالک حقیقی حق تعالیٰ کو پہچانے، تمام نفع نقصان، تکلیف، راحت کا مالک اسی کو سمجھے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، کوئی تکلیف پیش آئے تو صبر سے کام لے تمام معاملات میں اللہ پر بھروسہ کرے، اس کی رحمت کا امیدوار اور عذاب سے ڈرتا رہے، اس کی رضا جوئی کی فکر میں رہے، اور صدق و اخلاص کے ساتھ تمام احکام بجالائے۔

فرمایا باطنی امراض سے نجات حاصل کرنے کا مکمل علاج قرآن کریم ہے۔ ﴿وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين﴾ "ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے وہ چیز جو شفاء اور رحمت ہے مومنین کے لئے"

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿قل هو للذين آمنوا هدى وشفاء﴾ "یعنی آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے اور شفاء ہے۔"

لیکن باطنی بیماریوں اور ان کے علاج میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ ظاہری بیماریاں تو آنکھوں اور دوسرے حواس سے محسوس کی جاسکتی ہیں، نبض کی حرکت، خون اور فضلات کا امتحان کر کے معلوم کی جاسکتی ہیں، ان کے معالجات محسوس آلات اور دواؤں سے کئے جاتے ہیں، باطنی امراض نہ آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں، نہ نبض وغیرہ سے ان کو پہچانا جاسکتا ہے، اسی طرح ان کا علاج بھی محسوس غذاؤں اور دواؤں سے نہیں ہوتا، ان امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز صرف قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصول ہی سے ہوسکتی ہے۔

تیسرا ملفوظ .... مجرب عمل کی نصیحت

فرمایا کوئی شخص کسی کام سے عاجز ہوجائے اور اس کے سرانجام دینے کی صورت نہ ہو تو

جو منافع کو حاصل کرنا چاہتی ہے، اس میں افراط کے درجہ کا نام "فجور" ہے اور تفریط کا نام "خمود" ہے۔ اور درجۂ اعتدال کا نام "عفت" ہے۔ قوت غضبیہ سے مراد وہ قوت ہے جو مضرتوں کو دفع کرنا چاہتی ہے۔ اس میں درجہ افراط کا نام "جبن" ہے اور اعتدال کا نام "شجاعت" ہے۔ ان میں حکمت، عفت اور شجاعت تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے۔

پانچواں ملفوظ .... دعاء استخارہ کا مطلب سمجھئے

فرمایا دعاء استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء خیر کرتا رہے۔ استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی اور یہ مشورہ کرنا نہیں ہے مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے۔ استخارہ سنت ہے اس کی دعا مشہور ہے اس کے پڑھ لینے سے سات روز کے اندر اندر قلب میں ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خواب میں کچھ نظر آنا یہ بھی رجحان حجت شرعیہ نہیں ہیں کہ ضرور ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ اور یہ جو دوسروں سے استخارہ کرایا کرتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے عملیات مقرر کر رکھے ہیں دائیں طرف یا بائیں طرف گردن پھیرنا یہ سب غلط ثابت ہوتے ہیں۔ ہاں دوسروں سے کرا لینا گناہ تو نہیں لیکن خود کرنا چاہئے اس دعا کے صیغے ہی ایسے ہیں۔

فرمایا میں تو چھوٹا سا استخارہ پڑھ لیتا ہوں۔ نماز کے بعد یا سوتے وقت اَللّٰھُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ گیارہ مرتبہ پڑھ لیتا ہوں اور یہ حدیث میں آیا ہے۔

چھٹا ملفوظ .... مسلمانوں کی ایک افسوسناک غفلت

ایک زمانہ دراز سے مسلمانوں کی دین اور علوم دینیہ سے عام غفلت کے نتیجے میں سب ہی علوم دینیہ سے مسلمانوں کی اکثریت بے بہرہ ہو چکی ہے خصوصیت سے مؤخر الذکر علم جس کا تعلق اعمال باطنہ کی اصلاح سے ہے، وہ تو ایسا متروک ہوا کہ عوام تو عوام علماء کی ایک بڑی تعداد بھی اس سے بے تعلق ہوگئی۔ صرف اعمال ظاہرہ کی پابندی میں دین کو منحصر سمجھ لیا گیا۔ اصلاح اخلاق، توحید و توکل، صبر و شکر، قناعت، زہد و تقویٰ کے صرف الفاظ زبانوں پر رہ گئے۔ حب جاہ، حب مال، نخوت و غرور، غیظ و غضب، کینہ و حسد جیسے محرمات اور مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کی فکر بھی دلوں سے محو ہوگئی۔

میرا خطاب اس معاملے میں سب سے پہلے اپنے نفس سے اور پھر دوسرے اہل علم سے ہے کہ ہم نے اپنا ظاہر تو کچھ دین کے مطابق بنا لیا ہے، اعمال ظاہری کی حد تک ہم پابند شریعت بھی سمجھے جاتے ہیں، اور ایسے تمام گناہوں سے بچنے کا بھی کسی حد تک اہتمام کرتے ہیں جو عوام کی نظر میں منصب علم وصلاح کے خلاف سمجھے جاتے ہیں، اور جو لوگ ان میں مبتلا ہوں عوام کی نظر سے گر جاتے ہیں، لیکن باطنی محرمات اور کبیرہ گناہ جو درحقیقت ظاہری گناہوں سے زیادہ سخت گناہ ہیں ان سے بچنے کا کوئی اہتمام ہم میں نظر نہیں آتا۔

ساتواں ملفوظ .... رزق رسانی کا قدرتی نظام

فرمایا اللہ پاک کی کچھ مخلوق ایسی بھی ہے جو بالکل کاہل یا اپاہج ہے اور اللہ پاک اس کو بھی رزق مہیا فرماتا ہے اس کی مثال مولانا رومی نے اپنے اشعار میں دی ہے کہ زمین تو چل سکتی ہے اور نہ جد وجہد کر سکتی ہے اللہ پاک نے اس کی پیاس بجھانے کے لئے بادلوں کو بنایا جو سمندروں سے پانی لا کر اس جگہ برساتے ہیں جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یاد آیا کہ کچھ دن قبل محکمہ موسمیات نے اعلان کیا تھا کہ فلاں جگہ بارش ہوگی لیکن بارش تو ہوئی مگر اس جگہ سے فاصلہ پر اور پھر محکمہ موسمیات نے اعلان کیا کہ دراصل اس زمین کو جہاں یہ بارش ہوئی ہے زیادہ ضرورت تھی پانی کی لیکن جو لوگ ہیں انہوں نے یہ تو مان لیا کہ جہاں زیادہ ضرورت تھی وہاں یہ بادل جا کر برسے لیکن یہ سب کچھ یونہی نہیں ایک باقاعدہ انتظام ہے ہر چیز کا قدرت نے ایک نظام بنایا ہے چنانچہ پانی جو زندگی کا اہم ترین جزو ہے، ہو سکتا تھا کہ اللہ پاک سب کو یہ کہہ دیتے کہ سال میں ایک یا دو مرتبہ بارش ہوگی اور جس کو جتنی ضرورت ہو پانی لے کر رکھ لے پھر نہ ملے گا تو کیا ہوتا مگر قربان جائیے اس کی رزاقی کے کیا مصلحت آمیز نظام ہے کہ پہلے تو پانی بادل اٹھا کر لے جاتے ہیں سمندر کے کڑوے پانی کو اوپر جا کر مشینوں کے بغیر میٹھا بنا دیتے ہیں، پھر جس جگہ ضرورت ہوتی ہے اللہ کے حکم اور اندازے کے مطابق برستے ہیں مجال کیا ہے اس کے خلاف کر جائیں۔

آٹھواں ملفوظ .... وساوس سے بچتے رہیے

وساوس کا ایک درجہ غیر اختیاری ہے اس کی فکر نہ کریں اور ایک درجہ اختیاری ہے اس سے ضرور

اختیار کرے وساوس کے آنے پر بالکل بے فکر ہو جانا اور ان کو غیر اختیاری تصور کر لینا ہی ٹھیک نہیں ہے جس کے اسباب اختیار میں ہوں وہ غیر اختیاری نہیں ہوتا۔ سو وساوس کے دفع کرنے کے کچھ اسباب اختیاری ہیں مثلاً طہارت کا پورا خیال رکھا جائے۔ وضو باقاعدہ طور سے کیا جائے۔ وضو اور نماز کے درمیان کوئی دنیوی کام یا بات چیت نہ کرے۔ جو کام نماز سے پہلے کر رہا ہے تھوڑی دیر اس کو چھوڑ دے تاکہ خیالات مست جائیں اور نماز شروع کرنے سے پہلے ذرا یہ سوچ لے کہ جب میں اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے ہمکلام ہوں گا۔ نماز پڑھوں گا لہٰذا مجھ کو بہت دھیان لگانے کی ضرورت ہے۔ اور دونوں ہاتھ اٹھائے تو خیال کرے کہ سب میں نے دو جہان سے ہاتھ اٹھائے۔ مجھے اب کسی سے کوئی غرض نہیں۔ ان کے سامنے سب حقیر و ذلیل ہیں پھر اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھے اور سمجھے کہ میں اللہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا عرض و نیاز کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا تھانوی نے لاکھ روپے کا ایک نسخہ عنایت فرمایا ہے جو کوئی اس کو استعمال کرے انشاء اللہ وساوس نہیں ستائیں گے پہلے لوگ تو اس کام کے لئے چلے کشی کرتے تھے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے میں جو الفاظ زبان سے ادا ہوں ان کی ادائیگی کی طرف دھیان رکھے اگر معنی یاد ہوں تو معنی سوچتے رہا کریں اور نماز کو فکر سے پڑھو۔ بے فکری سے ہرگز نہ پڑھو۔

نواں ملفوظ............دنیا کی تمام پریشانیوں سے بچنے کا واحد طریقہ

دنیا کی تمام پریشانیوں سے بچنے کا ایک واحد طریقہ ہے پریشانیوں کو پریشانیاں نہ سمجھو تو کوئی پریشانی باقی نہیں رہتی۔ اب ہم یہ کہیں گے کہ صاحب درد تو ہو رہا ہے اس کو درد نہ سمجھا جائے تو پھر کیا کریں تو آج کل بھی اس زمانہ میں نفسیات کو علاج میں بڑا دخل دیا جا رہا ہے یہاں تو باقاعدہ اس کا شعبہ قائم ہے کہ ہر بیماری کا نفسیات سے علاج ہو رہا ہے۔ نفسیات کیا ہے کہ دماغ کو اس تکلیف سے ہٹا لو تکلیف جاتی رہتی ہے یعنی اگر کسی کو بخار ہے اور دوسرے نے کہہ دیا کہ یہ بخار بہت خطرناک ہے تو اب سمجھو خطرناک نہ تھا اب خطرناک بن گیا اسی طرح اگر پریشانی کو یہ سمجھا جائے کہ یہ پریشانی کچھ بھی نہیں ہے تو وہ پریشانی نہیں رہتی۔ بہت سے مریض اور پریشانی میں مبتلا شخص اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو صحت مند اور راحت میں محسوس کر سکتے ہیں اور اصل اس کی یہ

حاصل یہ نکلا کہ وہ لوگ تو اپنے ایمان اور اسلام کا اظہار کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ بے ایمان ہیں۔ جب وہ اپنے ایمان دار ہونے اور مسلمان ہونے کا اظہار کر رہے ہیں پھر انہیں کیوں بے ایمان کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

قولہ تعالیٰ: وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ. وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ

ترجمہ: اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان میں فیصلہ کرے تبھی ایک گروہ ان میں سے منہ موڑنے والے ہیں اور اگر انہیں حق پہنچتا ہو تو اس کی طرف گردن جھکائے آتے ہیں۔

بے ایمانی کا سبب یہ نکلا کہ جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے دروازہ پر انہیں جھگڑا چکانے کے لئے بلایا جاتا ہے تو فقط اس صورت میں آتے ہیں جب انہیں یقین ہو کہ فیصلہ ہمارے ہی حق میں ہوگا اور اگر انہیں یقین نہ ہو تو منہ موڑ کر پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں اعلان فرما دیا ہے کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اللہ کے بندے ہوتے ہیں یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے سامنے سر جھکا دیا اور مان لیا اور دوسرے اپنے نفس کے بندے ہوتے ہیں جو ان کا نفس حکم دیتا ہے وہی کرتے ہیں۔ اب جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ نفس کے بندے ہیں یعنی جو ان کے نفس کی خواہش ہو وہی پوری کرتے ہیں۔

اب مسلمانوں کی دوسری قسم بھی ملاحظہ فرمایئے جن کے اندر ایمان ہے اور ان کے مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی سچا ہے۔ قولہ تعالیٰ: إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔

ترجمہ: مومنوں کی بات تو یہی ہوتی ہے جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں

حاصل یہ نکلا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دربار سے جو فیصلہ بھی ہو اس کو ماننے کے لئے ہر حال میں تیار ہیں۔ خواہ ان کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ بارگاہ الٰہی میں یہی لوگ مقبول اور محترم ہیں اور جنت کے وارث ہوں گے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم۔

دوسرا ملفوظ.......................ذکر و دعا کا اہتمام کیجئے

جس ذکر اور دعا کی فضیلت آپ کو رسول ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتی ہے اس دعا سے مراد اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے اور ذکر سے مراد ذکر الٰہی ہے۔ انسان کا فطری تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے جس کو ہر انسان خواہ مسلم ہو یا کافر اپنی عقل سے مانتا ہے۔

قولہ تعالیٰ : ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله فانى يؤفكون .

ترجمہ: اور البتہ اگر ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے (جب وہ مانتے ہیں) پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں۔

ہر انسان کو جب تحت مصیبت پہنچتی ہے اسباب ظاہری جواب دے دیتے ہیں تو فطرت سلیمہ اس کی ہادی بنتی ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دروازے کے اور کہیں سے تیری حاجت پوری نہیں ہوتی پھر ادھر بھاگتا ہے اور مراد پاتا ہے۔ واذا غشيهم موج كالظلل دعوا الله مخلصين له الدين . ترجمہ: اور جب ان کو (مشرکین کو) سائبانوں کی طرح (سمندر کی) موج ڈھانک لیتی ہے تب ایک اللہ تعالیٰ ہی کو خالص کر کے پکارتے ہیں۔

جب انسان خدا تعالیٰ کو خالق مانتا ہے اور اسے کارساز جانتا ہے تو اس کی فطرت اسے مجبور کرتی ہے کہ ایسے شفیق مالک کے ساتھ رشتہ مودت و محبت قائم رکھا جائے اور ہر انسان کو یقین کامل ہے کہ جس پاک ذات کو ہم اپنا کارساز و مالک حقیقی جانتے ہیں وہ ہر حاجت و ضرورت سے پاک ہے اس کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے جسے ہم پورا کر دیں۔ تو وہ خوش ہو جائے۔ البتہ ایک چیز ہے جس سے وہ خوش ہوتا ہے وہ ذکر الٰہی ہے۔

جب انسان فطرت کی دستگیری سے فلسفہ الٰہی کو سمجھ کر یاد حق کے لئے آمادہ ہوتا ہے اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ میرے محبوب حقیقی کی رضا حاصل کرنے کے لئے میرے پاس سوائے ذکر کے اور کوئی بہتر راستہ نہیں ہے تب شیطان لعین اسے آ کر بہکاتا ہے۔ اور صحیح راستہ چھڑا کر غلط راستے کی رہنمائی کرتا ہے اور بجائے خدائے قدوس کے غیر اللہ کی عبادت شروع کرا دیتا ہے اور انسان کو اس دھوکہ میں گمراہ کر دیتا ہے کہ فلاں فلاں ہستی کی عبادت اور یاد ہی سے تمہارا مالک راضی ہوگا

الٰہیہ ہوتی ہے وہ فقط ذکر الٰہی ہے لہٰذا اگر آپ قبولیت دعا اور رحمت اللہ کے امیدوار ہونا چاہتے ہیں تو فقط اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجئے اور اسی سے مانگئے جن الفاظ میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو یاد فرمایا ہے ان الفاظ سے بہتر اور کوئی الفاظ یاد الٰہی کے لئے موزوں اور محبوب بارگاہ الٰہی نہیں ہو سکتے لہٰذا انہیں اذکار نبوی ﷺ کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا کہ آپ پر خدا تعالیٰ راضی ہو اور اس ناکارہ کو بھی اپنے حبیب ﷺ کی احیاء سنت کی برکت سے عذاب سے نجات دے۔ آمین یا رب العالمین۔

تیسرا ملفوظ.......................................قرآن و حدیث پر عمل کیجئے

برادران اسلام! قدرت خداوندی نے مخلوقات میں بے انتہا قسموں کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور ہر ایک چیز کی صورت، سیرت اور خاصیت علیحدہ علیحدہ بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ان گنت مخلوقات میں سے ایک چیز کو دوسری سے علیحدہ کرنے والے بھی اسباب ہیں اور پھر یہی نہیں بلکہ ایک قسم کی چیزوں میں سے ہر ایک کو دوسری سے الگ کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ علامتیں مقرر کر دیں۔ مثلاً دیکھئے کہ حیوانات میں سے اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں پھر ایک قسم کے جانوروں میں سے ہر ایک کی علیحدہ پہچان ہے۔ کوئی سفید، کوئی سیاہ، کوئی سرخ۔ دیکھنے والا ظاہری ڈیل ڈول اور وضع قطع کو دیکھ کر حکم لگاتا ہے اور وہ حکم صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً بظاہر وضع قطع بھینس کی ہے تو بھینس ہی کہے گا گائے کی ہے تو گائے ہی کہے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ شکل بھینس کی ہو اور اندر میں بکری ہو یا بظاہر گائے اور اندر میں گدھا ہو یا مثلاً نباتات میں دیکھئے یہ ناممکن ہے کہ ایک درخت پر پھول اور پھل تو انار کا نظر آئے اور حقیقت میں آم ہو یا پھول، پھل اور پتے تو آم کے ہوں اور واقعہ میں جامن ہو۔

جو قاعدہ آپ کو سمجھ چکے ہیں اسی پر مسلمان کو بھی قیاس کر لیجئے مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں نیک اور بد، اچھا اور برا۔ بھلا مانس اور بد معاش، مومن کامل اور ناقص۔ قانون اسلام کا پابند اور مخالف۔ ان قسموں میں سے جو چاہیں آپ کہہ دیں بہرحال قسمیں دو ہیں۔ جس طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک چیز سیاہ بھی ہے اور سفید بھی۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک ہی شخص نیک بھی ہو اور بد بھی۔ مومن بھی ہو اور مشرک بھی یا اسلام کے قانون کا پابند بھی ہو اور مخالف بھی

۔ان میں سے ایک ہی چیز ہو سکتی ہے دونوں کا جمع ہونا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک فیصلہ فرمایا ہے کہ جو بدمعاش ہیں وہ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ نیکوکاروں کا سا سلوک کریں گے ان کی زندگی اور موت ان جیسی ہوگی (اگر ان کا یہ خیال ہے) تو یہ کیسا برا فیصلہ کیا ہے

اس فیصلے کے معلوم ہونے کے بعد اگر ہم چاہیں کہ اس دربار شاہنشاہی میں عزت پائیں تو ہمارا فرض ہے کہ اس کے نازل کردہ قانون (قرآن کریم) جس کی شرح احادیث نبی کریم ﷺ ہیں) کی پابندی کریں۔ اپنے منہ میاں مٹھو کہلانے سے کچھ نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ کا فرمان موجود ہے

۔ لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتاب من یعمل سوءا یجز به ۔

ترجمہ: اے مسلمانو! نہ تمہاری آرزوؤں اور نہ یہود و نصاریٰ کی آرزوؤں پر فیصلہ ہوگا۔ (بلکہ) جو بھی برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔ انسان کی گفتار و کردار سے پتہ چل سکتا ہے اگر اقوال و افعال میں نیکی پائی جاتی ہے تو یہ فیصلہ ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں بھی اسلام کی عزت ہے اور سچا مسلمان ہے۔ اور اگر عادات و اطوار میں اسلام کی مخالفت کا رنگ غالب ہے تو یہی کہا جائے گا کہ اس شخص کے دل میں اسلام کی عزت نہیں۔ خدا تعالیٰ کا خوف نہیں ہے

چوتھا ملفوظ .... کھرے اور کھوٹے کی تمیز

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو علم قرآن پڑھایا اور قرآن حکیم پر عمل کر کے مسلمانوں کو دکھایا۔ قرآن مجید کا مطلب سمجھنا اور چیز ہے جسے تعلیم کتاب کہا جاتا ہے اور اس تعلیم کا رنگ چڑھانا اور چیز ہے جسے تزکیۂ نفس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ معلم بھی تھے اور مزکی بھی تھے۔ حضور انور فداہ ابی و امی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی اس مقدس خدمت کو دو گروہوں نے اپنے ذمہ لے لیا۔ تعلیم کتاب کا فرض علمائے کرام انجام دینے لگے اور تزکیہ نفس کا کام صوفیائے عظام نے اپنے ذمہ لے لیا۔ اب رسول اللہ ﷺ کی اصطلاح میں عالم فقط وہ ہو سکتا ہے جو عالم قرآن ہو اور صوفی وہ ہے کہ نہ صرف قرآن کی تعلیم اس کا اپنا حال ہو بلکہ قرآن کی تعلیم کا رنگ دوسرے پر چڑھانے میں باکمال ہو۔ اب کھرے عالم کی پہچان کے لئے دو علامتیں دیکھی جائیں کہ عالم قرآن ہو۔ علم قرآن خلق خدا کو پہنچائے اور اس کی صحبت میں تفہیم قرآن کے ذریعہ

کرنے، بچے جننے اور پالنے اور بوڑھے ہوکر انتقال کرنے غرضیکہ چندروزہ زندگی کی ان تمام منازل طے کرنے میں سب بنی نوع انسان یکساں ہیں۔

ایک غیر مسلم کی نظر فقط اسی دنیا تک محدود رہتی ہے۔ اور مکانوں، عالیشان کوٹھیوں اور محلوں میں بسر کرنے، موٹروں پر سفر کرنے، حسین بیویوں سے نکاح کرنے، بچے جننے اور ان کی ضروریات بہم پہنچانے، لذیذ غذائیں کھانے، قیمتی لباس پہننے، دنیوی تعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے، دولت کمانے اور جمع کرنے، خان صاحبی، خان بہادری، ممبری میونسپل کمشنری اور وزارت کے القاب وعہدے پانے غرضیکہ اسی طرح کی تمام نفسانی خواہشات کی تکمیل میں شب وروز غیر مسلم غرق رہتا ہے حتیٰ کہ پیغام اجل آجاتا ہے۔

بخلاف اس کے ایک مسلمان کی زندگی میں سعی منقسم ہوتی ہے اسے وہ سعی کرنے کا حکم ہے جس سے اس کی دنیا اور آخرت دونوں ہی سدھر جائیں۔

اب اس آخرت کو نہ غیر مسلم نے دیکھا ہے نہ مسلم نے۔ فرق یہ ہے کہ ایک غیر مسلم کا اس آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے مگر ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو خدائی احکام سمجھتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال بیشتر شب معراج میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ شدہ اخروی حالات کی تفصیل فرما گئے ہیں۔ جس طرح اس دنیا میں چین سے زندگی بسر کرنے، عزت وآرام سے رہنے سہنے کے لئے ایک سرمایہ کی ضرورت ہے اور وہ سرمایہ سونا اور چاندی ہے۔ جس کے پاس یہ ہو خواہ وہ شودر ہو یا چمار، انگریز ہو یا جاپانی، بت پرست ہو یا تثلیث پرست، وہ ڈگریاں مول لے سکتا ہے سر کا خطاب پا سکتا ہے میونسپل کمشنری کے دنگل میں جیت سکتا ہے۔ وزیر اعظم منتخب کیا جاسکتا ہے سب اسے سلامیں کرتے ہیں، ڈالیاں پاتے ہیں تحفے تحائف بھیجتے ہیں مگر جس کے پاس دولت نہیں خواہ سادات کرام سے ہو یا قریش خاندان سے، قابلیت میں یکتا ہو، مغلیہ خاندان کا جانشین ہی کیوں نہ ہو اسے آج رہنے کو جھونپڑی، تن ڈھکنے کو چادر اور منہ مانگے بھیک بھی نہیں ملتی۔ اسی طرح آخرت میں چین، عزت، راحت پانے کا بھی سرمایہ ہے وہاں اس دنیا کا سرمایہ ہرگز کام نہیں آئے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ: ﴿جب دوزخیوں سے ہر ایک کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ

(افسوس) سے کہے گا۔

کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ ملتا۔ اور مجھے اپنے حساب کی خبر ہی نہ ہوتی۔ کاش اگلی موت میرا کام تمام کر دیتی (پھر دوبارہ یہ زندگی ہی نہ ملتی۔ تاکہ آج کی یہ آفت شرمساری، بے عزتی، تعیب نہ ہوتی) (ہائے افسوس) میں نے دنیا (بہت زیادہ اور سید ھے اور ٹیڑھے طریقوں سے) کمائی اور بینکوں میں جمع کی۔ ترقی درجات کے لئے رشوتوں پر اڑائی۔ وہ بھی کچھ کام نہ آئی میری حکومت (وزارت، امارت، سری، میونسپل کمشنری، خان بہادری) بھی خاک میں مل گئی۔

وہاں نہ حسب نسب کام آئے گا نہ دنیاوی زندگی کام آئے گی۔ بلکہ وہاں کا سرمایہ تو سعادت، شرافت، صلاحیت، حیا، اچھے اعمال حسنہ ہیں۔

نیک عمل وہ ہے جو فقط رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے ورنہ بظاہر کتنی ہی نیکی ہو اور کوئی بھی نیکی ہو جس میں رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو ہرگز قبول نہ ہوگی۔ حتیٰ کہ نماز جیسی عظیم الشان نیکی جو کفر و اسلام میں امتیازی نشان ہے جس کے ایک دفعہ ترک کرنے پر کفر کی وعید سنائی جاتی ہے اگر وہ بھی ریا سے پاک نہ ہوئی تو مردود ہوگی۔

فویل للمصلین۔ الذین ھم عن صلاتھم ساھون۔ الذین ھم یرآءون۔ ویمنعون الماعون۔

ترجمہ: پس ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں اور روزمرہ کے استعمال کا سامان مانگے نہیں دیتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: ان اخوف ما اخاف علی امتی الشرک الاصغر قالوا یا رسول اللہ ما الشرک الاصغر قال الریاء۔ ترجمہ: رسول خدا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ اپنی امت کے متعلق چھوٹے شرک کا ہے صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ وہ چھوٹا شرک کیا ہے۔ فرمایا ریاء۔ (دکھلاوا)

غیر مسلم کی زندگی اس کے زعم باطل میں اس منزل پر ختم ہو جاتی ہے جسے وہ "موت" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں انتقال کہا جاتا ہے مسلم اپنی زندگی کو فانی نہیں سمجھتا وہ سمجھتا ہے کہ اس زندگی کے خاتمہ کے بعد فقط نقل مکانی ہوتی ہے۔ مثلاً محلہ سے قبرستان۔ ان دونوں کی

ہے۔ انسان میں تین چیزیں موجود ہیں۔ نباتات میں نشو نما ہوتا ہے تو انسان میں بھی نشو نما پایا جاتا ہے۔ کبھی بچہ کبھی جوان کبھی بوڑھا۔ حیوان متحرک بالارادہ ہے۔ یعنی اپنے ارادے سے جہاں چاہے چلا جائے۔ انسان بھی حیوان کی طرح چاہے تو کھڑا ہو جائے چاہے تو بیٹھ جائے چاہے تو لیٹ جائے وغیرہ وغیرہ اس کے بعد دیکھا جائے تو انسان اپنی مخصوص صفات سے بھی متصف ہے۔ مثلاً ملکہ اجتہاد یہ صرف انسان ہی میں پایا جاتا ہے ایک چیز سے دوسری چیز نکالنا مثلاً تلوں سے تیل، پھولوں سے رس وغیرہ دو کو ملا کر تیسری چیز بنالینا مثلاً قند سفید اور گلاب کے پھول ملا کر اس کا نام گل قند رکھ دیا۔ اور تین کو ملا کر چوتھی چیز بنالینا مثلاً آٹا، گڑ، گھی ملا کر میٹھی روٹی بنالینا۔ علی ہذا القیاس۔

اپنی قوت اجتہاد سے بعض اوقات بیس تیس چالیس چالیس چیزوں کو ملا کر ایک معجون بنا کر رکھ دیتا ہے یہ اجتہادی استعداد سوائے انسان کے اور کسی مخلوق میں پائی نہیں جاتی۔ اور بعض آدمی عقل خداداد کی برکت سے ایک ہی چیز کے اندر کئی فوائد معلوم کر لیتے ہیں۔ جو اس چیز کے خالق (اللہ جل شانہ) نے اس کے اندر رکھے ہیں۔ آج کل ایجادات جدیدہ کا موجب یہی ملکۂ اجتہاد ہے۔ جو خداداد ہے اور جن کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر رکھا ہے وہی مادی چیزوں میں غور وفکر کر کے ایجادات کرتے رہتے ہیں۔

یہ اجتہادی ملکہ اگرچہ انسان ہی کو نصیب ہوتا ہے لیکن ہر انسان کو نہیں ملتا کسی کسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جسے اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اسی کا دماغ چیزوں کے ایجاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی مضمون پر رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد ملاحظہ ہو اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ۔

ترجمہ: کام کیے جاؤ ہر شخص کو وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر شخص ہر کام کرنے کا اہل نہیں ہے۔ مادی اشیاء میں غور وفکر کر کے ایک نئی چیز کا ایجاد کر لینا یہ ملکہ قوت اور استعداد بھی خداداد ہی ہوتی ہے البتہ اس ملکہ کے عطا ہونے کے لئے ایمان شرط نہیں ہے۔ اس قسم کی ایجادیں کرنا اللہ تعالیٰ کا باغی ایک مشرک، ایک کافر، بلکہ خدا کی صداقت کا منکر بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ میں جو چیزیں نئی ایجاد ہو رہی ہیں وہ اسی قاعدے کے ماتحت عمل میں لائی جا سکتی ہیں۔

یاد رکھیے اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ ہر حیوان کو اس کی زندگی کا پروگرام براہ راست اس

کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اسے کسی استاد یا کسی اسکول اور کالج میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً مرغی کا بچہ انڈے سے نکلنے کے بعد اگر وہ مادہ ہے تو جوان ہو کر انڈے دے گی۔ عورتیں جب مرغی کو انڈوں پر بٹھاتی ہیں تو پورے اکیس دن اور اکیس راتیں مرغی انڈوں پر بیٹھتی ہے ممکن ہے یہ عورت گنتی گننے میں شبہ ہو جائے مگر مرغی کو پوری تاریخیں یاد رہتی ہیں۔ اکیس دن کے بعد اگر بالفرض انڈوں سے بچے نہ نکلیں تو انہیں چھوڑ کر باہر نکل آتی ہے۔ اس کے بعد جب مرغی بچوں کو دانہ چگاتی ہے اور اوپر سے چیل آجائے تو فوراً بچوں کو بلا کر پروں کے نیچے کر لیتی ہے۔ حالانکہ پہلی مرتبہ ہی تو اس نے انڈوں سے بچے نکالے ہیں اسے کس نے سمجھایا ہے کہ یہ چیل تیرے بچوں کی دشمن ہے انہیں اپنے پروں میں چھپالے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے مرغی کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے۔ اسے الہام طبعی کہا جاتا ہے۔

بخلاف انسان کے انسانوں کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایک انسان کے دل میں ایک تجویز ڈال دیتا ہے۔ اور دوسرے سب لوگ اسی کی تجویز کردہ صورت پر عمل کرتے ہیں۔ اور پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان مادی ضروریات کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے القاء ہونے میں ایمان شرط نہیں ہے۔ مادی دنیا کی اصطلاح میں یہ شخص بڑا باکمال سمجھا جاتا ہے مثلاً کسی نے ریل نکالی کسی نے ہوائی جہاز نکالا کسی نے ایٹم بم نکالا یہ لوگ بڑے باکمال اور قابل خیال کئے جاتے ہیں حالانکہ انسان کے لئے یہ کوئی اصلی کمال نہیں ہے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذی روح مخلوقات کی موٹی موٹی تین قسمیں ہیں۔ حیوانات، انسان، ملائکہ عظام۔ حیوانات اور ملائکہ عظام کے درمیان میں انسان کا مقام ہے۔ اور انسان ایک معجون مرکب ہے۔ اس کے اندر حیوانات کی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اور ملائکہ عظام کی صفت کا رنگ بھی اس کے اندر پایا جاتا ہے جب یہ کھانا کھاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مہذب اور ستھرا حیوان ہے۔ مثلاً حیوانات سرسوں کے پتے زمین میں ڈال کر کھا جاتے ہیں انسان وہی سرسوں کے پتے کھاتا ہے مگر کئی تدبیروں کے بعد۔ پہلے دھو کر مٹی صاف کرتا ہے پھر درانتی سے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے پھر ہانڈی میں ڈال کر پکاتا ہے پکانے کے وقت مزیدار بنانے کے لئے نمک مرچ اور گھی ڈالتا ہے پھر چینی کی پلیٹ میں ڈال کر کھاتا ہے۔ بہرحال

کھاتے تو سرسوں کے بیج۔ البتہ حیوان نے کترے کھاتے ہیں نے کترے کر کے کھانے والے یہ ملائکہ عظام کی صفات کا بھی حامل ہے۔ مثلاً اذان کی اذان سنتے ہی مسجد میں مل کر خدا یاد کرنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر اس ذکر الٰہی کی لذت میں اس قدر مخمور ہو جاتے ہیں کہ دنیا بھول جاتی ہے اور فقط اللہ کے نام پر نقل و حرکت ہوتی ہے۔ اور دل میں فرحت اور سرور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کر رہا ہوں۔

ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ پر چڑھ جائے۔ اور تنزل یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ سے اتر کر نچلے درجہ پر آ جائے۔ اگر انسان بہیمیت میں کوئی کمال پیدا کرے وہ درحقیقت انسانی کمال نہیں ہوگا مثلاً اگر یہ زیادہ سے زیادہ روٹیاں کھا کر ہضم کر لے عام انسان دو روٹیاں کھاتے ہیں اور ایک آدمی بیس روٹیاں کھا کر اور چار سیر دودھ پی کر اور دو سیر گوشت کے گوشتے کھا کر ہضم کر جاتا ہے یہ کوئی انسانی کمال نہیں ہوگا اونٹ یا ہاتھی کو اس سے دگنی غذا کھلا دیجئے وہ کھا کر ہضم بھی کر جائیں گے۔ یا مثلاً کوئی شخص عام انسانوں سے چار گنا زیادہ بوجھ اٹھا لے یہ کوئی انسانی کمال نہیں ہے اونٹ اور ہاتھی زیادہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں انسانی کمال وہ ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہو حیوان میں نہ پایا جائے۔

انسان کے ایسے کمالات جن کا تعلق فقط اس موجودہ فانی دنیا کے ساتھ ہے۔ ان کے کمالات کا فائدہ اس مادی دنیا ہی میں ہو سکتا ہے مثلاً کوئی انجینئر ہے کوئی ڈاکٹر ہے کوئی خوش الحان راگی ہے۔ کوئی لکڑی کے کام بہترین کاریگر ہے کوئی لوہے کی چیزیں بنانے کی مہارت تامہ رکھتا ہے۔ اگرچہ ظاہر بین نظروں میں یہ لوگ بھی باکمال ہیں مگر ان کمالات کی بقا اس فانی دنیا تک محدود ہے۔ جب مرے گا تو ان ناپائیدار کمالات کے سبب سے قبر میں کسی قسم کی رعایت نہیں دی جائے گی۔ اگر کوئی شخص انہیں کمالات کے حاصل کرنے میں محو رہا اور حاصل ہونے کے بعد انہیں کسب معاش کا ذریعہ بنایا روپیہ کمایا اور کھانے پینے میں دل کھول کر خرچ کیا اور بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کی نہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور نہ کمانے خرچ کرنے میں اس کی مرضی کی پرواہ کی۔ غرضیکہ دوسرے جہان کے آرام کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہ کی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ مادی کمالات تو ختم ہو جائیں گے اور روحانی کمالات حاصل نہیں کئے تھے۔ جو وہاں کے کام آتے اس

اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔

اس آیت میں اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور یہ آیت ۹ ذی الحج ۱۰ھ جمعہ کے دن عصر کے بعد نازل ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ حج کے دن عرفات کے میدان میں تشریف فرما تھے۔ سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین علیہ الصلوۃ والسلام اس کے بعد کل ۸۱ دن دنیا میں زندہ رہے ہیں۔

میرے معزز بھائیو! اصلی اور کھرا اسلام وہی ہے جو اس اعلان تک مکمل ہو چکا ہے اور قیامت تک اصلی اسلام یہی کہلائے گا اس کے بعد جو چیزیں نئی ایجاد کر کے اسلام کا جزو بنائی جائیں گی وہ اصل میں ملاوٹی اور کھوٹ ہو گا۔

ترمذی شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت پر بھی وہ دور آئے گا جس طرح بنی اسرائیل پر آیا تھا اور دونوں امتوں کے دور کو آپس میں ایسی پوری مناسبت ہوگی جس طرح جوتی کا ایک پاؤں دوسرے کے بالکل برابر ہوتا ہے یہاں تک (مطابقت ہوگی) کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے کھلم کھلا زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا آدمی ہوگا جو یہی کام کرے گا اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی سوائے ایک فرقے کے باقی سب دوزخ میں جائیں گے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ فرقہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

برادران اسلام! رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے آپ کو کھرے اسلام کی پہچان ہو گئی ہوگی کھرا اسلام فقط وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی جماعت کا ہو۔

اور اسی حدیث شریف سے آپ کو کھوٹے اسلام کی بہتات کا علم بھی ہو گیا ہے کہ کھوٹے اسلام بہتر (۷۲) قسم کے ہوں گے اور کھرے اسلام کی فقط ایک قسم ہو گی۔

اور اسی حدیث شریف سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ کھوٹے اسلام والے مسلمانوں کا ٹھکانہ بہشت نہیں بلکہ دوزخ ہے لہذا آپ کا فرض ہے کہ آپ دوسری ضروریات زندگی کی طرح ہمیشہ کھرے اسلام کی تلاش کریں اور کھوٹے اسلام کو اپنے دل و دماغ میں جگہ نہ دیں۔

یہ تو مسلمہ ہے کہ ایک ہی چیز کی کئی دکانیں ہوتی ہیں بعض دکان دار اپنی دکان میں کھری چیز

آٹھواں ملفوظ............................مسلمانوں کے لئے ایک نیک مشورہ

یہ صحیح ہے کہ بچوں کو تعلیم ضرور دینی چاہئے مگر جو طریقہ تعلیم موجودہ سکولوں اور کالجوں میں رائج ہے وہ برباد کن اور تباہی خیز ہے میں اپنا خیال مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اگر میرے مشورہ پر عمل کریں تو بچے تعلیم یافتہ بھی ہو جائیں گے اور اس تباہی سے بھی بچ جائیں گے علاوہ اس کے دنیا کا سب کچھ بھی سنور جائے گا وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں دو قسم کے آدمی ہیں ایک سرمایہ دار (سرمایہ دار خواہ نقد کی صورت میں ہو یا زرعی زمین کے بہت بڑے رقبے کے مالک ہوں۔ یا جائیداد بصورت مکانات ہو) دوسرے غیر سرمایہ دار جو کہ اپنے کسب ہی سے معاش حاصل کر کے گزر اوقات کرتے ہیں پہلی قسم کے مسلمان بے شک اپنے بچوں کو تعلیم جدید دلائیں تاکہ غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں حکومت کے کل پرزہ بننے کے لئے ان میں سے آدمی انتخاب کئے جائیں اور مسلمان انتخاب (الیکشن) کے وقت بیرسٹر کے مقابلہ میں بیرسٹر پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایل۔ ایل۔ بی کے مقابلہ میں ایل۔ ایل۔ بی۔ ایم۔ اے کے مقابلہ میں ایم۔ اے پیش کر سکیں تاکہ شطرنج سیاست پر کھیلنے والے مسلمان کھلاڑی کے پاس وہ تمام مہرے ہوں جو ایک غیر مسلم کھلاڑی کے پاس پائے جائیں اس سرمایہ دار طبقہ کے بچے تعلیم پڑھنے کے بعد اگر بیکار بھی ہو گئے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ سرمایہ داری کے باعث بیکار بیٹھ کر بھی گزر اوقات کر سکتے ہیں۔

البتہ اس سرمایہ دار بچوں کی تعلیم میں مذہبی تعلیم کا ہونا ضروری ہے مذہبی تعلیم کے لازمی ہونے سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ کالجوں میں مذہبی تعلیم پائیں نہیں بلکہ والدین انہیں ابتداء زمانہ تعلیم ہی سے مذہب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دلائیں مذہبی تعلیم کے لئے بھی۔ دنیاوی تعلیم کی طرح قابل اور مستند استاد تلاش کئے جائیں فقط تعلیم میں قابل ہونا کافی نہیں ہے بلکہ جن کے اندر عملی طور پر پابندی مذہب کا ذوق پایا جائے صلاحیت، سعادت، شرافت، حیا اور ایمان داری کے آثار ان میں نظر آئیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسے باعمل علماء کرام کی صحبت میں بچے تربیت پا کر پکے مسلمان ہوں گے اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہ ہوں گے وہ عزت کی کسی بلندی پر پہنچ کر بھی اسلام کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ جس طرح اسلامی تعلیم سے بے بہرہ مسلمان دنیاوی عزت و وجاہت کی

خاطر اسلام فروش اور مسلم کش ہو جاتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ مذکورالصدر طریقے کے تعلیم یافتہ نوجوان اسلام کو نہیں بیچیں گے۔ بلکہ ساری دنیا کی عزتوں اور خزانوں کو ہاتھ سے دے کر اسلام کا بچانا اپنا فرض منصبی خیال کریں گے۔

دوسری قسم یعنی غیر سرمایہ دار مسلمان کو اس جانی غیر برباد کن گراں قیمت تعلیم جدیدہ سے بچنے کی اشد ضرورت ہے ان کے بچوں کو اردو نوشت وخواند۔ تاریخ جغرافیہ اور ریاضی کی بقدر ضرورت تعلیم دی جائے تاکہ دنیاوی کاروبار میں انہیں دقت پیش نہ آئے اس کے علاوہ مذہبی تعلیم بھی اتنی دی جائے جس سے وہ توحید وشرک ایمان وکفر سنت وبدعت میں باسانی تمیز کر سکیں تاکہ وہ صحیح طور پر اسلام کو سمجھ سکیں اور کسی ملحد یا زندیق یا بدعتی کے پنجے میں پھنسنے نہ پائیں روٹی کما کر کھائیں اور دنیا سے ایمان بچا کر لے جائیں۔

اس قسم کی تعلیم دینے کے بعد بچوں کو کسی کاروباری زندگی میں داخل کر دیا جائے انہیں تجارت سکھائیں یا صنعت وحرفت سکھائیں جس شخص کے لئے جو راستہ آسان ہو وہی اختیار کرے تاکہ وہ جوان ہونے کے بعد سچے مسلمان بھی ہوں اور روٹی بھی کما کر کھائیں۔

نواں ملفوظ..........................کامیابی کے راز کو سمجھ لیجئے

برادران اسلام! دنیا میں رہنے والوں کی اصطلاح میں خوش نصیب اور کامیاب کے اور معنی ہیں۔ اور نظام آخرت کے نقطہ نظر میں انہی دونوں لفظوں کے معنی کچھ اور ہیں۔ دنیا تو فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی اصطلاح میں خوش نصیب کامیاب اور بامراد فرمائے آمین۔

چنانچہ انسان جس کام کو جس مقصد کے لئے کرے اگر وہ پورا ہو جائے تو انسان کامیاب اور خوش نصیب ہوگا اور وہ مقصد حل نہ ہو تو انسان کی کوشش رائیگاں ہوگی اور وہ انسان ناکام اور بدنصیب خیال کیا جائے گا۔ یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز کے بنانے کی غرض اس کے بنانے والے سے ہی دریافت کی جاسکتی ہے اور بنانے والے کی غرض کے لحاظ سے ہی ہر چیز کے اچھے یا برے ہونے کا اندازہ کیا جاتا ہے اگر وہ غرض اس چیز سے پوری ہوگئی تو وہ چیز اچھی ہے ورنہ بری ہوگی اگر وہ غرض

ملفوظات نمبر ۲

از محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

پہلا ملفوظ.............................اسلام کی تشریح جاننا ضروری ہے

عربی لغت میں اسلام کے معنی ہیں سونپنا سپرد کرنا، یہاں یہ لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ جو شخص حلقہ بگوش اسلام ہوگیا اس نے اپنی جان و مال وقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ جب ان تین چیزوں میں سے جس کا مطالبہ ہوگا تو حاضر ہوگا۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم میں متعدد آیتیں ہیں، ایک جامع ترین آیت کا مفہوم ہے کہ صاف اعلان ہوگیا کہ باپ، بیٹے، بیویاں قبیلہ مال و تجارت مکانات۔ ان سب چیزوں کی محبت اللہ اور رسول کی محبت میں حائل نہیں ہونا چاہئے، بوقت ضرورت ان سب کو اللہ اور رسول کے لئے چھوڑا جاسکتا ہے۔

اب دین اسلام و دین محمد ﷺ کا نام ہے۔ اس دین اسلام کو آخری نعمت کہا گیا ہے۔ اور اس کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ عجیب و غریب آیت کریمہ ایک بشارت عظیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم محیط تھا، اس کے علم ازلی میں یہ بات موجود تھی کہ قیامت تک کے آنے والے نسلوں میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی اور معاشرے کی اصلاح کس کس طرح ہوگی۔ اور حق تعالیٰ کی قدرت بھی کامل تھی کہ قیامت تک معاشرے میں پیدا ہونے والے امراض کے لئے ایک جامع ترین و کامل ترین نسخہ شفا اتارے جب علم بھی محیط ہے اور قدرت بھی کامل ہے اس علم و قدرت کے مطابق "دین اسلام" نسخہ اس کائنات کے لئے تجویز ہوا اور نازل فرمایا۔ انسانی عقول و ادراکات سے بالاتر چیز ہے کہ جس ہستی نے انسان کی تخلیق کی ہو اس کی نفسیات سے زیادہ باخبر اور کون ہوسکتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم آخری ربانی پیغام ہدایت ہے جو نسل انسانی کو دی گئی اور حضرت خاتم الانبیاء آخری

رسول و نبی ہیں جو قیامت تک کی امتوں و نسلوں کی رہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہیں اب نہ کوئی اور کتاب آئے گی اور نہ کوئی اور رسول و نبی۔ پس دین اسلام کامل و مکمل ہو چکا ہے اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سارے شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ یہ نظام چند عقول کی پیداوار نہیں جن کا دائرہ محدود ہے بلکہ یہ خالق العقول کی طرف سے آیا ہے۔

دوسرا ملفوظ .... اسلام ہی نے انسان کو صحیح مقام دیا ہے

ساری دنیا کا محور آج کل پیٹ کا مسئلہ ہے اسلام نے پیٹ کے مسئلہ کو حل کیا ہے لیکن اس کے پس منظر میں انسان کو شیطان سے اور جانوروں سے ممتاز کرنے کی غرض سے ایک مستقل نظام روحانیت یعنی عقائد و عبادات، اعمال صالحہ، اخلاق فاضلہ کو محفوظ رکھا ہے اس کے برعکس امریکہ نے زراندوزی اور عیش کوشی کو ہی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے روس اور چین نے پیٹ کے مسئلہ کو جیسا تیسا حل کیا لیکن انسان کو جانور بنا کر ساری انسانی حرمت اور توقیر چھین لی اور تمام اخلاقی، روحانی اقدار کو پامال کر کے رہا۔ معاذ اللہ اسلام ہی وہ دین کامل ہے جس نے انسان کا صحیح مقام اس دنیا میں متعین کیا اور اس کو وہ نظام حیات دیا ہے جو اس کے شایان شان ہے اسلام میں صرف روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ جانوروں کا نعرہ تو ہو سکتا ہے انسان کا نعرہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اسلام میں کسی بھی ازم کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ کیپٹل ازم کی نہ سوشلزم کی نہ نیشنلزم کی۔

آج ہمارے ملک میں جو مشکلات ہیں وہ معاذ اللہ اسلام کی پیدا کردہ ہرگز نہیں ہیں، بلکہ لوگوں نے اسلامی نظام جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا تھا اس کو پس پشت ڈال کر اور مغربی سرمایہ داری نظام کو اپنا کر یہ مشکلات خود پیدا کی ہیں۔ اس ملک میں اسلام کو ایک دن بھی اپنا معاشی نظام جاری کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اگر اسلام کے معاشی نظام کو یہاں جاری کیا جاتا تو اس کا امکان ہی نہیں تھا کہ ملک کی معاشی حالت اس درجہ پر پہنچتی اور یہ سوشلزم کے کافرانہ نعرے بلند ہوتے۔

پھر ان سب نعروں میں سب سے زیادہ دلچسپ یا تکلیف دہ نعرہ اسلامی سوشلزم کا ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کہا جائے "اسلامی دہریت" "اسلامی لادینی" "اسلامی شریعت" "اسلامی قحبہ خانہ"۔ بلکہ میرے نزدیک اسلامی سوشلزم اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس

ان حسنوں کا تو خیال بھی کسی دل میں نہ گزرا ہوگا۔

چھٹا ملفوظ .... اسلام کی دعوت پر مسلمان کا فریضہ

آپ طالب علمی اور جوانی میں وہ خدمت کر سکتے ہیں جو بوڑھے نہیں کر سکتے ہیں جو بوڑھے نہیں کر سکتے، اسلام ایک دعوت اور پیغام ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے الا فلیبلغ الشاهد الغائب: یعنی ہر موجود شخص دین کا پیغام غیر موجود لوگوں میں پہنچائے تو آپ کے ذمہ بھی ایک فرض عائد ہوتا ہے، اسلام کو پہنچانے کا۔ آج اسلام کو خطرہ کے سیلابوں کا سامنا ہے جس کا بڑا سبب مغرب کی طاغوتی طاقتیں ہیں، دراصل اہل مغرب نے صلیبی جنگوں سے یہ اندازہ اچھی طرح کر لیا تھا کہ ہم مسلمانوں کو قوت شمشیر اور زور بازو سے شکست نہیں دے سکتے اس لئے انہوں نے اسلام کے خلاف ذہنی جنگ شروع کی تاکہ مسلمانوں کو اسلام کی نعمت سے محروم کر دیا جائے، ان کی یہ کوششیں، جو کئی صدی پہلے شروع کی گئی تھیں، آج اپنے شباب پر ہیں، آج ان کے پاس طاقت ہے، وسائل ہیں، سب بے پناہ ذرائع ہیں، آج ان کا نقشہ ٹھیک وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا بیان فرمایا تھا:

رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ

ترجمہ: اے پروردگار آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی میں بے حد مال و دولت اور زینت و آرائش دی ہے اے پروردگار اس کے نتیجے میں وہ بجائے شکر کے تیرے بندوں کو گمراہ کر رہے ہیں اے پروردگار ان کے مالوں کو ملیامیٹ کر دے۔

وہ خود یہ مانتے ہیں کہ وہ جس زندگی میں جیتا ہیں وہ بدترین اور تباہ کن زندگی ہے، وہ دنیا ہی میں جہنم کی زندگی میں جیتا ہیں، مجھے کراچی کے ایک دوست نے جو انگلینڈ سے آئے تھے، بتایا کہ وہاں ایک شخص بڑا مالدار تھا۔ اس نے اپنے والدین کو ملازم رکھ چھوڑا تھا، وہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ جب میں دوسروں کو ملازم رکھتا ہوں تو اپنے ماں باپ کو کیوں نہ ملازم رکھوں، ایسے ہی تہذیب و تمدن، انسانیت ختم، محبت و شفقت جو جانوروں میں جو شفقت پائی جاتی ہے وہ بھی انسانوں میں مفقود

ہے، وہ خود بھی فواحش، منکرات اور عریانیوں میں غرق ہیں چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی غرق کر دیں، افسوس ہے کہ ہم اسی بدترین زندگی کو اپنا کر ان کے نقش قدم پر جا رہے ہیں۔

بہرحال اسلام کے دشمن رات دن اسی فکر میں ہیں کہ کس طرح اسلام کی برکات سے ہمیں محروم کر دیں، تو جب تک ہمارے نوجوان، طالب علم، پروفیسر، تاجر، کسان غرضیکہ ہم سب مل کر اپنے دین کو بچانے کی فکر نہیں کریں گے اس وقت تک بے دینی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا ممکن نہیں ہوگا، اس سیلاب کو روکنا کسی مخصوص طبقے کے بس کا کام نہیں، البتہ اتنا ہو جائے گا کہ یہ لوگ اپنے دین کو بچا لیں، لیکن جس عالمگیر پیمانے پر بے دینی کا سیلاب آیا ہے، جب تک اسی پیمانے پر اسے روکنے کے لئے محنت نہیں کی جائے گی اس وقت تک یہ نہیں رکے گا۔

ساتواں ملفوظ.....................انسانی زندگی کے مقصد کو سمجھئے

انسان کی زندگی ایک مقصد سے وابستہ ہے، اگر وہ مقصد پیش نظر ہے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ ہم اس کے مکلف ہیں کہ ہم منزل مقصود کو پہچانیں، اور صحیح رہنمائی میں وہاں تک پہنچنے کی امکانی کوشش کریں، وہاں تک پہنچنا ہمارا کام نہیں بلکہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اگر ہم زندگی میں منزل مقصود تک پہنچنے میں بظاہر ناکام بھی رہے ہوں تب بھی ان شاء اللہ کامیاب ہیں، دیکھئے دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا کم و بیش) پیغمبر تشریف لائے، ہم انہیں "پیغمبر" کہتے ہیں اس کی حقیقت پہچان ہی نہیں سکتے، نہ "پیغمبر" "مصلح" "ریفارمر" جیسے کسی لفظ سے اس حقیقت کو ادا کیا جا سکتا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی بلندی اور حقیقت نبوت کی طرف رہنمائی سے ہمارے الفاظ قاصر اور ناتمام ہیں، ہماری کسی زبان میں۔ خواہ انگریزی ہو یا اردو، پشتو ہو یا فارسی، کوئی لفظ نہیں اور نہ اس کی گنجائش ہے، جو "نبی و رسول" اور "نبوت و رسالت" کے مفہوم کو ٹھیک ٹھیک ادا کر دے، تفصیلات سے قطع نظر میں یہاں اس کی طرف مختصر اشارہ کرتا ہوں۔ لغت عرب میں "نبی" کے معنی ہیں "خبر دینے والی شخصیت" لیکن شریعت نے جس منزلت کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ رب العالمین جل ذکرہ نے ازل سے اس کو اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ بنانے کے لئے منتخب فرمایا ہو، قدرت اس کی پرورش کر رہی ہو، "و لتصنع

تک رہ کے بعد ہم بہر حال کامیاب ہیں، یہی ہمارا مقصد ہے۔

آٹھواں ملفوظ.............................دنیا کی حقیقت کو سمجھئے

میرا مقصد اس دنیا کی حقیقت سمجھانا ہے، دیکھئے! اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ کی یہ زندگی کچھ نہیں، بلکہ اس کے بعد جو زندگی آئے گی وہی اصل زندگی ہوگی تو ممکن ہے کہنے والے کو بیوقوف کہا جائے کہ ہم تو اس زندگی میں کھاتے پیتے ہیں، شادی بیاہ کرتے ہیں، اولاد پیدا کرتے ہیں، جوان ہوتے ہیں، قتل وقتال اور رزم و بزم کے ہنگامے برپا کرتے ہیں، نظم مملکت چلاتے ہیں طرح طرح کے عجائب کا انکشاف کرتے ہیں۔ اور تم کہتے ہو "یہ کچھ نہیں" میں عرض کرتا ہوں، یہ تمہاری زندگی تھیٹر اور سینما کی مثال ہے، تم سینما کے پردوں پر پاکستان، ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ الغرض سارے جہاں کی چیزیں دیکھتے ہو، اس کے بنانے پر کروڑوں روپے صرف کئے جاتے ہیں کتنے ہی لوگ اس پر روپیہ پیسہ برباد کرتے ہیں، امیر و غریب شاہ و گدا، اور مفکر و عقلمند ان سب ہی یہ تماشہ دیکھنے کے لئے جاتے ہیں، تو یہ سینما کیا ہے؟ خالی پردہ ہے جس کیلئے دین بھی غارت کیا جاتا ہے۔ اور اخلاق بھی۔ مال بھی برباد کیا جاتا ہے۔ اور قیمتی وقت بھی، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس کے مناظر نقش ونگار اور آوازیں سب مصنوعی ہیں، ان کی حقیقت کچھ نہیں اب مخبر صادق ﷺ یہ بتلاتے ہیں کہ تمہاری یہ زندگی بھی خود ایک تماشہ ہے اور جب مرو گے تو پتہ چلے گا۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ:

تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو لعب (کھیل تماشا) اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکہ کا سامان ہے۔

نواں ملفوظ.............................ابدی زندگی کے لئے تیاری کیجئے

اگر آپ کو یقین ہے اس ابدی زندگی پر تو دیکھنا یہ ہے کہ آپ اس کے لئے تیاری کیا

کرتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ دنیا منصب حاصل نہ کرو یہاں کی ترقی سے کنارہ کش ہو جاؤ اس کے لئے محنتیں نہ کرو نہیں! جو جائز ہے سب کچھ کرو خوب کرو محنت سے کرو لیکن اسے وسیلہ سمجھو مقصد نہ بناؤ، کیونکہ زندگی میں کھانا بھی ہوگا اور جو بھی اس زندگی بسر کرنے کے لوازمات ہیں سب درکار ہوں گے مگر سب بقدرِ ضرورت اور وقتی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پشاور سے کراچی کا سفر کرے تو دو تین دن کا سفر ہے اس کے لئے کھانے ناشتے کا انتظام اور بیٹھنے کے کپڑے سونے کے لئے بستر جگہ (سیٹ) وغیرہ کا انتظام اور خرچ کے لئے جیب میں کچھ پیسے سب ہی ضروری ہیں لیکن نہ یہ سفر بذات خود مقصد ہے نہ اس کے لوازمات نہ کوئی درمیانی ویٹنگ روم (انتظارگاہ) آخری منزل ہے۔ اب اگر وہ مسافر کسی ویٹنگ روم کی سج دھج کو دیکھ کر وہیں بیٹھا مزے لیتا رہا۔ اور گاڑی نکل جائے تو اس کو آپ احمق اور بیوقوف کہیں گے یا نہیں؟ بس اس سے بھی بڑھ کر بیوقوف وہ شخص ہوگا جو دنیا کے ویٹنگ روم کے تماشے میں کھو کر اسی کو مقصد بنالے اور اس کی لطف اندوزیوں میں منزل مقصود کو بھول جائے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو دنیاوی وسائل بھی دیئے ہیں اور عقل وشعور بھی دیا اگر آپ آخرت کو مقصد بنالیں تو یہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں بھی آخرت بن جائیں گی، مثلاً جہاد کے لئے تلوار بنائی جائے تو یہ ساری محنت باعث اجر ہوگی، اور اگر اسی تلوار کو قتل تعدی کے لئے بنایا جائے تو موجب جرم وعذاب ہوگی، تو مقصد آخرت کو بنا کر اس کی خاطر دنیا میں جو بھی کام اور جو محنت کرو گے وہ سب آخرت میں شمار ہوں گی، اور اگر دنیا ہی کو مقصد بنالیا تو آخرت کے کام بھی دنیا بن جائیں گے۔

دسواں ملفوظ .... دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت

عرصہ دراز سے امت محمدیہ سے دعوت الی اللہ میں قابل حسرت کوتاہی ہو رہی ہے دعوت وہدایت دین اسلام کا اساسی اصول ہے جب دعوت ناکام ہو اور اس کی اشاعت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں تو جہاد وقتال کی نوبت آتی ہے۔ قرون اولیٰ کے سلف صالحین گفتار سے زیادہ کردار سے یہ دعوت پیش کرتے رہے قوت بیان سے پہلے اخلاقی وایمانی قوت سے دعوت دیتے

رہے۔ حضرت بلال سر سے پیر تک اسلامی اخوت، اسلامی مساوات اور اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ دنیا میں اسلام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے دینی حسن وجمال اور حسن اخلاق کے کمال سے پھیلا ہے تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ صاحب انصاف اور صاحب عقل وبصیرت مؤرخ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

اگر مسلمان اس اہم فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا مگر یہ مصرع تو حق تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم دنیا کے مزاج میں غرور اسلام کے اعتراف سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہے وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیرپا اسلام وہی رہا جو دعوت وارشاد کے راستوں سے پھیلا ہے۔ اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حضرات صحابہؓ کے عہد میمون میں جو ممالک اسلام کے زیر نگیں آئے وہ آج تک اسلام پر قائم ہیں اور بعد میں سلاطین اسلام کی تلوار سے جو مسلمان ہوئے وہ کچھ عرصہ کے بعد پھر سے اسلام سے نکلتے جا رہے ہیں۔ نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرون اولیٰ کے مفتوحہ ممالک میں عقائد کی پختگی آج بھی باقی ہے اگرچہ اعمال واخلاق میں یورپ کی نقل کا رنگ غالب ہے اس کے برخلاف جو ممالک سلاطین اسلام اور ملوک اسلام کے زور تلوار سے فتح ہوئے ہیں ان میں عقائد کی خرابی واضح ہے۔ اگرچہ یہاں اعمال ظاہری میں بظاہر پختگی بھی نظر آئے تو کریدنے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہو چکا ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہو جاتا ہے۔ دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص نمایاں تھا انہوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے کہ لتکون کلمة الله هي العليا تاکہ صرف حق تعالیٰ کا دین غالب ہو اس لئے فتوحات کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا بلکہ ملوکیت اور شان وشوکت کی آمیزش تھی اس لئے وہ دینی مطلب حاصل نہ ہو سکا کہنا یہ تھا کہ دعوت وارشاد میں امت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے اسی تقصیر کا نتیجہ ہے۔

حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی روح پر جنہوں نے مسلمانوں کو بھولا سبق یاد دلایا اور اس سبق یاد دلانے میں ہی فنا ہو گئے۔ اگر کوئی قومی اتفاقی

الرسول اور فنا فی الشیخ کے مظاہر کو دیکھنا چاہتا ہے تو حضرت مرحوم کو دیکھے کہ کس طرح فنا فی التبلیغ ہو گئے تھے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے بس یہی فکر دامن گیر تھی تمام زندگی اور تمام افکار وخیالات بس اسی مقصد کے لئے وقف تھے حق تعالیٰ نے ان کی جانفشانی وقربانی ایثار واخلاص اور جدوجہد کو قبول فرمایا اور چار دانگ عالم میں اس کے ثمرات وبرکات پھیل گئے۔

شاید روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہا ہوگا جہاں ان کی جماعت کے قدم نہ پہنچے ہوں۔ سنو لینڈ وانجیر سے لے کر چین وجاپان تک ان قافلوں کی دعوت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریق دعوت سے مشابہت رکھتی ہے اس کا انتظار نہیں کرتے کہ لوگ خود آئیں گے اور دین سیکھیں گے بلکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں چل پھر کر اور گھر گھر لوگوں کے پاس پہنچ کر دعوت دی جاتی ہے اور زبان سے احسن اخلاق سے اور اپنے طرز عمل سے دعوت دی جاتی ہے سر سے پیر تک اسلامی مجسمہ بن کر اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے اس کا اثر یقینی ہوتا ہے۔

آج امت تقریر وتحریر کی محتاج نہیں یہ بہت کچھ ہو چکا ہے ضرورت عملی نمونہ پیش کرنے کی ہے فصاحت وبلاغت کا دریا امت بہا چکی ہے لیکن آج صرف سادہ عملی دعوت کی ضرورت ہے الحمدللہ کہ آج تبلیغی جماعت اس پر عمل پیرا ہے بہرحال طبیب خود مریض کے پاس جاتا ہے اس کا انتظار نہیں کرتا کہ طبیب مریض کے پاس پہنچے تو علاج ہو اگر یہ طریقہ عام ہو جائے اور امت کی اکثریت یا کم از کم بڑی کثرت اس مقصد کو شروع کر دے تو توقع ہو سکتی ہے کہ امت کو نجات مل جائے اور بیڑا پار ہو جائے۔

(تحفہ زمزم از حضرت مولانا یوسف مدنی)

ملفوظات نمبر ۷

از مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

پہلا ملفوظ.................اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے

اللہ تعالیٰ کے ہم پر بہت سارے انعامات ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ جو انعامات اور احسانات کی جڑ ہے، وہ زندگی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا، اگر وہ نہ بھیجتا اور ہم اس دنیا میں نہ آتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، نہ ہدایت ہوتی نہ اللہ کے رسول کی اطاعت ہوتی، نہ مدرسے قائم ہوتے، نہ قرآن مجید حفظ کیا جاتا، نہ دین کی تعلیم حاصل کرتے، نہ اللہ کا قرب حاصل کرتے نہ حج کرتے، نہ زکوٰۃ دیتے، دیکھئے جب آدمی کسی جگہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو خیال آتا ہے کہ یہ ہمارا کمال ہے اور یہ ہماری محنت، ہماری بصیرت، ہماری ذہانت ہے اور ہماری جفاکشی ہے، ہماری خوش قسمتی ہے، یہ سب خیالات آدمی کو آتے ہیں لیکن لوگ جنت میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی ھدانا، سب شکر ہے اللہ کا یہاں اپنی ذہانتوں اپنی مجاہدوں اور ریاضتوں اور اپنے مطالعے سے نہیں پہنچے اس لئے کہ دنیا کو ہم دیکھ رہے ہیں دنیا والوں کے پاس سب چیزیں موجود ہیں، روس اور امریکہ والوں کے پاس کیا کچھ نہیں ہے علم نہیں ہے؟ ذہانت نہیں ہے؟ کمالات نہیں ہیں؟ ایجادات نہیں ہیں؟ تجربے نہیں ہیں؟ بڑے بڑے ماہرین فن نہیں ہیں لیکن ہدایت سب کو نصیب نہیں، ہدایت بھی ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن کو کوئی ایسا ہدایت والا مل جاتا ہے اور اللہ ہی ان کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو یہ پورا جملہ بالکل ایک معجزہ ہے جو اللہ نے کہلوایا ہے، اللہ نے اس کو قرآن مجید میں اس لئے جگہ دی ہے، جو بات اہل جنت، جنت میں پہنچ کر کہیں گے اللہ نے وہ بھی اپنے کلام میں داخل کر دیا اسے سکھانے کے لئے، پہلی بات یہ ہے کہ ہم اسے سمجھیں یہ سب

اللہ کا احسان ہے۔

دوسرا ملفوظ .... آخرت کی فکر کیجئے

آخرت اس کا تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے، ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہو اس سے آپ کہئے جو ابھی پیدا نہ ہوا ہو اس سے اگر کوئی بات کر سکیں، اور وہ بات سمجھ سکتا ہو تو اس سے کہے کہ بیٹا! جب تم دنیا میں آؤ گے تو بڑا وسیع میدان ہوگا، ہزاروں میل کا، وہاں باہر ہوائیں چل رہی ہوں گی اور بادل برسے گا، وہاں پر ریلیں چلتی ہیں اور وہ بچہ بیچارہ ماں کے پیٹ میں کیا سمجھے کہ ریل کیا بلا ہوتی ہے، انجن کا ہے پر چلتی ہے اور کشتی تیرتی ہے، اور ہوائی جہاز اڑتے ہیں، بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اور یہ اس سے کہہ رہا ہے کہ ابھی وقت آنے والا ہے کہ ہوائی جہاز میں بیٹھو گے، بالکل ایسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر آخرت کا معاملہ ہے۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ہے اور اس کی مصلحت ہے کہ اتنا بھی ہماری سمجھ میں آیا، ورنہ ہماری سمجھ میں آنے والی بات ہی نہیں ہے کہ اس زندگی کے بعد کی زندگی میں کیا ہوگا، کیا ملے گا، وہ کتنی وسیع ہوگی، "عرضها السموات والارض" اس کی وسعت میں زمین و آسمان ایسے ہیں جیسے سمندر میں کوئی انگوٹھی کا چھلا ڈال دے، پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کہاں گیا؟ تو ایسے ہی یہ ساری دنیا حدیث میں آتا ہے "موضع سوط فی الجنة خیر من الدنیا وما فیها" ایک کوڑا رکھنے کی (چابک رکھنے کی) جگہ اگر رکھنے کی جگہ ساری دنیا سے وسیع ہے تو اس آخرت کا تو کیا کوئی تصور کر سکتا ہے اور پھر آخری بات یہ ہے کہ "ورضوان من اللہ اکبر" اللہ کی رضا کہ جب بندوں کو معلوم ہوگا، جنت میں اللہ راضی ہو، میرا بندہ یہاں راضی ہے، اب مجھ سے خوشی ہے، اب ناراضگی کا کوئی خطرہ نہیں، اس کی لذت کو، اس کی عزت کو تو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، تو دین کا اصل مقصود ہے اس آخرت میں کامیاب کرانا، اس آخرت کے عذاب سے بچانا، اچھی طرح سمجھ لیجئے اس آخرت کا عیش نصیب کرنا، اس آخرت میں زندگی دوام، ہمیشہ رہنے والی کبھی فنا نہ ہونے والی زندگی عطا کرتا ہے۔

تیسرا ملفوظ .... انسان کی اصل ضرورت

انسانیت کو آج ایمان ویقین، سچائی اور پاکیزگی، محبت ومروت اور ہمدردی، غمخواری کی

ہے تو نماز نہیں۔ کہیں نماز روزہ دونوں ہیں تو زکوٰۃ نہیں۔ اور کہیں نماز روزہ زکوٰۃ ہے تو حج نہیں اور کہیں یہ چاروں چیزیں ہیں تو آپس میں جو حقوق ہیں مسلمانوں کے جن کا ادا کرنا ضروری ہے ان کا ذکر نہیں۔ گھر گھر یا چاچی بھائی بھائی کے خون کا پیاسا، اس کی عزت و آبرو کے درپے کہیں جعلی مقدمہ۔ کہیں افیون رکھوادی، کہیں چرس اور بھنگ رکھوادی، کہیں کوکین رکھوادی پکڑوادیا۔ یہ مسلمانوں کی بستیوں میں ہو رہا ہے۔ یاد رکھئے! اللہ کا رسول ﷺ جو کہتا ہے کہ اس میں آرام ہے، اس میں راحت ہے، اس میں عزت ہے، اس کو نہیں اختیار کریں گے۔ بھلا بتائیے! اس ناقدری کی بھی کوئی حد ہے کہ اگر کوئی حکیم کہہ دے، ڈاکٹر کہہ دے، کوئی غیر مسلم اسپورٹ کہہ دے، کوئی سیاسی لیڈر کہہ دے، کہ دیکھو یہ کرو تو کرنے کے لئے تیار، ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لئے تیار لیکن اللہ کا محبوب رسول اللہ ﷺ یہ کہتا ہے کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے، اس میں تمہارا نقصان ہے، اس کو نہیں مانیں گے۔

ساتواں ملفوظ.............................دل کی اصلاح کرنا ضروری ہے

یاد رکھئے! انسانیت کے مسائل، و مشکلات کا حل نہ لباس کی یکسانی ہے، نہ زبان اور تہذیب کا اشتراک، نہ ملک و وطن کی وحدت، نہ علم و دولت، نہ تہذیب و تنظیم، نہ وسائل و ذرائع کی کثرت، ان سب میں کوئی ایک بھی ایسی طاقت نہیں جو دنیا کو بدل دے۔ جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی، پوری دنیا کی باگ ڈور دل کے ہاتھ ہے، زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑتا ہے۔ یہیں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔ پیغمبر یہیں سے اپنا کام شروع کرتے ہیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سب دل کا قصور ہے، انسان کا دل بگڑ گیا، اس کے اندر چوری، ظلم، وغارت گری کا جذبہ اور جنون پیدا ہو گیا ہے، اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے جو ہر وقت اس کو نچا رہا ہے، اور وہ بچے کی طرح اس کے اشارے پر حرکت کر رہا ہے پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہو گیا ہے، اس لئے سب سے ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے اور اس کے رخ کو موڑا جائے۔

آٹھواں ملفوظ..................آج انسانیت کو سچے درد کی ضرورت ہے

آج کس چیز کی احتیاج ہے؟ کیا چیز دنیا سے کھو گئی ہے؟ خدا کے لئے غور کیجئے، کیا چیز اس وقت دنیا کے ہاتھ میں نہیں ہے؟ نیک ارادہ نہیں، انسان کی قدر نہیں، انسانیت کی فکر نہیں، خطرات ہمارے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ ان کی کسی کو پرواہ نہیں، اپنی اپنی تو فکر ہے، لیکن کسی کو عام انسانیت کی فکر نہیں، اگر تیسری جنگ عظیم چھڑ گئی اور یہ ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم چلا دئے گئے تو دنیا کا کیا حشر ہوگا؟ باتیں تو اس کی بہت کی جارہی ہیں، چرچے تو اس کے ہر طرف ہیں، لیکن کسی کو اس کا سچا درد نہیں ہے، اور جو لوگ کچھ کر سکتے ہیں، اور انسانیت کو بچا سکتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ان وسائل کی تیاری ہی میں منہمک ہیں، یہ سمجھ لیجئے کہ نئی جنگ کے لئے ساری قومیں اور دنیا کی ساری طاقتیں پر تول رہی ہیں، اور ساری دنیا میں جو چھو ریس ہے وہ اسی کی ہے، کسی کو بدی سے نفرت نہیں، کسی کو انسان کی تباہی کا غم نہیں، جو حقیقی دکھ اور صدمہ ہونا چاہئے، جیسے باپ کو اولاد کا صدمہ ہوتا ہے، بھائی کو بھائی کا صدمہ ہوتا ہے، وہ صدمہ کسی کو نہیں، صرف زبانی باتیں ہیں، امریکہ سے لے کر آپ ایشیا کے آخری سرے تک چلے جائیے آپ کو ہر جگہ باتیں ملیں گی، لیکن اس کے اندر درد مفقود ہے، جو درد کراہ اور تڑپ ہوتی ہے، وہ کسی میں آپ نہیں پائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل معاملہ ہے انسان کا، اور انسان کا بھی جو کچھ معاملہ ہے، وہ اس کے دل کا ہے، اور دل کا جو کچھ بھی معاملہ ہے وہ اس کے نیک ارادوں کا ہے، اگر یہ چیز پیدا ہو جائے۔ یعنی نیک ارادے پیدا ہونے لگیں تو پھر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، یہ وسائل کا تو صرف نام ہی نام ہے، وسائل تو انسانی ارادوں کے تابع ہیں، جن کو خدا کی دی ہوئی طاقت سے انسان خود پیدا کرتا ہے۔

نواں ملفوظ..................احکام اسلام پر ہی چلنا چاہئے

میرے بھائیو! ہم تمام چیزوں میں اللہ کے بندے ہیں، ہمیں احکام اسلام پر چلنا چاہئے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں دیگر مسلمانوں کی بھی فکر رکھنی چاہئے۔ اسلام کے غلبہ کے لئے ہم دعا کریں، فکر کریں، کوشش کریں، یہ نہیں کہ ہم تو بڑے عابد و زاہد، اپنی ذات سے ہم بڑے دیندار شریعت کے پابند، لیکن اسلام کس طرف جا رہا ہے۔ مسلمان کس طرف جا رہے ہیں، اس وقت

اسلام پر کیا گزر رہا ہے؟ اور کیا مسائل مسلمانوں کو درپیش ہیں؟ کن کن ملکوں میں اسلام پر ادبار آ پڑا ہے؟ کن کن ملکوں میں اسلام آزمائش کے دور سے گزر رہا ہے۔ اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ حالانکہ من لم یھتم بامر المسلمین فلیس منھم جس کو مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو وہ مسلمان نہیں اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ سارے مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اگر کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارے جسم پر بخار چڑھ آئے سارے جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہو!

دسواں ملفوظ .... کھوئے ہوئے دل کو تلاش کیجئے

تم نے دل کی دنیا میں یقین کھویا تم نے دل کی دنیا میں انسان کی محبت کھوئی تم نے دل کی دنیا میں ایمان کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان پر اعتماد کھویا، تم نے دل کی دنیا میں خدا کی محبت کھوئی، اب تم اس کو باہر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی کانفرنسوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی پارٹیوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو یونیورسٹیوں کے ایوانوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو کتب خانوں کے گوشوں میں تلاش کر رہے ہو، خدا کا قانون ہے، خدا کی غیرت کا فیصلہ ہے کہ جو چیز جہاں کھوئی ہے وہیں ملے گی، یہ کھوئی ہوئی چیز جسے تم نے دل میں کھویا ہے اور تم جانتے ہو کہ تم نے کھویا ہے، تمہیں یاد ہے وہ دن جس دن تم نے کھویا تھا، تمہیں وہ گھڑی یاد ہے جس گھڑی تم نے اس کو کھویا تھا، وہ چیز جب گری تھی، اس کی آواز آئی تھی، شیشہ گرتا ہے تو اس کی جھنک پیدا ہوتی ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ریت میں گر کر کھوئی ہو اور آواز نہ آئی ہو، اس کی رسید آئی، اس نے اعلان کیا کہ میں جا رہی ہوں، ایمان جب کھویا تم کو معلوم ہے اس کی صدائے بازگشت تمہارے کانوں میں آئی، محبت جب کھوئی تو اس کی آواز آئی، اس نے پکارا، اس نے تم کو دہائی دی کہ میں جا رہی ہوں، انسانیت کا دامن جب تم سے چھوٹا تو تم کو احساس ہوا اور دیکھنے والوں نے بتایا تم سے کس کی ان بن ہو گئی، یورپ کے دانا و بینا پہلے اول جنگ عظیم کے وقت ایک شور مچا رکھا تھا، ان کی گھنٹیاں بج رہی تھیں، ایسے نقارے بجا رہے تھے، ایسے جنگ کے گھنٹے بجا رہے تھے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کی عطا کی ہوئی چیز کھوئی تھی اور زمین پر گر کر اس نے آواز دی تھی تو تم نے اس کی آواز سنی تھی، لیکن مسلمان تم کو پتا ہے کہ وہ چیز تم نے کہاں کھوئی؟

ڈھونڈنے والوں کو وہیں ملے گی آب حیواں کا چشمہ وہیں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے، ہزار ظلمتوں کی جستجو کی راوی و چناب کی اور گنگا و جمنا کی نہیں آب حیواں کا چشمہ تاریکیوں میں ملے گا انہی تاریکیوں میں جانا پڑے گا، پہلے تاریکیاں پیدا ہوں گی پھر آب حیواں کا چشمہ ملے گا۔ اب دنیا کا کوئی علاج نہیں، سننے والے ہی نہیں لکھنے والے لکھتے ہیں پڑھنے والے پڑھ لیتے ہیں کہ اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے۔ علاج صرف یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا جائے اور پھر وہ چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دین کی کھوئی ہوئی چیز ملے۔ دین کا سرا ہو چکا دل تک پہنچنے کا راستہ کسی نے پایا نہیں، افسوس یہ ہے کہ ہم نے نہیں دل تک پہنچنے کا راستہ بہت نازک ہے یہ بہت پتلی گلی ہے مگر راستہ وہی ہے۔

(تلخیص از خطبات علی میاں)

ملفوظات نمبر ۸

از عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ

پہلا ملفوظ .... سنت رسول اور اہل وعیال

اتباع سنت رسول ﷺ کی نیت سے کچھ وقت اپنے گھر کے اندر اپنے اہل وعیال کے ساتھ صرف کرنا چاہئے۔ اس سے ان کو تقویت اور انشراح رہتا ہے اور خود اپنی زندگی میں بھی ان کے ساتھ انس ومحبت پیدا ہونے سے نشاط خاطر رہتا ہے اور بہت سے امور خانہ داری اور حسن انتظام میں مدد ملتی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ شفقت ومحبت اور حسن سلوک کے لئے خاص طور پر بہت تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق واجب کئے ہیں۔ ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرنا، ان کو روحانی وجسمانی راحت پہنچانا، ان کو ہر طرح سے خوش رکھنا اور ان کی دعائیں حاصل کرنا شرعاً واجب ہے۔ ان کی وفات کے بعد التزاماً ان کے لئے ایصال ثواب کرتے رہنا، تلاوت کلام مجید، نوافل اور درود شریف اور اور اد مسنونہ سے بھی اور مالی صدقہ وخیرات سے بھی خصوصاً جاریہ سے۔ اولاد کا صالح ہونا خود مرحوم والدین کے لئے خیرات جاریہ ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر ہفتہ اولاد کے اعمال ان کے والدین کے سامنے عالم برزخ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال سے ان کو خوشی اور برے اعمال سے رنج ہوتا ہے۔ اس لئے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے کہ والدین کی روح کو اذیت نہ پہنچے بلکہ اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ کہ نیک اعمال سے اور ایصال ثواب سے ان کو نفع پہنچے۔ بھائیوں کا آپس میں محبت قائم رکھنا بہت ہی ضروری ہے ورنہ تمام زندگی کا لطف زندگی حاصل نہیں ہوتا اور زندگی میں قوت نہیں محسوس ہوتی۔ بڑی تباہی کی علامت ہے کہ بھائی بھائی آپس میں اتفاق نہ رکھیں۔ سارا فساد بچوں سے

بیویوں سے شروع ہوتا ہے اور آپس میں غلط فہمی اور بد مزگی پیدا ہونے لگتی ہے۔ خوب سمجھ لیا جائے عقل اسی واسطے ہے کہ پہلے سے اندازہ کر لے کہ یہ فتنہ شروع ہی نہ ہونے پائے۔ ورنہ آخر میں جب دل برے ہونے لگتے ہیں اس وقت جذبات سے متاثر ہو کر عقل بھی ماؤف ہو جاتی ہے۔ اور یہی خانہ بربادی کا باعث ہوتی ہے ہر شخص کو فرداً فرداً رواداری ایثار چشم پوشی اور معمولی معمولی باتوں کو درگزر کرنے کی عادت ڈالنا چاہئے۔ اسی طرح آپس میں محبت قائم رہتی ہے۔ اور جو معاملہ غلط فہمی پیدا ہوا اس کو فوراً صاف کر لینا چاہئے۔ اور قصور ہو تو اعتراف کرلے اور معافی مانگ لے۔

دوسرا ملفوظ.................................کسی اللہ والے سے تعلق ضرور رکھئے

یہ تجربہ شاہد ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کوئی علم یا فن حاصل کرنا ہے تو کسی تجربہ کار مربی کی سخت ضرورت ہے تاکہ اس کی تعلیم و تربیت سے مقصود حاصل ہو سکے۔ ایسا علم و فن ہمیشہ معتبر اور مستند اور بلا ضرر ہوتا ہے اس لئے دنیا و آخرت کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے کسی اللہ والے سے ضرور تعلق رکھنا چاہئے۔ اللہ والے کی شناخت یہ ہے کہ وہ بزرگ بظاہر متبع شریعت و سنت ہوں اور صاحب علم ظاہر و باطن ہوں۔ شفیق و خیر خواہ ہوں بزرگوں سے تعلق رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی صحبت میں گاہ گاہ حاضر ہوتا رہے اگر دور ہوں تو ان سے خط و کتابت رکھنا۔ ان سے دین کی بات دریافت کرتے رہنا اور ان کے مشورے پر عمل کرنا اپنے باطن کے نقائص ان کو لکھنا اور ان کے دور کرنے کی تدابیر پر عمل کرنا ہر حال میں ان سے دعا کراتے رہنا اپنی روز مرہ کی زندگی میں جو شرعی خلاف ورزی ہو اس کے متعلق دریافت کرنا اور جو کچھ تجویز کریں اس پر اہتمام سے عمل کرنا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمادیں اور اپنی زندگی کو خوشگوار، پرسکون اور پر عافیت بنانے کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین۔

تیسرا ملفوظ.................................صلہ رحمی کا خیال رکھئے

جن عزیز و اقارب سے صلہ رحمی کا تعلق ہے ان کا حق ادا کرنا بھی واجب ہے اور شریعت میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ صلہ رحمی صرف یہی نہیں ہے کہ آپس میں حسن سلوک کا معاملہ رکھا جائے۔ یہ تو غیر شخص سے بھی کرنا چاہئے۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ اگر

ایک فریق رشتہ توڑے تو تم رشتہ جوڑو۔ ایک شخص نے اگر حق ادا نہیں کیا تو دوسرا اپنے حق ادا کرنے سے بری نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی رشتہ دار نے معاملات خراب کئے یا کوئی اذیت پہنچائی تو بیاس کا فعل ہے تم کو چاہئے کہ تم اس کو درگزر کرو اور اس سے انتقام نہ لو۔ اس کی بدگوئی نہ کرو اور اگر اس پر کوئی وقت پڑے تو تم تنہا نہ چھوڑو اس کی مدد کرو یہی طریقہ حق ادا کرنے اور رشتہ جوڑنے کا ہے۔ اگر ہوسکے تو جلد اس سے مفاہمت کرلو۔ اس میں بڑی عافیت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ شریعت میں حقوق العباد کی بہت زیادہ اہمیت ہے احادیث میں اس کے لئے بہت تاکید آئی ہے اگر کوئی عزیز (یا صاحب معاملہ) اپنے قصور کا اعتراف کرکے معافی چاہے تو شریعت کا حکم ہے کہ ضرور معاف کردینا چاہئے۔ ورنہ سخت گناہ ہے اسی طرح اگر اپنا قصور ہو تو ضرور معافی مانگ لینا چاہئے خواہ کتنا ہی نفس تاویل کرے اور خفت محسوس کرے۔ اگر معافی مانگنے پر دوسرا فریق معاف نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا اور معافی مانگنے والے سے عنداللہ کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

چوتھا ملفوظ...................................اولاد کی پرورش کی فکر کیجئے

اولاد کی پرورش و نگہداشت بہت اہم ذمہ داری ہے۔ ان کو ابتدا ہی سے جب ان میں سمجھ پیدا ہونے لگے تو اللہ اور رسول کا نام سکھانا شروع کردینا چاہئے۔ پھر ابتدائی عمر میں قرآن شریف کا ختم کرانا اور ضروری مسائل پاکی وناپاکی کے جائز وناجائز حلال وحرام چیزوں سے ضرور مطلع کردینا چاہئے۔ پھر ابتدا ہی سے نماز کی عادت ڈالنا چاہئے۔ ان کا لباس پوشاک صرف اسلامی طرز کا رکھنا چاہئے۔ ان کے اخلاق کی نگرانی رکھنا چاہئے۔ ان کو نشست وبرخاست اور کھانے پینے کے آداب سکھانا چاہئیں۔ دین ودنیا کی ضروری تعلیم وتربیت کا خاص طور پر اہتمام رکھنا چاہئے بری صحبتوں سے ان کو خاص طور پر بچانے کی فکر رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ رکھنا چاہئے۔

گھر کا معاشرہ بالکل اسلامی طرز کا رکھنا۔ اس زمانے میں واجب ہے۔

تصاویر اور ریڈیو، ٹیلی ویژن ہرگز گھروں میں نہ ہونا چاہئے۔ اس سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق ضرور خراب ہوتے ہیں۔

شریف گھر کی عورتوں میں آج کل کے معاشرے میں آزادی بہت بڑھتی جارہی ہے روایات شرم وحیا اور پردہ داری ختم ہوتے جارہے ہیں محرم ونامحرم کا امتیاز ختم ہوتا جارہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناجائز تعلقات و واقعات کثرت سے رونما ہو رہے ہیں۔ جنسی قانون فطرت کبھی نہیں بدل سکتا اس لئے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

پانچواں ملفوظ...................... موجودہ فتنوں سے بچنے کی کوشش کیجئے

اس زمانے میں فتنہ فساد اس قدر کثرت سے ہوگئے ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں غیر محسوس طریقے سے بد دینی اور دنیا کی ہلاکت کے سامان پیدا ہوتے جارہے ہیں جس کا اندازہ مشکل ہے مزید براں اور بھی ہزاروں قسم کے فتنے ہیں جو صریحاً دین اسلام کے خلاف ہونے کی وجہ سے دنیا کی عافیت بھی خراب کررہے ہیں۔ معاملات گندے اور خود غرضی کے اور دوسروں کی نقصان رسانی کے ہو رہے ہیں۔ معاشرے میں مغربی تہذیب کی لعنت دن بدن مسلط ہوتی جارہی ہے۔ رہنا سہنا کھانا پینا لباس پوشاک سب نمائشی اور پر تکلف اور اقتصادی و معاشی اعتبار سے نہایت تباہ کن ہیں۔ ہزاروں بیماریاں نئی نئی پیدا ہورہی ہیں۔ غذائیں، ہوائیں فضائیں سب گندی ہورہی ہیں۔ نئی نئی دوائیں اور انجکشنوں سے بیماریاں پیچیدہ تر ہوتی جارہی ہیں۔ ہر طرف دھوکا فریب وعدہ خلافی اخلاق سوز اعمال رونما ہو رہے ہیں۔ سب سے زیادہ خطرناک فتنے دین کے فتنے ہیں روز بروز نوجوان طبقہ خصوصاً دین اسلام سے بیگانہ ہی نہیں بلکہ اپنی جہالت وحماقت اور اپنی نفسانی شہوانی لذت میں مدہوشی کے سبب سے دین کا مخالف اور دشمن ہوتا جارہا ہے۔ پاکی طہارت کا فقدان ہی نہیں بلکہ اس کی اہمیت ہی سے ذہن خالی ہوتے جارہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات سے کما حقہ ناواقفیت ہونے کی وجہ سے اسلام کو ناقابل عمل مذہب تصور کیا جارہا ہے تہذیب حاضرہ کی ہر مخرب اخلاق بات کو ترجیح دی جارہی ہے۔ عریانی، بے شرمی، بے پردگی رقص وسرود فحش وعریانی تصاویر کا استعمال عام ہوتا جارہا ہے۔ ہر نوجوان جس نے کچھ بھی انگریزی اور مغربی تہذیب کا اثر لیا ہے مذہب میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہے یا اسکے اصول پر بے تکلف اعتراض

شخصیت پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول سے ہٹ کر ایک
ملحدانہ تمدن کی لہر معاشرے میں روز بروز ترقی کے ساتھ ملک و بیرون میں سرایت کرتی جا رہی ہے اس
کا علاج یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مطالعہ خوب غور سے دینی کتب کا کیا جائے خصوصاً صحت عقائد
جن امور پر منحصر ہے مجموعہ عبادات و معاملات و اسلامی معاشرہ اسلامی اخلاقیات کو اچھی طرح ذہن
نشین کیا جائے اس کے لئے سید سلیمان ندوی کی مکمل سیرۃ النبی ﷺ اور خطبات مدارس خصوصاً قابل
مطالعہ ہیں ان کے مطالعہ سے رسول اللہ ﷺ کا صحیح مقام نبوت و منصب تبلیغ واضح ہوتا ہے حضرت
مولانا تھانوی کے مطبوعہ مواعظ پڑھنے ہیں اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے اس زمانے میں
بہت ضروری ہے اس کے علاوہ روز صبح و شام نماز کے بعد حق تعالیٰ سے تمام ظاہری و باطنی اور ارضی
سماوی فتنوں سے اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے پناہ مانگتا رہے
انشاء اللہ ہر طرح محفوظ رہے گا۔

چھٹا ملفوظ .... پڑوسیوں کا خیال رکھئے

پڑوسیوں سے بھی بہت خوشگوار تعلقات رکھئے پڑوسی اور بیٹھک کا اہتمام رکھنا چاہئے
کہ ہماری وجہ سے ان کو کسی طرح کی اذیت نہ پہنچے اور اگر ان سے ہم کو کوئی اذیت پہنچے تو ضبط و تحمل سے
اور درگذر کرنے سے کام لیا جائے اور جلد ان سے خوش سلوکی سے مفاہمت کر لی جائے۔

شادی اور غمی کی تقریبات میں جہاں ہر طرح کی بدعات اور خلاف شرع باتیں ہوتی ہیں
جہاں تک ممکن ہو سکے ان میں شرکت سے اجتناب کیا جائے اور خود اپنے یہاں سختی سے شریعت پر عمل
کیا جائے کیونکہ خلاف شرع امور میں کبھی برکت نہیں ہوتی۔ بلکہ بیشتر دینی نقصان کے علاوہ
مواخذہ آخرت کا باعث ہوتے ہیں۔

ساتواں ملفوظ .... اچھے اعمال کو اپنائیے

اپنے موجودہ حالات پر قناعت کر کے ہر وقت شکر ادا کرتے رہنا اپنے رہنے سہنے اپنی
ضروریات زندگی اپنے ماحول اپنے اہل و عیال پر ہر وقت نظر رکھئے اور سمجھے کہ جو بھی موجودہ حالت
ہے اس میں سب سے بڑی نعمت تو سلامتی ایمان اور دین اسلام پر ہونا ہے جو بغیر کسی استحقاق کے

اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ پھر اپنے وجودی نعمتوں پر نظر کرے اپنے ماحول کی راحتوں پر نظر ڈالے اپنے اہل وعیال کی عافیت کو دیکھے۔ دوسروں سے اپنے تعلقات کی خوشگواری کا اندازہ کرے اور پھر دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان انعامات الٰہیہ پر شکر ادا کرے۔ اس کے علاوہ جو بھی موجودہ حالت ہے اگر غور کرے تو لاکھوں مخلوق خدا اس سے محروم ہیں اس حالت کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل نظر ڈالنے کی عادت ڈالے یہ کیمیا کا نسخہ ہے۔ اس پر عمل کر کے دیکھا جائے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تم ہماری نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو ہم ان نعمتوں میں ضرور اضافہ، برکت اور ترقی عطا فرمادیں گے۔

اپنی کوتاہیوں لغزشوں، غفلت اور معاصی کا احساس کر کے ہمیشہ استغفار کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو بندہ اپنے اعمال پر نادم ہوتے رہتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ استغفار بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی پناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے شرمسار گنہگار بندوں کو بہت پسند فرماتے ہیں اور ان کے ساتھ بڑا رحمت اور مغفرت کا معاملہ ہوتا ہے۔ ان کے سامنے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا اقرار کرتے رہنا چاہئے۔ توبہ واستغفار خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے بڑی قوی علامت ہے۔

آٹھواں ملفوظ..................دینی معلومات کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے

دینی معلومات کا حاصل کرنا بھی نہایت اشد ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اس علم کے زندگی کا مقصد متعین نہیں ہوتا۔ چند کتابوں کا مطالعہ بہت اہم اور ضروری ہے۔ مثلاً سیرت رسول ﷺ حالات صحابہ کرامؓ وحالات بزرگان دین تاریخ اسلام حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی تصانیف خصوصاً مواعظ وملفوظات بہشتی زیور وغیرہ ان کے مطالعہ سے دین ودنیا کی بہت گرانقدر کافی وشافی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ فضول اور بے مصرف کتابیں مثلاً اخبار ناول رسالے وغیرہ پڑھنے میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے۔ ان سے قلب میں ظلمت اور عقل وفہم میں پستی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب کی کتابیں تو ہرگز نہ پڑھنی چاہئیں کیونکہ بغیر اپنے مذہب کے علم کے راسخ ہونے کے دوسرے مذاہب کے عقائد اور فلسفہ سے ذہن

ضرور منتشر ہوتا ہے اور گمراہی کا اندیشہ ہے اپنے مذہب میں اگر کوئی اشکال و شک پیدا ہو تو ضرور کسی اہل علم سے حل کر لینا چاہئے۔

نواں ملفوظ .... ہمیشہ اچھے مشاغل اپنایئے

غیر ضروری مشاغل بھی جمعیت خاطر کو برباد کرنے والے ہوا کرتے ہیں مثلاً خواہ مخواہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینا یا کسی کی خاطر مروت سے کسی کام کی ذمہ داری لے لینا یا امانت رکھنا یا کسی کی ضمانت کرنا کیونکہ فی زمانہ یہ چیزیں بھی آخر مفسدہ سے خالی نہیں ہوتیں۔ توقعات کے خلاف ہونے سے ذہنی شکایات کے دفتر کھل جاتے ہیں۔ جمعیت خاطر برباد ہو جاتی ہے اور اس میں ابتلا کے وقت ضرور قلب مشوش اور متفکر ہو جاتا ہے۔ مثلاً بیماری کا لاحق ہونا۔ اپنی یا اپنے متعلقین کی بیماریاں یا غیر اختیاری طور پر تنگی معاش یا کسی عزیز اقارب یا کسی اور شخص کا برتاؤ حسد یا خبث باطن کے باعث ناگوار ہو جانا یا غیر متوقع طور پر کاروبار میں یا اپنے مال میں نقصان واقع ہو جانا یہ سب باتیں بھی انسان کے خیالات اور جذبات کو پراگندہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ لہذا ایسے حالات کے صدمہ کے وقت رفع کرنے اور حصول سکون قلب کے لئے جو تدابیر بتائی گئی ہیں ان پر عمل کرنا چاہئے۔ اور وہ تدابیر تعداد میں کے معاوضہ کی تلافی ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پریشانی اور رنج و فکر خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہماری زندگی کا سکون و اطمینان ضرور زائل کر دیتی ہے۔ لیکن قلب مومن میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت و استعداد رکھی ہے کہ ایسی پریشانیوں کے وقت میں جب وہ اپنے کارساز حقیقی کی طرف کسی نہ کسی صورت میں متوجہ ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ رجوع الی اللہ کسی درجے کا بھی ہو مگر اس کو ضرور سکون حاصل ہو جاتا ہے تو طبعاً تکلیف کا اثر باقی رہتا ہے لیکن پھر بھی تکلیف بھی قابل تحمل و برداشت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ واقع ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کو ضرور نفع ہوتا ہے۔ ان کی دعاؤں اور ہمدردی سے قلب کو تقویت ہوتی ہے۔ دیکھئے بھی جو لوگ پاک و صاف زندگی بسر کرتے ہیں جن کے دل میں دین کی عظمت و محبت ہوتی ہے اور جن کے معمولات میں نماز کی پابندی اور ذکر اذکار و وظائف شامل رہتے ہیں اور اگر ان کا تعلق کسی بزرگ سے بھی ہوتا ہے۔ تو ایسے لوگوں کے دل بڑی

پریشانیوں سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بندے کو اپنی دنیاوی الجھنوں اور پریشانیوں کے تدارک کے لئے اپنے مالک اور کارساز حقیقی کی طرف رجوع کرنے ہی سے سہارا ملتا ہے۔ اور اللہ جل شانہٗ نے خود اپنے کلام پاک میں اور نبی ﷺ نے اپنے ارشادات میں ہمارے افکار اور مصائب کے دور کرنے کے لئے بہت موثر تدابیر اور دعائیں تعلیم فرمائی ہیں۔ ان پر عمل کرنا چاہئے اور اپنی تقصیرات ومعاصی اور شامت اعمال سے پناہ مانگنا چاہئے اور صدقہ خیرات کرنا چاہئے ایسا کرنے سے مصائب وآلام تو صورتاً قائم رہتے ہیں لیکن رضائے الٰہی پر دل ضرور مطمئن ہو جاتا ہے اور یہ بڑی نعمت ہے۔

دسواں ملفوظ.............................اپنے گھر کے ماحول کو اسلامی بنائیے

اپنے گھر کے ماحول کو تمام تر اسلامی بنانا چاہئے۔ ورنہ آئندہ نسلیں اس سے بالکل بیگانہ ہو جائیں گی اور اس سے دین ودنیا کے بیشمار مفاسد پیدا ہوں گے رہنا سہنا ۔ بول چال پوشاک، وضع قطع رکھنا یہ سب شریعت وسنت کے مطابق ہونا چاہئے۔ گھر کے استعمال کا سامان بھی سادہ اور پاک صاف ہونا چاہئے۔ حیثیت سے زیادہ قیمتی سامان جو محض نمائش کے لئے ہو اس کا مہیا کرنا اسراف بیجا ہے اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اس کی حفاظت کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کبھی ان میں اضافے کی ہوس اور کبھی ان کے خراب ہونے کا خدشہ قلب کو مشوش رکھتا ہے ۔ قناعت تو ضروری سامان ہی میں نصیب ہوتی ہے مغربی تہذیب کی لعنت ہمارے معاشرے کو اس قدر مسموم کرتی جا رہی ہے۔ کہ ہم غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہو کر اپنے شعائر اور شعور اسلامی سے محروم ہوتے جا رہے ہیں وقار اسلامی اور روایات خاندانی اور لوازمات شرافت کو ضرور برقرار رکھنا چاہئے ورنہ دنیا میں بھی خواری ہے اور آخرت میں بھی خسران ہے اگر انجام کار پر غور کیا جائے یہ تو بات خود عقل تسلیم کرے گی۔

جسمانی صحت وتندرستی بڑی قابل حفاظت نعمت ہے۔ اس کے زائل ہونے سے طبیعت میں سکون باقی نہیں رہتا۔ اس کے تحفظ کے لئے خاص اہتمام رکھنا چاہئے اور اس کے اہتمام کے لئے نظم الاوقات کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے یعنی وقت کے تعین کے ساتھ کھانا پینا سونا آرام کرنا

تفریح کرنا کچھ ہلکی سی ورزش کرنا ان سب کے لئے روزمرہ کی زندگی میں وقت کا تعین ضروری ہے تاکہ ہر بات اپنے وقت پر ادا کرنے کی عادت ہو جائے اگر خدانخواستہ کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو اس سے بے فکری نہ کی جائے اور جلد اس کا تدارک کرلیا جائے۔ ورنہ بعض وقت مرض پیچیدہ اور دشوار العلاج ہو جاتا ہے۔

تعلقات زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن ان کو بھی بہت ہی ضروری تعلقات پر بقدر ضرورت محدود رکھا جائے غیر ضروری تعلقات خواہ اعزہ اور اقرباء سے ہوں یا دوست واحباب سے ہوں یا کاروباری زندگی میں ہوں کسی نہ کسی درجے میں ضرور پریشان کن ثابت ہوتے ہیں کیونکہ سب کا حق ادا کرنا عادۃً دشوار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قلب مشوش رہتا ہے۔ کیونکہ ایسے غیر ضروری تعلقات میں اپنے کسی عذر کی وجہ سے تو اس کو رنج وشکایت ہوتی ہے اور پھر خود اپنے کو بھی ندامت وخفت ہوتی ہے۔ محض رسمی تعلق اور دوستی رکھنے والے اکثر بیجا مروت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس سے بعض وقت مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یا عافیت سوز معاملہ درپیش ہوتا ہے اس لئے ہر شخص پر اعتماد کرنا چاہئے۔

جہاں تک ممکن ہو احکامات شریعت اور اتباع سنت کا ہر معاملہ زندگی میں اہتمام رکھنا چاہئے۔ ہمیشہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا چاہئے۔ دوستوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ظاہری اخلاق سے متاثر نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اصل معیار صداقت وخلوص تو دینداری اور صفائی معاملات ہے۔ جن لوگوں سے زندگی میں ہمارا سابقہ پڑتا ہے۔ ان کو بھی خوب سمجھ کر منتخب کرلینا چاہئے۔ مثلاً ڈاکٹر حکیم وکیل تاجر وغیرہ۔ اپنے خانگی حالات اور راز کی بات ہرگز بھی کسی سے نہ کہنا چاہئے۔ خصوصاً عورتوں سے۔

(مجموعہ از چند مفید مشورے)

ملفوظات نمبر ۹

از شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

پہلا ملفوظ..............................ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ ہی سے مانگئے

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز اللہ ہی سے مانگے چاہے چھوٹی چیز ہو یا بڑی۔

ناپاک کمائی کیا ہے؟

آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اللہ سے مانگو نمک کی ڈلی بھی چاہئے وہ بھی اللہ ہی سے مانگو اور یہ نہ سمجھو کہ چھوٹی سی چیز اللہ سے کیا مانگیں؟ اللہ بڑے ہیں ان سے کوئی بڑی چیز مانگنی چاہئے۔ بات یہ ہے کہ کسی چیز کا چھوٹا ہونا یا بڑا ہونا یہ تمہارے اور تمہارے اعتبار سے ہے اللہ کے اعتبار سے نہیں ہے اللہ کی نظر میں سب چھوٹی بڑی چیزیں برابر ہیں اور ہماری احتیاج کے اعتبار سے بھی برابر ہیں جس طرح جنت کے محتاج ہیں اسی طرح نمک کی ڈلی کے بھی محتاج ہیں ہم تو سراپا احتیاج ہیں تو بڑی چیز بھی اللہ سے مانگو اور چھوٹی چیز بھی اللہ سے مانگو کیونکہ اللہ کی بارگاہ میں سب برابر ہیں اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں اور ہمارے احتیاج کے اعتبار سے سب برابر ہیں اور یہ بھی تعلیم دی کہ دن کے دن کی روزی مانگو یا اللہ! آج کی روزی کا بندوبست فرما دے آگے کی فکر کر کے لمبی لمبی سوچیں نہ لے جاؤ۔

دوسرا ملفوظ..............................کامل مسلمان کی تعریف سمجھئے

"مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔" تمہارے ہاتھ سے اور تمہاری زبان سے کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچے۔

علماء فرماتے ہیں کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ تمہارے وجود سے کسی کو نقصان نہ پہنچے تمہارا

وجود لوگوں کے لئے سراپا امن اور سلامتی کا وجود ہو اور تمہاری ذات سے کسی کو خطرہ محسوس نہ ہو، نہ تمہاری زبان سے، نہ تمہارے کسی اور عضو سے۔ زبان اور ہاتھ دو چیزوں کو اس لئے ذکر فرمایا کہ زیادہ تر ایذا رسانی، کسی کو تکلیف پہنچانا انہی دو اعضاء سے ہوتا ہے، زبان کے ساتھ یا ہاتھ کے ساتھ اور اسی بنا پر یہ فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کے یہ دو عضو مسلمانوں کو تکلیف اور نقصان نہ پہنچانے کے پابند ہوں، اس کا پورا وجود سلامتی بن جائے گا، بطور خاص زبان اس لئے کہ ان سے ایذا زیادہ پہنچتی ہے کیونکہ زبان کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔

تیسرا ملفوظ............حلال اور پاک کھانے کا اہتمام کیجئے

پاک اور طیب کھانے کا اہتمام، یہ اللہ کے محبوب بندوں کی علامت ہے، ہم تو جانور ہیں۔ جو کچھ بھی مل جائے اس پر منہ مارتے ہیں، جانور کا یہی کام ہوتا ہے اس کو اس سے غرض نہیں کہ یہ میرے مالک کا ہے یا نہیں؟ یا میرے حصے کا ہے یا نہیں؟ اس کا منہ جہاں تک پہنچ جائے وہ اس کو ہڑپ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا کھانے پینے کے معاملہ میں جانور نہ ہو، بلکہ پاک کھاؤ۔

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو جو حکم دیا ہے وہی حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان والے بندوں کو بھی دیا ہے، رسولوں سے فرمایا کہ: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔" (مشکوٰۃ)

اور اہل ایمان سے فرمایا کہ اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دیں۔"

چوتھا ملفوظ.....................ہم محاسبہ آخرت کو بھول گئے

آج دنیا میں جو فساد پیدا ہو رہا ہے وہ اس لئے کہ ہم نے اپنا محاسبہ چھوڑ دیا ہے، اس لئے کہ یوم الحساب کو بھول گئے، یاد ہی نہیں رہا کہ حساب ہونے والا ہے، ایک ایک پائی کا، ایک ایک ذرہ کا حساب لیا جائے گا۔ ترمذی شریف کے حوالے سے مشکوٰۃ میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بندے کے قدم اپنی جگہ سے ٹلیں گے نہیں جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ نہیں لیا جائے گا۔

۱:...... اپنی عمر کہاں برباد کی تھی؟ ۲:...... اپنی جوانی کہاں بوسیدہ کی؟ ۳:...... مال کے

بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور کہاں خرچ کیا تھا؟ ..... علم کے متعلق
ہوگا کہ جو علم سیکھا تھا اس پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں؟

پانچواں ملفوظ .... دنیا میں تمام آرزوئیں پوری نہیں ہو سکتی

چاروں طرف سے آرزوئیں اور تمنائیں تمہیں گھیرے ہوئے ہیں کہ یہ ہو جائے یہ ہو جائے یہ ہو جائے، کسی کو ذرا چھیڑ کر دیکھو اور پھر اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کی داستان سنو تو خاموش رہو، پھر دیکھو۔ بے شمار تمہاری تمنائیں موت سے پہلے نہیں پوری ہونے کی جن تمناؤں اور جن آرزوؤں کو تم نے پال رکھا ہے یہ کبھی پوری نہیں ہو سکتیں تم نادانی بلکہ حماقت میں مبتلا ہو کہ ان تمناؤں اور آرزوؤں کو پال رہے ہو اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید ہم اپنی آرزوئیں پوری کر کے یہاں سے جائیں گے۔ بھائی! کوئی آدمی اپنی آرزوئیں اس دنیا میں پوری نہیں کر سکتا۔

چھٹا ملفوظ .... نیکی پر فرحت مومن کی علامت

نیکی کا کام کر کے طبیعت میں فرحت پیدا ہونا اور ہے، غرور اور چیز ہے، دل میں فرحت کا پیدا ہونا اور چیز ہے۔ کسی آدمی نے نماز پڑھی اور اللہ نے توفیق دی نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں، خوب دعا کی، تنہائی میں، اس میں ایک خاص خوشی پیدا ہو جاتی ہے، خاص فرحت پیدا ہو جاتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں سارا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ یہ ہے جس کو رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ تیری نیکی تجھ کو خوش کر دے اور بطور شکر کے بیان کرتا ہے جو ہوئی ہے اس کو بیان کرنے ہے ہو کام ہے دل میں فرحت کا پیدا ہونا اچھا کام کر کے، نیکی کا کام کر کے اور خدانخواستہ اگر غلطی ہو گئی اس کے ... تو دل میں غم پیدا ہو جائے یہ علامت ایمان کی ہے۔

اور اگر نیکی کا کام کر کے خوشی نہیں ہوتی اور گناہ کا کام کر کے طبیعت میں بوجھ نہیں ہوتی تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اندر کا جو دل ہے یہ مردہ ہو گیا ہے، بے چارہ اس میں تاثر ہی نہیں رہا۔

ساتواں ملفوظ .... خیانت سے بچیے

"خیانت" امانت کی ضد ہے آدمی کے دل میں امانت کا ہونا ایمان کی صفت ہے، جس کو

صالحین۔ بہت ہی مبارک ہے وہ بندہ جس کو ان کے راستے پر چلنے کی توفیق ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے ہیں۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ نہ ان پر غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ جن پر غضب ہوا وہ یہودی ہیں، اور جو گمراہ ہوئے وہ نصرانی ہیں۔ یہ گمراہی کا راستہ ہے آپ یا ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر ہیں، جس شخص کو ہدایت سیدھے راستے پر نہیں چلاتی، گمراہی اس کو کھینچ کے لے جاتی ہے۔ اور جس کو یقین نفع نہیں پہنچاتا، شک اور تردد اس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ارشاد فرمائی ہوئی تمام باتیں برحق ہیں، ہمارا ان پر ایمان و یقین ہے، ہم نے چونکہ کلمہ پڑھا ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمائی ہوئی ایک ایک بات پر یقین ہے، اور اتنا یقین مؤمن کو ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر غیب کا پردہ ہٹا دیا جائے اور تمام رکاوٹیں ہٹادی جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، کیونکہ مجھے آج بھی اتنا ہی یقین ہے جتنا مشاہدہ سے ہوگا۔

نواں ملفوظ.................بندہ کا کام صرف بندگی ہے

ہم بندگی چھوڑ کر خدائی کا کام کرتے ہیں، پھر وہ ہم سے ہوتی ہی نہیں، پریشان ہوتے ہیں، بندہ کا کام صرف بندگی ہی ہے، وہ تو ہم نے چھوڑ دی، اور اس کارخانۂ عالم کو چلانا کہ اس کو اتنا دیا جائے، اس کو اتنا دیا جائے، اس کو نہ دیا جائے، فلاں وقت دیا جائے فلاں وقت نہ دیا جائے، وہ خدائی ہے، بندگی چھوڑ کر جب ہم خدائی کرنے لگتے ہیں تو وہ ہم سے چلتی نہیں، ساری پریشانیوں کی جڑ یہی ہے، خدا کے لئے خدائی چھوڑ دیں، اپنا کام ہے بندگی کا وہ کریں، مالک سے کہہ دیا، اس کے سامنے رولو، گڑ گڑالو، جتنی تاکید کے ساتھ اور جتنی الحاح و زاری کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہو، کہنے کے بعد مطمئن ہو جاؤ، درخواست دے دی، وہ بھولتا نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں کہ اس کو اپنے بندوں کے حال پر رحم نہ ہو، جب وہ شفیق بھی ہے، بھولتا بھی نہیں تو تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ ایک عالم کے عالم کو اس روزی کے مسئلے نے پریشان کر رکھا ہے، حالانکہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، ایک دن کی روٹی اور بس، وہ مل گئی، اگلا دن آئے گا تو وہ لئے کھڑا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جس نے اگلے دن کی زندگی تمہیں دی ہے وہ اگلے دن کی روزی بھی تمہیں دے گا۔

دسواں ملفوظ .... بدگوئی اور دشنام طرازی سے بچیئے

بدگوئی اور دشنام طرازی گالیاں بکنا اور دوسری بکواس کرنے سے عرب کا مشہور محاورہ ہے کہ ہر برتن سے وہی چھلکا کرتا ہے جو اس میں ہو، اگر برتن میں دودھ بھرا ہوا ہوگا تو دودھ چھلکے گا شراب بھری ہوئی تو وہ چھلکے گی، زمزم بھرا ہو وہ چھلکے گا۔ نعوذ باللہ! گندگی بھری ہوئی ہو تو وہ چھلکے گی تمہاری یہ زبان تمہارے دل کے برتن کو چھلکاتی ہے، اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں کیا بھرا ہوا ہے، اس کو کہنے کی ضرورت نہیں، اگر گندگی نکلتی ہے، گالیاں بکتے ہو، اس کے معنی یہ ہیں کہ اندر گندگی بھری ہوئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنبیہ فرماتے ہیں کہ ذرا اپنے برتن کو ٹھیک کرو، کیونکہ جب آدمی افسردہ ہوتا ہے تو اس سے غمگین باتیں نکلتی ہیں، اور آدمی خوشی سے لبریز ہوتا ہے تو اس سے خوشی کی باتیں نکلتی ہیں۔ بھائی! تمہارے دل میں خیر ہوگی تو تمہارے منہ سے بھی کلمۂ خیر نکلے گا، اور نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! گندگی بھری ہوئی ہوگی تو پھر گالیاں ہی منہ سے نکلیں گی، اور کیا منہ سے نکلے گا؟

(مجالس اصلاحی مواعظ)

ملفوظات نمبر ۱۰

ازمفکر امت حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

پہلا ملفوظ .... ہر کام اخلاص کے ساتھ کیجئے

صرف اللہ کی رضا کے لئے صرف اللہ کی رضا کے لئے عمل کرنے کو اخلاص کہتے ہیں جو بھی نیک کام کرو اچھی نیت سے کرو کہ اس کے متعلق جو مجھے اللہ نے حکم دیا ہے اس پر عمل کرکے محض اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے دنیا کا نفع اور شہرت اور نام و نمود مقصود نہیں ہے۔ آخرت سنوارنے کے لئے عمل کرنا ہے اور یہ جب ہی ہوتا ہے جب نیک عمل کا ثواب مل جانے کا پورا یقین ہو اور ثواب کو کام کی چیز سمجھ لے۔ اخلاص بڑی اہم چیز ہے جب تک نیت یہ نہ ہو کہ میرا یہ عمل خالص اللہ کے لئے ہے اس وقت تک عمل مقبول نہیں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر ایک عمل میں ایک نیت دین کی ہو اور ایک دنیا کی تو اس کو اخلاص نہیں کہا جائے گا جیسے روزہ رکھنے سے یہ بھی مقصود ہو کہ کھانا نہ پکانا پڑے گا اور بیماری میں پرہیز بھی رہے گا تاکہ تندرستی میں فرق نہ آئے یا حج کرنے سے یہ مقصود ہو کہ وہ عبادت ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب عمل ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی نیت ہو کہ سیر و تفریح ہوگی یا دشمنوں کی ایذاؤں سے نجات ہوگی یا اعتکاف میں یہ نیت ہو کہ وہ عبادت بھی ہے اور اتنے دن مکان کا کرایہ بھی نہ دینا پڑے گا۔ یا فقیر کو اس لئے دیا کہ اس میں اجر بھی ہے اور اس کا شور وغل بھی بند ہو جائے گا تو یہ سب خیالات اخلاص سے خارج ہیں۔ اخلاص اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس کا حاصل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ شیطان کا ریاکاری پر ڈالنا اور نفس کا فریب اس نعمت کو حاصل نہیں ہونے دیتا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجھ کو آنحضرت ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو کچھ نصیحت فرما دیجئے آپ نے فرمایا اپنے دین میں اخلاص رکھو تم کو تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔

دوسرا ملفوظ .... قرآن کریم سے برکت حاصل کیجئے

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں اونچے ہیں معارف وحقائق ہیں اخلاق وآداب ہیں جو اس نے دنیا و آخرت کی کامیابی کے اصول بتاتے ہیں یہ انقلاب عالم کے اسباب اور اقوام کے زوال و عروج کے رموز کی طرف رہبری کرتا ہے۔ اس کی برکتیں بے انتہا ہیں خدائے پاک کی باتوں کا سرچشمہ ہے۔ نعمت و دولت کا خزانہ ہے اس کی تعلیمات پر عمل کرنا دنیا و آخرت کی سربلندی اور سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اس کے الفاظ بھی بہت مبارک ہیں یہ سب سے بڑے بادشاہ کا کلام ہے خالق و مالک کا پیغام ہے جو اس نے اپنے بندوں اور بندیوں کے لئے بھیجا ہے اس کے الفاظ بہت بابرکت ہیں ان کی تلاوت کرنے والا آخرت کے بے انتہا اجور وثمرات کا مستحق تو ہوتا ہی ہے دنیاوی زندگی میں بھی رحمت و برکت اور عزت و نصرت اس سے متعلق رہتی ہے۔ اور یہ شخص سکون قلب اور خوشحالی کی زندگی گزارتا ہے کلام اللہ کی عجیب شان ہے اس کے پڑھنے سے کبھی سیری نہیں ہوتی اور برسوں پڑھتے رہو بھی پرانا معلوم نہیں ہوتا کثیر تلاوت کرنے والے کی طبیعت کا تقاضا اس خیال پر ختم نہیں ہوتا کہ بار بار ایک ہی چیز کو پڑھ رہا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جتنی بار پڑھتے ہیں نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔ سبحانہ ما اعظم کلامہ۔

تیسرا ملفوظ .... ہمیشہ اپنے خالق کو راضی رکھیے

مخلوق کو راضی رکھنے کی فکر نہ کرو بلکہ خالق و مالک کو راضی رکھو جس نے وجود دیا ہے اور زندگی بخشی ہے۔ آج کل لوگ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق و مالک کی نافرمانی کرتے ہیں صرف اس لئے کہ ان کی منفعت اور تعلق بچے رہیں کہ کوئی ناراض نہ ہو جائے یا اس لئے نہیں کراتے کہ کوئی وقتی فائدہ ہے۔ اس ادنیٰ سی بات کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کو تیار ہیں۔ ارے مخلوق کی بھی کوئی حیثیت ہے جسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے راضی کیا جائے بس خالق و مالک کو راضی کرو اس کو راضی رکھتے ہوئے جو راضی ہو جائے۔

چوتھا ملفوظ .... ذکر اللہ کا اہتمام کیجئے

اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے دل سے زبان سے اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگا رہنا لازم ہے ذکر

سے بہت بڑے درجات حاصل ہوتے ہیں سورۂ احزاب میں فرمایا کہ

اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ: تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا اور میری شکر گزاری کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

سورۂ عنکبوت میں فرمایا کہ: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھیے، بے شک بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے۔ اور اللہ کی یاد میں بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

پانچواں ملفوظ..............................صبر کو لازم پکڑ لیجئے

ذکر و فکر و صبر و شکر مومن کی زندگی کی گاڑی کے پہیے ہیں، اللہ کی یاد میں لگا رہے اور ترقی درجات کے لیے بھی فکر مند رہے تکلیف پر صبر بھی کرے اور ہر حال میں اللہ کا شکر گزار رہے۔ دنیا دار المصائب ہے صبر کے بغیر زندگی گزارنے کا کوئی راستہ نہیں، اتنا فرق ہے کہ مومن صبر کا ثواب بھی لے لیتا ہے اور کافر کو یہ بات نصیب نہیں، اور جو شخص مدعی اسلام ہو لیکن بے صبرا ہو وہ مصیبت کے وقت واویلا کرتا ہوا اجر و ثواب کی نیت نہ رکھتا ہو وہ بھی ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور درحقیقت مصیبت زدہ وہی ہے جسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا اسی کو فرمایا ہے۔ انما المصاب من حرم الثواب۔ (مشکوٰۃ شریف) تکلیف کے وقت صبر بہت کڑوا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا نتیجہ میٹھا نکلتا ہے اردو میں مثل مشہور ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہے عربی میں کسی نے کہا الصبر امر من الصبر واحلی من العسل، صبر ایلوے سے زیادہ کڑوا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ درحقیقت مومن سے زیادہ کوئی آرام و راحت میں نہیں وہ اللہ کی رضا و قدر پر راضی رہتا ہے اور ہر حالت میں ثواب کا امیدوار رہتا ہے طبعی طور پر اگر کسی بات پر رنج ہو تو عقلی اور ایمانی طور پر اس کا دفاع ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کی مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔

چھٹا ملفوظ..............................زندگی کی قدر و قیمت پہچانئے

فرمایا: دنیا میں کوئی شخص بغیر عمل کے نہیں، چھوٹا سا بچہ بھی پیدا ہونے کے چند دن بعد ہی

ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے بلکہ دودھ پینے کے لئے تو پیدا ہوتے ہی ہونٹ چلاتا ہے اور ماں کا پستان پا لیا جاتا ہے۔ ساری زندگی سراپا عمل ہے اب انسان چاہے اچھے اعمال کرے، گناہ کرے یا نیکی کرے لہو و لعب میں لگے، لایعنی باتیں کرے یا فضول مشاغل میں وقت لگائے کام میں تو سبھی مشغول رہتے ہیں۔ ہوش مند وہ ہے جو اپنی زندگی کو نیک کاموں میں خرچ کرے تاکہ اس کی محنت اور جدوجہد دوزخ میں جانے کا ذریعہ نہ بنے آخرت کی عظیم اور کثیر نعمتوں کے نقصان اور خسران اور حرمان کی راہ اختیار نہ کرے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿کل الناس یغدو فبائع نفسہ فمعتقھا او موبقھا﴾ (صبح ہوتی ہے تو ہر شخص کام کاج کے لئے نکلتا ہے اور ہر شخص اپنی جان کو کام میں لگاتا ہے اور نتیجہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے نفس کو دوزخ سے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی شخص اپنے نفس کو ہلاک کر دیتا ہے) دوزخ میں بھی عمل کے ذریعے ہی جائیں گے اور جنت میں بھی اعمال ہی لے جائیں گے جب دونوں اپنے ہی کئے کا نتیجہ ہیں تو انسان ایسی بے وقوفی کیوں کرے کہ عمل بھی کرے اور دوزخ میں بھی جائے۔

ساتواں ملفوظ .... حقوق العباد کی فکر کیجئے

یاد رکھئے! حقوق العباد کا معاملہ بہت سخت ہے عام طور پر لوگوں کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی دینداری بس نماز اور کرتہ اور داڑھی میں رہ گئی۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ستر نافرمانیاں لے کر قیامت کے میدان میں پہنچے تو یہ اس سے ہلکا جرم ہے کہ کسی بندے کا ایک حق اپنے ذمے لے کر میدان قیامت میں حاضر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اس سے معافی کی امید رکھی جائے لیکن بندے چونکہ محتاج ہیں اس لئے ان کے حقوق کی ادائیگی کا دھیان رکھنا اور حقوق العباد سے پاک ہو کر جانا بہت زیادہ اہم اور سخت ضروری ہے۔ بندوں سے وہاں معاف کرنے کی امید رکھنا بے وقوفی ہے بندے وہاں محتاج ہوں گے کسمپرسی کا عالم ہوگا ذرا ذرا سا سہارا تلاش کرتے ہوں گے اور ہر صاحب حق اپنا پورا پورا حق وصول کرنا چاہے گا میراث کے بارے میں تو دینداری کے مدعی پیر فقیر، عالم جاہل عموماً جہالت کی مصیبت میں ہیں۔ مرنے والا مر جاتا ہے اور اس کا مال شرعی اصول کے مطابق وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا یتیموں اور بیواؤں کے حصے دوسرے ہی

سے کم فائدہ اٹھانا یہ ہے نفع کی چیز کہ انسان ہشاش بشاش رہتا ہے، دنیا کے جھمیلوں سے آزاد رہتا ہے بقدر ضرورت کمایا اہل وعیال کی ضرورت میں خرچ کر دیا باقی تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو گیا کوئی کر کے تو دیکھے۔ دیکھو کیسا مزہ آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں۔ میری طرف تو یہ وحی کی گئی کہ اب تم اپنے رب کی تسبیح بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔" (مشکوٰۃ) رسول اللہ ﷺ مال جمع نہیں فرماتے تھے، بہت مال آتا تھا اسے فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے تھے اور اپنے گھروں میں تین تین دن تک آگ نہیں جلتی تھی۔ غزوہ حنین کے موقعہ پر آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمانا شروع کیا تو ایک ایک شخص کو ہزار ہزار بکریاں عنایت فرمادیں اور بعض لوگوں کو سو سو اونٹ دے دیئے صفوان ابن امیہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں آپ کے ساتھ ہو لئے تھے اور چار ماہ کی مہلت لی تھی کہ اسلام لانے کے بارے میں غور وفکر کروں گا جب رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کا یہ عالم دیکھا تو آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ وہ ایمان لے آئے۔

دسواں ملفوظ.......................تکبر کے وبال سے بچئے

یاد رکھئے تکبر بڑی بری بلا ہے، یہی ابلیس کے ملعون ہونے کا سبب بنا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ: "واللہ لایحب کل مختال فخور" ﴿کہ بلاشک اللہ دوست نہیں رکھتا اس شخص کو جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور شیخی کی باتیں کرے۔﴾

اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو حقیر جانتے ہیں فخر، کبر اور نخوت کے نشے میں بھرے رہتے ہیں لفظ مختال خیلاء سے ماخوذ ہے اور باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ لفظ اپنے کو بڑا سمجھنے اترانے، آپے میں پھولے نہ سمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا یہ دل کا بہت بڑا روگ ہے اور اکثر گناہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ شہرت کا طالب ہونا، اعمال میں ریاکاری کرنا، بیاہ شادی میں دنیاداری کی رسمیں برتنا اور یہ خیال کرنا کہ ایسا نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے، یہ سب تکبر ہے۔ چنانچہ اس تکبر کے وبال سے ہمیشہ بچتے رہئے۔

نواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس مثالی اوصاف

قابل احترام بھائیو! یہ ہماری کتاب کا آٹھواں باب ہے۔ اس باب میں ہم نے مردوں کی کامیابی و اصلاح کے لئے دس مثالی اوصاف کو لکھا ہے جن میں ہر ہر وصف مردوں کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ دس اوصاف ان شاء اللہ درج ذیل ترتیب کے مطابق پیش کئے جائیں گے۔

پہلا وصف .... سچائی

دوسرا وصف .... تواضع

تیسرا وصف .... مجاہدہ نفس

چوتھا وصف .... حسن خلق

پانچواں وصف .... اللہ کے لئے محبت کرنا

چھٹا وصف .... بیمار پرسی

ساتواں وصف .... نیکی کی ہدایت کرنا

آٹھواں وصف .... جذبہ ہمدردی

نواں وصف .... محنت کی عظمت

دسواں وصف .... صبر و شکر کا اہتمام

لیجئے اب آپ ترتیب سے ان تمام اوصاف کا مطالعہ کیجئے اور عمل کرنے کی کوشش کیجئے تاکہ آپ کی زندگی شاندار اور فرحاں گزرے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دوسرا وصف

تواضع

"تواضع" عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں "اپنے آپ کو کم درجہ سمجھنا" اپنے آپ کو کم درجے والا کہنا تواضع نہیں، جیسا کہ آج کل لوگ تواضع اس کو سمجھتے ہیں کہ اپنے لئے تواضع اور انکساری کے الفاظ استعمال کرنے لئے، مثلاً اپنے آپ کو "احقر" کہہ دیا، "ناچیز"، "ناکارہ" کہہ دیا "خطاکار" "گناہگار" کہہ دیا، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان الفاظ کے استعمال کے ذریعہ تواضع حاصل ہوگئی، حالانکہ اپنے آپ کو کمتر کہنا تواضع نہیں، بلکہ کمتر سمجھنا تواضع ہے، مثلاً یہ سمجھے کہ میری کوئی حیثیت، کوئی حقیقت نہیں، اگر میں کوئی اچھا کام کر رہا ہوں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، اس کی عنایت اور مہربانی ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں، ...... یہ ہے تواضع کی حقیقت۔ جب یہ حقیقت حاصل ہو جائے تو اس کے زبان سے چاہے اپنے آپ کو "حقیر" اور "ناچیز" "ناکارہ" کہے یا نہ کہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جو شخص تواضع میں اس حقیقت کو حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام عطا فرماتے ہیں۔ اور جہاں تک تواضع کی "اہمیت" کا تعلق ہے تو یہ تواضع اتنی اہم چیز ہے کہ اگر انسان کے اندر تواضع نہ ہو تو کبھی انسان فرعون اور نمرود بن جاتا ہے، اس لئے کہ جب دل میں تواضع کی صفت نہیں ہوگی تو پھر تکبر ہوگا، دل میں اپنی بڑائی ہوگی، اور یہ تکبر اور بڑائی تمام امراض باطنہ کی جڑ ہے۔ دیکھئے! اس کائنات میں سب سے پہلی نافرمانی ابلیس نے کی، اس نے نافرمانی کا بیج بویا، اس سے پہلے نافرمانی کا کوئی تصور نہیں تھا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اور تمام فرشتوں کو ان کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ: انا خیر منه خلقتني من نار و خلقته من طين یعنی میں اس آدم سے اچھا ہوں، اس لئے کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اس کو آپ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، اور

آگ مٹی سے افضل ہے اس لئے میں اس سے افضل ہوں میں اس کو سجدہ کیوں کروں، سب سے پہلی نافرمانی تھی، جو اس کائنات میں سرزد ہوئی اس نافرمانی کی بنیاد تکبر اور بڑائی تھی کہ میں اس آدم سے افضل ہوں یا اچھا ہوں، میں اس سے بہتر ہوں، بس اس تکبر کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو راندہ درگاہ کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ ساری نافرمانیوں اور برائیوں کی جڑ "تکبر" ہے۔ جب دل میں تکبر ہوگا تو دوسری برائیاں بھی اس میں جمع ہوں گی۔

اس تکبر کی وجہ یہ ہوئی کہ شیطان نے اپنی عقل پر ناز کیا، اس نے سوچا کہ میں ایک ایسی عقلی دلیل پیش کر رہا ہوں، جس کا توڑ مشکل ہو، وہ یہ کہ اگر آگ اور مٹی کا تقابل کیا جائے تو آگ مٹی سے افضل ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنی عقل چلائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بارگاہ خداوندی سے مطرود اور مردود ہوا۔ علامہ اقبال مرحوم شعر میں بعض اوقات بڑی حکیمانہ باتیں کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک شعر میں انہوں نے اسی واقعہ کی طرف اس طرح اشارہ کیا کہ ؎

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے .... جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

اس لئے کہ جو عقل کا غلام بن گیا اس نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کو ترک کر دیا، اس شیطان نے یہ نہیں سوچا کہ جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، اسی نے تجھے پیدا کیا، اور اسی نے آدم کو پیدا کیا، وہ خالق کائنات بھی ہے، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ تو آدم کو سجدہ کر تو اب تیرا کام یہ تھا کہ تو اس حکم کے آگے سر جھکا دیتا مگر تو نے اس کے حکم کی نافرمانی کی، اس لئے مردود ہوا۔ بہر حال تکبر سارے گناہوں کی جڑ ہے، تکبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے، تکبر سے حسد پیدا ہوتا ہے، تکبر سے بغض پیدا ہوتا ہے، تکبر کی بنیاد پر دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے، تکبر سے دوسروں کی غیبت ہوتی ہے، جب تک دل میں تواضع نہ ہوگی، اس وقت تک ان برائیوں سے نجات نہ ہوگی اس لئے ایک مومن کے لئے تواضع کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ عبداللہ بن عمرو ؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ جب تم تواضع والوں کو دیکھو تو ان کے ساتھ تواضع اختیار کرو۔ اور جب متکبروں کو دیکھو تو انہیں تکبر دکھاؤ۔ کہ اس میں ان کی حوصلہ شکنی اور توہین ہوگی۔ اور تمہیں صدقہ کا اجر ملے گا۔ حضرت ابوہریرہ ؓ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند کرتے ہیں۔ حضرت عمر ؓ سے روایت ہے کہ تواضع کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس

مسلمان کو بھی ملے اسے سلام کہے اور مجلس میں ادنیٰ مقام کو پسند کرے اور اپنے صلاح و تقویٰ کے ذکر کو ناپسند سمجھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک رات کوئی مہمان آیا عشاء کی نماز پڑھی تو حسب معمول کچھ لکھنے بیٹھ گئے۔ مہمان بھی پاس بیٹھا تھا۔ چراغ بجھنے لگا تو مہمان نے کہا۔ امیرالمومنین میں اسے اٹھ کر درست کر دوں فرمایا مہمان سے کام لینا مروت کے خلاف ہے تو اس نے کہا پھر میں غلام کو جگا دوں۔ فرمایا نہیں وہ ابھی سویا ہے۔ خود اٹھے اور چراغ درست کیا۔ مہمان کہنے لگا۔ امیرالمومنین نے کیوں تکلیف اٹھائی فرمایا! میں گیا تو اس وقت بھی عمر تھا! لوٹ آیا تو بھی وہی عمر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین انسان وہ ہے جو متواضع ہو۔

تواضع اور احساس کمتری میں فرق

آجکل "علم نفسیات" کا بڑا دور ہے اور "علم نفسیات" میں سے ایک چیز آج کل کے لوگوں میں بہت مشہور ہے وہ ہے "احساس کمتری" اس کو بہت برا سمجھا جاتا ہے کہ "احساس کمتری" بہت بری چیز ہے بات دراصل یہ ہے کہ "تواضع" اور "احساس کمتری" میں فرق ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ "علم نفسیات" ایجاد کیا انہیں دین کا علم، یا اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں کوئی علم تھا ہی نہیں انہوں نے ایک "احساس کمتری" کا لفظ اختیار کر لیا حالانکہ اس میں بہت سی اچھی باتیں شامل ہو جاتی ہیں ان کو "احساس کمتری" کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں "تواضع" اور "احساس کمتری" میں فرق ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ "احساس کمتری" میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر شکوہ اور شکایت ہوتی ہے۔ یعنی احساس کمتری میں انسان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھے محروم اور پیچھے رکھا گیا ہے۔ میں مستحق تو زیادہ کا تھا۔ اس قسم کے شکوے اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس شکوے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں جھنجلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس احساس کمتری کے نتیجے میں انسان دوسرے سے حسد کرنے لگتا ہے، اور اس کے اندر مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ اب مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال احساس کمتری کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے شکوے پر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تواضع کی عظیم صفت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

تیسرا وصف

محاسبہ نفس

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ خبردار! خواہشات کو اپنے اوپر حاوی مت ہونے دینا کیونکہ ان خواہشات کا آغاز برا اور انجام بہت نقصان دہ ہوتا ہے۔ اگر دیکھو کہ تمہارا نفس خبردار کرنے اور ڈرانے سے قابو نہیں آ رہا تو اسے امید اور ترغیب کے ذریعے جھکانے کی کوشش کرو، کیونکہ ترغیب اور ترہیب اگر ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو نفس کمزور ہو کر جھک جاتا ہے۔

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ اچھائی اور برائی میں فرق کر سکتا ہے چنانچہ اچھائیوں کو اختیار کرنا اور برائیوں سے بچنا ضروری ہے بقول شخصے کہ اچھائی اور برائی اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرنا ہی انسانیت کا جوہر ہے لیکن عقل کے نہاں خانے سے اس جوہر کو ابھارنے کے لئے مسلسل عمل اور جدوجہد پیہم کی ضرورت ہے۔ اس کوشش کے بغیر یہ جوہر نہیں ابھر سکتا، قرآن کریم نے بھی اس عمل کی ترغیب کرنے پہ زور دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا“۔ ہم جب ہر طرح کی نفس کی کشمکش سے گزر کر استقامت کے ساتھ جب نیکی اور پرہیزگاری کی راہ پہ گامزن ہوں گے تو ہمیں ضرور ان شاء اللہ صراطِ مستقیم نصیب ہوگی۔ اس راہ میں موانع بہت ہیں مشکلات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ نفس خیر و شر کی کشمکش سے ہمیشہ دوچار رہتا ہے، یہ کشمکش نفس انسانی میں ہر آن باقی رہتی ہے۔ اس لئے اسلام نے ایمان و عمل کی تربیت پر زور دیا ہے، کیونکہ ایمان تو درحقیقت ایک پودا ہے اور جب سرزمین قلب میں اس کو لگایا جاتا ہے تو اس میں آخر تب پھول اس وقت لگتا ہے جب اس کی آبیاری کی جائے، اس کی نگہداشت کی جائے، اس کا احتساب کیا جائے، اپنی نیتوں کا جائزہ لیا جائے کہ خوف خدا کس حد تک ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے

نفس کو اتنا کون سی قربانیاں دے سکتا ہے۔

اگر تم اپنے نفس سے مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہو گے تو ایک دن یہ نفس تمہارا مطیع بن جائے گا اور تم کو راہ مستقیم پر لے چلے گا۔ پس اگر تم عقلمند ہو تو سمجھو کہ یہ نفس کے ساتھ مباحثہ کرنا بدعتیوں اور معتزلہ بلکہ دنیا بھر کے تمام مذاہب باطلہ کے ساتھ مناظرہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ ضروری اور بہتر بالشان ہے۔ کیونکہ دوسروں کی غلطیاں اور خطائیں تمہیں کچھ بھی نقصان پہنچانے والی نہیں ہیں اور اپنی خطا و غلطی کا ضرور اپنے ہی اوپر وبال ہے اس کا بھگتان تم ہی کو بھگتنا ہے۔ پہلو میں بیٹھے ہوئے عدو اور خون کے پیاسے دشمن کو سب سے پہلے قتل کرنا چاہئے اور جب اس سے نجات پا کر اطمینان حاصل ہو جائے تب دوسروں کی خبر لینی مناسب ہے۔ تعجب ہے کہ اس دشمن کی جانب کبھی توجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ جو کچھ بھی مانگتا ہے وہ ہی اس کو دیا جاتا ہے اور جو بھی یہ حکم دیتا ہے فوراً اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اس کی خواہشوں کے حصول اور خواہشوں کے پورا کرنے میں غور و فکر کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں اور حیلوں اور تدبیروں سے کام لیا جاتا ہے۔

بھلا سوچو تو سہی، اگر کوئی شخص اپنے دامن کے نیچے ایک زہریلا کالا سانپ چھپائے بیٹھا ہو جو پھنکار مار رہا ہو اور اس کے ڈسنے اور ہلاک کرنے کی تاک میں لگا ہوا ہو، مگر یہ شخص اس کی تو پروا نہ کرے اور دوسرے شخص کے منہ سے مکھیاں اڑانے اور پنکھا جھلنے میں مشغول رہے تو اس سے زیادہ احمق اور بیوقوف کون ہو سکتا ہے؟!

یہی ہمارا حال ہے دوسروں کے ساتھ مباحثہ کرنے اور غیروں کو سیدھے راستہ پر لانے کی فکر میں سرگرم ہیں مگر اپنے نفس امارہ کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اس تباہ کرنے والے شریر دشمن دین و ایمان کو زیر کرنے کی جانب بالکل توجہ نہیں دیتے۔

نفس کو برائیوں سے روکتے رہنا اور نیکیوں کی طرف اس کے رجحانات کو غالب بنانا اس کی تربیت کا حصہ ہے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم خود اپنے دلوں کو ٹٹولتے رہیں اور اپنی نگاہوں کو اپنے نفس کے تعاقب میں دوڑاتے رہیں تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت ہماری فطرت اور عادت بن جائے اور بدی کا رجحان مغلوب ہو جائے۔

اسلام کے بنیادی ارکان یعنی توحید و رسالت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے احکامات پر غور کیا

جائے تو ان کی فرضیت میں یہی راز پنہاں ہے کہ نفس اطاعت الٰہی کا عادی ہو جائے اور جو برائیاں ان عبادتوں کی روح کے خلاف ہیں وہ دھیرے دھیرے اس طرح چھوٹ جائیں کہ پھر ان کا نفس انسانی کے قریب آنا ناممکن ہو جائے۔ مثلاً ہر بار کلمہ شریف پڑھنے سے اللہ کی وحدانیت اور رسول اقدس ﷺ کی رسالت کا اقرار، اور ہر نماز سے عجز و انکسار پیدا ہو جائے اور اسی طرح روزے سے ضبط نفس، مشقت اور اطاعت کی تربیت ہو جائے۔ زکوۃ سے بخل اور حب مال کا عیب دور ہو جائے اور غرباء کی مدد کا جذبہ پیدا ہو حج سے اسلامی اخوت پیدا ہو۔ ان تمام عبادتوں کا باطنی مقصد نفس کی تربیت ہی ہے۔

چنانچہ ایک صحابی نے حضور اکرم ﷺ سے گزارش کی، یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے کہ آپ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پیش آئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تو اس پر استقامت اختیار کرو۔

(فائدہ) استقامت کے ظاہری معنی تو ثابت قدمی ہی کے ہوتے ہیں لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ استقامت حسن عمل کے اس تسلسل کو کہتے ہیں جو نفس کی عادت ثانیہ اور مزاج کی اساسی خصوصیت بن جائے۔ لہٰذا نفس کو اطاعت میں منہمک رکھنا، اور جو باتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناپسند ہیں ان سے اس کو روکنے کی کوشش میں ہمہ وقت مصروف رہنا نفس کی تربیت ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنے نفس کی حفاظت کرو، اگر تم سیدھی راہ پر ہو تو گمراہ ہونے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (سورہ مائدہ آیت ۱۰۵)

بہرحال مندرجہ بالا تمام گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ ہر ہر مسلمان کے لئے اپنے نفس کی نگرانی ضروری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، دوسروں کی گمراہی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مگر یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ وہ خود اپنے نفس کا احتساب شدت سے کرتا ہو اور منکرات سے اسے بچاتا ہو۔ اس کوشش کا نام تربیت نفس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نفس کی حفاظت و تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

چوتھا وصف

حسن خلق

اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں اور نہ ہی چند عبادات تک محدود ہے بلکہ یہ مکمل زندگی کے شب و روز گزارنے کا طریقہ اور کامل و مکمل اور اکمل ترین دین ہے۔ ایک مختصر سے جملے میں ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ یہ ایک عظیم اور مستقل تہذیب ہے۔ اسلام نے عقائد و عبادات کے بعد تیسرا درجہ اخلاقیات کو دیا ہے۔ یقیناً اعلیٰ اخلاق دین ہے اور یہ کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ دین اور اخلاق کو کسی بھی طرح الگ نہیں کیا جا سکتا اس وقت تک دین کی تکمیل ممکن ہی نہیں جب تک کہ اعلیٰ اخلاق کی طاقت حاصل نہ ہو جیسا کہ آنے والی احادیث سے یہ مفہوم واضح ہو رہا ہے۔

یاد رکھیے! اعلیٰ اخلاق رسول اقدس ﷺ کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ہے آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز تھے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وانک لعلی خلق عظیم ترجمہ: اور بے شک آپ حسن خلق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے رسول اقدس ﷺ اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے انتہائی جامع الفاظ میں جواب ارشاد فرمایا کہ۔ کان خلقه القرآن (ترجمہ) آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق قرآن کریم والے اخلاق تھے (مسلم) یعنی رسول اقدس ﷺ ان تمام صفات اعلیٰ اور اخلاق حسنہ سے متصف تھے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں اور قرآن کریم سے بڑھ کر اخلاق کس کے ہو سکتے ہیں آپ ﷺ قرآن کریم کی ان تمام صفات کے بہترین نمونہ تھے بلکہ ایک عالم دین نے اپنے وعظ میں یہاں تک فرمایا اور ایک کتاب میں مطالعے کے دوران بھی یہ بات نظروں سے گزری کہ رسول اقدس ﷺ کی صداقت و نبوت کیلئے اگر آپ ﷺ کو کوئی معجزہ نہ دیا جاتا تو صرف آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق ہی آپ ﷺ کی صداقت و نبوت کیلئے کافی تھے۔

ایک موقع پر خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

(ترجمہ: میں اچھے اخلاق کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ چنانچہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ سے زیادہ دنیا میں کوئی بااخلاق نہ تھا اور نہ قیامت تک کوئی آسکتا ہے البتہ جو آپ ﷺ جیسے اخلاق اپنانے کی کوشش کرے گا یقیناً کامیاب ہوگا۔

حسنِ خلق کی اہمیت احادیث کی روشنی میں

﴿حدیث نمبر۱﴾ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اقدس ﷺ سے پوچھا کہ انسان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا بہترین ہدیہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ حسن اخلاق۔ (مسند احمد)

﴿حدیث نمبر۲﴾ رسول اقدس ﷺ نے آخری ایام میں جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں متعدد نصیحتیں فرمائی تھیں وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آخری نصیحت مجھے اس وقت فرمائی جبکہ میں نے اپنے پاؤں اپنی سواری کے رکاب میں رکھ لیا تھا وہ یہ تھی کہ اے معاذ لوگوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق سے پیش آنا۔ (موطا امام مالک)

﴿حدیث نمبر۳﴾ ایک شخص نے رسول اقدس ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ جہاں بھی رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس نے عرض کیا کہ کچھ اور نصیحت فرمایئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کے بعد نیکی کا ضرور کیا کرو، نیکی گناہ کو مٹا دیتی ہے اس نے عرض کیا کہ مزید نصیحت فرمایئے آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معاملہ کرو۔

﴿حدیث نمبر۴﴾ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ اعرابی آپ ﷺ سے یہ دریافت کر رہے تھے کہ بندے کو سب سے اچھی چیز کیا عطا ہوئی؟ آپ ﷺ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ اخلاق۔

﴿حدیث نمبر۵﴾ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص میں یہ تین چیزیں یا ان میں سے ایک نہ ہو تو اس کے کسی عمل کا اعتبار مت

کرو۔ تقویٰ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اسے روکے! بردباری جس سے بے وقوف کو باز رکھے اور اعلیٰ اخلاق جن کے سہارے لوگوں کے درمیان زندگی گزارے ۔ (طبرانی)

﴿حدیث نمبر ۹﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خوش اخلاقی گناہ کو اس طرح پگھلا دیتی ہے جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے! خوش اخلاقی کے وصف کو ان الفاظ میں بھی بیان فرمایا جس کا ترجمہ ہے کہ خوش اخلاقی امن یا اچھا شگون ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۹۰)

حسن اخلاق محفل کی زینت ہے

جب کسی محفل میں جاؤ تو ان اشخاص کے طرز عمل اور اعلیٰ اخلاق کو جو بہتر ہوں۔ ملاحظہ کرو۔ مثلاً مشہور ہے کہ انسان اخلاق ہی سے بنتا ہے۔ اور عمدہ سیرت سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے۔ خوش اخلاقی سب آدمیوں کے لئے ضروری ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کے لئے خوش اخلاقی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ لیاقت اور علم سے دلوں پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں جب خوش اخلاقی سے دلوں پر قبضہ کر لیا جائے تو یہ دونوں اس قبضے کو ہمیشہ کے لئے بحال رکھتے ہیں۔ اپنی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، حرکات و سکنات اور ظاہری شکل و شباہت سے دوسروں کی آنکھ کو اور اپنی آواز، طرز گفتگو اور لب و لہجہ سے دوسروں کے کانوں کو گرویدہ کرو۔ پھر دل خود بخود گرویدہ ہو جائے گا۔

دنیا کے مکتب میں انسان کے لئے انسان ہی سہل الحصول اور سب سے بڑھ کر مفید کتاب ہے۔ جس کے مطالعے سے وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سبق سیکھتا ہے۔ پس جو لوگ اپنے ناپاک اخلاق کا برا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف انسانی زندگی کو تباہ کر رہے ہیں بلکہ نظام قدرت میں بدنظمی پھیلانے کے بھی مجرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاق کی دولت نصیب فرمائے! آمین۔

پانچواں وصف

اللہ کے لئے محبت کرنا

کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر محبت رکھنا بھی بڑا عظیم الشان عمل ہے جس پر بہت اجر و ثواب کے وعدے کئے گئے ہیں۔ "اللہ کے لئے محبت کرنے کے" معنی یہ ہیں کہ کسی سے کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ یا تو اس سے اس لئے محبت کی جائے کہ وہ زیادہ دیندار، متقی، پرہیزگار ہے، یا اس کے پاس دین کا علم ہے یا وہ دین کی خدمت میں مشغول ہے، یا اس لئے محبت کی جائے کہ اس سے محبت کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، مثلاً والدین۔ ایسی محبت کو احادیث میں "حُبّ فی اللہ" (اللہ کے لئے محبت) کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج جب کہ میرے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہے، میں ایسے لوگوں کو اپنے سائے میں رکھوں گا۔" ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ: "اللہ کی عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے۔" ابو ادریس خولانی "مشہور تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں جامع دمشق میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ "بخدا مجھے آپ سے اللہ کی خاطر محبت ہے۔" انہوں نے بار بار مجھے قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی تمہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر مجھ سے محبت ہے؟ جب میں نے ہر بار اقرار کیا تو انہوں نے میری چادر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا کہ خوشخبری سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کو لازمی طور پر حاصل ہوگی جو میری خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ جو میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں، جو میری خاطر ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت رکھنا چونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے اس پر اللہ تعالیٰ سے محبت کا اجر و ثواب ملتا ہے اور اس محبت کی

برکت سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے والے کو اپنے محبوب لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟" عرض کیا کہ "تیاری تو کچھ نہیں۔ البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو گے۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے جتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور چیز سے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ مجھے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت ہے، اور اس محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا۔ اگرچہ میرے اعمال ان کے اعمال کے برابر نہیں ہیں۔" (بخاری) اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کسی سے محبت رکھنا بہت فضیلت کا عمل ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی نیک عمل کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور آخرت میں بھی نیک لوگوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ہمیشہ اللہ کے لئے محبت رکھنی چاہئے اور اس نیت سے رکھنی چاہئے کہ اس محبت کی برکت سے مجھے بھی نیکی کی توفیق ہو، اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں۔

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُم .... لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

"میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ خود نیکوں میں سے نہیں ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی عطا فرمادیں۔" حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے محبت کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے بھائی کو بتادے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ایک اور شخص وہاں سے گزرا بیٹھے ہوئے شخص نے کہا کہ "یا رسول اللہ مجھے اس شخص سے محبت ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے اسے بتادیا ہے؟ اس نے کہا نہیں" آپ نے فرمایا "اسے بتادو" وہ شخص اٹھا اور جانے والے کے پاس پہنچ کر اس سے کہا "میں تم سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں" اس نے کہا "جس اللہ کے لئے تم مجھ سے محبت کرتے ہو خدا کرے وہ تم سے محبت کرے۔" اللہ تعالیٰ ہمیں باہمی محبت والفت نصیب فرمائے آمین۔

چھٹا وصف

بیمار پرسی

بیمار شخص کی عیادت (بیمار پرسی) بھی بڑے اجر وثواب کا عمل ہے اور آنحضرت ﷺ نے ہر مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمان کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں ان میں بیمار پرسی بھی داخل ہے بعض فقہاء نے اسے واجب تک کہا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کرنے جاتا ہے وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "جو کوئی مسلمان صبح کے وقت کسی دوسرے مسلمان کی عیادت کو جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ شام کے وقت کسی کی عیادت کو جاتا ہے تو اگلی صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور اس کو جنت کا ایک باغ عطا کیا جاتا ہے

آنحضرت ﷺ کا ایک مستقل معمول تھا کہ اپنے ملنے جلنے والوں میں سے کسی کی بیماری کی اطلاع ملتی تو اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اس کا حال پوچھا جائے۔ بشرطیکہ ہاتھ رکھنے یا حال پوچھنے سے اس کو تکلیف نہ ہو اگر تکلیف کا اندیشہ ہو تو ہاتھ نہ رکھنا چاہئے نہ حال پوچھنا چاہئے۔ ایسے میں تیمارداروں سے خیریت دریافت کر لینا کافی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بیمار کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اسئل اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک یعنی وہ اللہ جو خود عظیم ہے، اور عظیم عرش کا مالک ہے، میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا عطا فرمائے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی موت کا وقت نہ آچکا ہو، اس کو اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرما دیتے ہیں۔ (ابوداود)

آنحضرت ﷺ مریض کی عیادت کے وقت بہ کثرت یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. اے تمام لوگوں کے پروردگار تکلیف کو دور فرما دیجئے اور شفاء عطا فرمائیے، آپ شفاء دینے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی شفاء نہیں دے سکتا، ایسی شفاء دیجئے جو بیماری کا کوئی حصہ نہ چھوڑے۔

نیز بیمار کو دیکھ کر یہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ تمہارا نقصان نہ ہو (یہ بیماری) انشاء اللہ تمہارے لئے پاکی کا موجب ہوگی۔

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام میں جہاں بیمار پرسی کی فضلیت بتلائی گئی ہے وہاں یہ بھی فرمایا کہ اپنے کسی عمل سے مریض کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے۔ جس عیادت سے بیمار یا تیمارداروں کو زحمت اٹھانی پڑے اس سے ثواب کے بجائے گناہ کا شدید خطرہ ہے۔

چنانچہ اگر مریض کے لئے کسی شخص سے ملاقات مضر ہو تو ایسے میں ملاقات پر اصرار کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے میں باہر ہی باہر سے حال معلوم کر کے آجانے اور دعا کرنے سے عیادت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ مریض کو جتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اگر مریض کا دل خوش کرنا مقصود ہو تو تیمارداروں سے کہہ دیا جائے کہ وہ کسی مناسب وقت پر مریض کو اطلاع کر دیں کہ فلاں شخص آپ کی عیادت کے لئے آیا تھا اور آپ کے لئے دعا کرتا ہے۔

اسی طرح حدیث میں اس بات کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے وہ اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔ بلکہ مختصر عیادت کر کے چلا آئے، کیونکہ زیادہ دیر بیٹھنے سے اکثر مریض کو تکلیف ہوتی ہے۔ جس میں بلا تکلف شخص کو خود مریض اپنی تسلی یا دل بستگی کے لئے بٹھانا چاہے، اس کے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب بھی نہایت ضروری ہے، ایسے وقت میں عیادت کو جانا درست نہیں ہے جب مریض کے آرام یا دیگر معمولات میں خلل آئے، لہٰذا تیمارداروں سے پہلے پوچھ لینا چاہئے کہ عیادت کا مناسب وقت کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ساتواں وصف

نیکی کی ہدایت کرنا

کسی دوسرے شخص کو کسی نیک کام پر آمادہ کرنا بھی بہت ثواب کا کام ہے۔ اگر ایک شخص کی کوشش سے کوئی دوسرا شخص کسی نیک کام پر تیار ہو جائے، تو اس نیک کام کا جتنا ثواب کرنے والے کو ملے گا، اتنا ہی ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جس نے اس نیک کام میں اس کی رہنمائی کی۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص کسی نیک کام کی طرف کسی کی رہنمائی کرے، اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس کے کرنے والے کو ملے گا۔" (مسلم)

اور نیک کام کی طرف یہ رہنمائی اگر اجتماعی شکل میں ہو، یعنی بہت سے لوگوں کو نیکی کی ترغیب دی جائے، اور اس ترغیب کے نتیجے میں وہ کام کرلیں تو سب لوگوں کی نیکیوں کا ثواب رہنمائی کرنے والوں کو ملتا ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص ہدایت کی دعوت دے، اس کو ان تمام لوگوں کے برابر ثواب ملتا ہے جو اس کی ہدایت پر عمل کریں اور ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، اور جو شخص کسی گمراہی کی دعوت دے، اس کو ان تمام لوگوں کے برابر گناہ ہوگا جو اس کی دعوت پر عمل کریں، اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ (مسلم شریف)

یہ ثواب تو اس وقت ہے جب دوسرا شخص رہنمائی کرنے والے کی بات پر عمل کرلے۔ لیکن اگر بالفرض وہ عمل نہ بھی کرے تب بھی انشاء اللہ خیر خواہانہ نصیحت کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔

اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ

نیکی کا حکم دینا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے۔ (مسلم)
لہٰذا جب کسی شخص کو کوئی اچھی بات بتانے یا کسی نیکی کا مشورہ دینے کا موقع ملے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس کام کے لئے طریقہ ایسا اختیار کیا جائے جس سے سننے والے کی رسوائی یا دل آزاری نہ ہو، مجمع میں رو برو ٹوک نہ کی جائے اور انداز متکبرانہ اور حقارت آمیز نہ ہو، بلکہ تنہائی میں اپنے نرم لہجے کے ساتھ بات کی جائے جس میں دل سوزی، دردمندی اور خیر خواہی نمایاں ہو، اس کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیا جائے جس میں سننے والے کا ذہن متوجہ ہو۔ غرض حکمت اور خیر خواہی کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

﴿اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو۔﴾

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

آٹھواں وصف

جذبۂ ہمدردی

کسی مسلمان کا کوئی ضروری کام کر دینا یا اس کے کام میں مدد کرنا یا اس کی کوئی پریشانی دور کر دینا بھی ایک ایسا عمل ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے بہت اجر و ثواب کے وعدے فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں لگا ہو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگے رہتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی بے چینی دور کرے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس سے قیامت کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور فرما دیتے ہیں۔"

کسی شخص کی ضرورت پوری کرنا کسی کا مقدمہ لڑنا اس کی مدد کرنا غرض خدمت خلق کے تمام کام اس حدیث کی فضیلت میں داخل ہیں جو لوگ دوسروں کے کام آتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑی فضیلت والے لوگ ہیں۔ حدیث میں ہے کہ:

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ

لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

لہٰذا خدمت خلق کا ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کے مواقع تلاش کرتے رہیں اس سے انسان کی نیکیوں میں بہت اضافہ ہوتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص پر ظلم ہو رہا ہو تو اس کو ظلم سے بچانے کی امکانی کوشش ہر مسلمان کا فرض ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ حق تلفی کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:

"جس جگہ کسی مسلمان کی بے حرمتی کی جا رہی ہو اور اس کی آبرو پر دست درازی ہو رہی ہو وہاں جو مسلمان اس شخص کو بے یار و مددگار چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو ایسے مواقع پر بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہوگا اور جس جگہ کسی مسلمان کی بے آبروئی یا بے حرمتی ہو رہی ہو وہاں اگر کوئی مسلمان اس کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ اس کی مدد کریں گے جہاں وہ خواہش مند ہوگا۔" (ابوداؤد)

مسلمان کی مدد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر کسی جگہ اس پر غلط الزامات لگائے جا رہے ہوں یا غلط باتیں اس کی طرف منسوب کی جا رہی ہوں تو ان الزامات کا جائز دفاع کیا جائے چنانچہ حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اپنے کسی بھائی کی آبرو کا دفاع کرے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو ہٹا دیں گے۔" (ترمذی)

اور اسی طرح یتیموں اور بیواؤں کی مدد بھی بہت فضیلت کا عمل ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کے حالات درست کرنا بڑی بھلائی ہے۔﴾

اور حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اشارہ فرمایا۔" (بخاری)

اس حدیث میں کسی یتیم کی سرپرستی کی اتنی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کی عظمت کا تصور بھی مشکل ہے۔ یعنی ایسا شخص جنت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ سے نہایت قریب ہوگا۔ اس انتہائی قرب کو ظاہر کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس قسم کا قرب ہوگا جیسا کہ شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی ایک دوسرے سے قریب ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ یتیم کی سرپرستی کرنے والا خواہ اس کا کوئی رشتہ دار ہو مثلاً ماں، دادا، بھائی وغیرہ یا رشتہ دار نہ

نواں وصف

محنت کی عظمت

کامیابی کے لئے محنت کی اشد ضرورت ہے۔ وہ محنتی آدمی جو ذہین نہ ہو، اس ذہین آدمی سے جو محنتی نہ ہو، یقیناً زیادہ کامیاب ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ ذہنی جھجک ہے۔ جھکانے والا چاہیے۔ جھکانے والا طاقت ور ہی ہوگا۔ لیکن طاقت کو کوئی اتفاقی شے سمجھنا غلطی ہے۔ طاقت تو محض کمزوریوں کی دوری کا نام ہے۔ اس لئے اگر آپ بھی کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو کوشش پیہم سے کام کیجئے اور اپنے نفس کا اچھی طرح جائزہ لیجئے۔ اپنی کمزوریوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے نقاب کیجئے، اور اپنے ساتھیوں سے اپنا مقابلہ کر کے دیکھئے کہ وہ کون کی کمزوریاں ہیں جن پر وہ غلبہ پا چکے ہیں لیکن جناب تک آپ میں موجود ہیں اور دوسروں کی طاقت کو محض قسمت کا عطیہ نہ تصور کیجئے۔ بلکہ یہ یقین کیجئے کہ انہوں نے سالہا سال کی جدوجہد، تکلیف اور ریاضت کے بعد اپنی کمزوریوں کو دور کیا۔ وہ اپنی زندگی کو منجدھار سے بچا بچا کر کامیابی کے ساحل تک لائے ہیں۔ وہ لوگ جو ناکام رہتے ہیں، وہ کبھی بھی اپنی کمزوریوں کو ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔ وہ تو سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر چکے۔ کامیابی نہیں ہوتی تو کس کا قصور؟ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ ناکامی کو زندگی گزارنے کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی حالت کو زبوں حالی، اپنے چہرے کو پریشان اور مستقل اپنی طبیعت کو رنجیدہ بنائے رہتے ہیں۔ اور کون ان سے کہے گا کہ دوبارہ کوشش کرو اور خوب محنت کرو اس طرح ان کی زندگی گزر ہی جائے گی اور خوب کامیاب اور مصروف زندگی گزرے گی ... موجوں کا ایک طوفان آتا ہے، اٹھتی موجوں کا، بکھرتی موجوں کا، اور لوگ جو اٹھتی موجوں کے ساتھ بڑھتے رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں کتنی مسکراہٹیں ہیں کتنی خوشیاں ہیں۔ اس کا ایک ایک قدم پر معنی ہے، مقصد سے بھرا ہوا ہے۔ اور وہ جو اس کی بڑھتی ہوئی موجوں کا ساتھ نہیں دے پاتے اور محنت نہیں کر سکتے وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں کتنا تضاد ہے۔ جھوٹی باتوں کا ڈھیر ہے زندگی۔ اگر یہ چاہتے ہیں کہ چاند کو اس ٹھنڈی سی روشنی تبدیل کو

دسواں وصف

صبر و شکر کا اہتمام

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہر آن انسان پر مبذول رہتی ہیں۔ یہ نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو ٹھیک ٹھیک شمار نہ کر سکو گے۔﴾ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اگر دوسری نعمتوں کو چھوڑ دیا جائے تو صرف زندگی کی نعمت اتنی بے حساب ہے کہ ہر سانس میں دو نعمتیں چھپی ہیں۔ سانس کا اندر جانا ایک نعمت اور باہر آنا دوسری نعمت ہے۔ کیونکہ اگر سانس اندر جائے اور باہر نہ آئے تو دوسری مصیبت ہے، لہٰذا ہر سانس پر انسان کو دو نعمتیں ملتی ہیں، اور ہر نعمت شکر کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا اگر ہر سانس پر آدمی ایک بار شکر ادا کرے تب بھی صرف سانس کی نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ دوسری بے شمار نعمتوں کا تو کیسے شکر ادا ہو سکتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ٹھیک ٹھیک شکر ادا کرنا تو انسان کے بس سے باہر ہے، لیکن کثرت سے شکر ادا کرتے رہنا ایک انتہائی محبوب عمل ہے جس پر ثواب بھی بے حساب ملتا ہے۔ نعمتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿پس تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا، اور تم میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔﴾

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ: ﴿اور ہم شکر کرنے والوں کو اچھا صلہ دیں گے۔﴾ نیز ارشاد ہے کہ: ﴿اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا، اور ناشکری کرو گے تو یاد رکھو میرا عذاب سخت ہے۔﴾ اللہ تعالیٰ کو شکر گزار بندہ بہت محبوب ہے اور ناشکرا شخص نہایت ناپسند ہے۔ کیونکہ ناشکری انتہائی کم ظرفی کی علامت ہے۔ ناشکرے شخص کو اگر کوئی ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اسی کو لے بیٹھتا ہے۔ اسے وہ بے شمار نعمتیں نظر نہیں آتیں جو عین اس تکلیف کے عالم میں بھی اس پر برس رہی

نجات اس دنیا میں ممکن نہیں۔ لہٰذا اس دنیوی زندگی میں ہر شخص کو کسی نہ کسی شکل میں تکلیفوں اور غموں سے سابقہ ضرور پیش آتا ہے، اگر وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے، ہر وقت جا بجا اپنے غموں کا دکھڑا روتا رہے، اور اپنی تقدیر کا گلہ شکوہ کرے۔ تب بھی اسے غموں سے بالکلیہ نجات نہیں مل سکتی۔ لیکن اس صورت میں ایک تو وہ ہمیشہ ہمیشہ تکلیف کی گھٹن کا شکار رہے گا، دوسرے اس بے صبری کا بہت بڑا نقصان یہ ہوگا کہ یہ تکلیفیں جو اس کے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ بن سکتی تھیں ان کا کوئی اجر بھی نہیں ملے گا۔ اس کے برعکس ایک انسان وہ ہے جو تکلیف اور صدمے کے موقع پر یہ سوچتا ہے کہ یہ چند روزہ دنیا کی تکلیف ہے، اور دنیا کی تکلیفوں سے کسی کو بھی مکمل چھٹکارا نہیں مل سکتا، اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا خواہ اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لہٰذا مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا شکوہ کرنے کے بجائے اس کی حقانیت پر ایمان رکھنا چاہئے۔ اگرچہ اس تکلیف دہ واقعے سے مجھے صدمہ پہنچا ہے۔ اس صدمے کی وجہ سے میرا دل بھی اندر رہا ہے، لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے کوئی شکایت نہیں، کیونکہ وہی جانتے ہیں کہ میری بہتری کس چیز میں ہے؟ میں ان ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے۔ اسے میرے حق میں بہتر بنادیں۔ میرے دل کو سکون اور تسلی عطا فرمادیں اور آئندہ مجھے ایسی تکلیفوں سے محفوظ رکھیں۔ جو مجھے بیتاب کرنے والی ہوں۔ اس شخص کی اسی سوچ کا نام "صبر" ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کو تسلی ہوتی ہے، بے چینی میں کمی آتی ہے۔ دل کو قرار نصیب ہوتا ہے، اور دوسری طرف جو تکلیف پہنچی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب اجر ملتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ: ﴿بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب بے حساب دیا جائے گا۔﴾ یاد رکھئے کسی تکلیف کے موقع پر دل میں صدمہ پیدا ہونا کوئی گناہ نہیں، بلکہ تکلیف اور صدمے کے موقعے پر بے اختیار جو رونا آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں، بے صبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض اور شکوہ شکایت شروع کردے، اگر دل میں صدمے کی آگ سلگ رہی ہے، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں طبیعت پریشان ہے، بار بار رونا آرہا ہے، لیکن انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر ایمان رکھتا ہے تو اسی کا نام "صبر" ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب اجر کا وعدہ ہے۔ (ذکر و فکر از مفتی محمد تقی عثمانی)

دسواں باب

مردوں کی مثالی زندگی کے لئے دس آئیڈیل شخصیات

قارئین کرام! یہ آپ ہماری کتاب ''مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو'' کا دسواں اور آخری باب ہے، اس باب میں ہم نے دس آئیڈیل شخصیات کا تذکرہ کیا ہے، جن کی مدد سے اکابرین میں سے اللہ والی ایک آئیڈیل شخصیت کا پتہ دیا ہے کہ حقیقی زندگی کیا ہوتی ہے، ایک شخص راہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے تمام اکابرین ہمارے لئے آئیڈیل ہیں لیکن یہاں چونکہ فقط نمونہ پیش کرنا مقصود ہے اس لئے صرف دس آئیڈیل شخصیات کا ہی انتخاب کیا گیا ہے، بہرحال مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق ہم یہاں ان آئیڈیل شخصیات کا ذکر خیر شروع کرتے ہیں لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آئیڈیل شخصیت نمبر ۱ .... حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

آئیڈیل شخصیت نمبر ۲ .... قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

آئیڈیل شخصیت نمبر ۳ .... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

آئیڈیل شخصیت نمبر ۴ .... بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس دہلوی

آئیڈیل شخصیت نمبر ۵ .... شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی

آئیڈیل شخصیت نمبر ۶ .... شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری

آئیڈیل شخصیت نمبر ۷ .... امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری

آئیڈیل شخصیت نمبر ۸ .... محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

آئیڈیل شخصیت نمبر ۹ .... مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب

آئیڈیل شخصیت نمبر ۱۰ .... شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید

آئیڈیل شخصیت نمبر۱

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا تاریخی نام خورشید حسن ہے آپ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے مولاناؒ کے والد ماجد شیخ اسد علی صاحب تھے۔ جو بات مروت اور صاحب اخلاق، کنبہ پرور، مہمان نواز، نمازی و پرہیزگار تھے۔ مولانا مملوک علی صاحب کے ساتھ دہلی جا کر شاہنامہ وغیرہ بھی پڑھی تھیں۔ ان کی عمر کا زیادہ حصہ کھیتی باڑی ہی میں گزرا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دادا شیخ غلام شاہ تھے۔ ان کی بھی تعلیم زیادہ نہ تھی۔ مگر بڑے ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ درویشوں کی خدمت کرتے تھے۔ خواب کی تعبیر دینے میں مشہور تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ مختصر نسب نامہ یہ ہے۔ محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاؤالدین بن فتح محمد بن مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی ہاشم نانوتوی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بچپن ہی سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز و وسیع حوصلہ، جفاکش، جری اور چست تھے۔ مکتب میں اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ اول رہتے تھے۔ قرآن مجید بہت جلد ختم کر دیا تھا۔ خط بھی سب ساتھیوں میں اچھا تھا۔ شاعری کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ اپنے بچپن اور بعض قصے نظم کر لیا کرتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ کا ننھیالی رشتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاندان سے ملتا تھا اور حضرت کی بہن نانوتہ میں بیاہی ہوئی تھی۔ آپ اسی وجہ اکثر اپنی بہن سے ملنے نانوتہ تشریف لے جایا کرتے تھے اسی زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے جلد سازی سیکھی تھی اپنی اپنی کتابوں کی جلد خود باندھ لیا کرتے تھے۔ نانوتہ میں آپ کے خاندان میں ایک ایسا قضیہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو نانوتہ سے دیوبند بھیجا گیا۔ شیخ کرامت حسین کے گھر پر شیخ نہال احمد صاحب پڑھتے

تھے۔ مولوی صاحب کو انہوں نے عربی پڑھائی۔ پھر سہارنپور اپنے نانا کے پاس آ گئے۔ وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوری سے کچھ پڑھا۔

طالب علمی میں خواب

ایام طالب علمی میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اپنے استاد حضرت مولانا مملوک علیؒ سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہو گا۔ اور اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند نے برصغیر پاک و ہند میں خصوصاً پورے عالم اسلام میں عموماً جو کتاب و سنت و فقہ کی اشاعت کی ہے اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ توحید و رسالت، خدا خوفی اور فکر آخرت پیدا کر کے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کو باخدا بنا دیا۔ معاشرتی اور تمدنی زندگی حقوق العباد کا صحیح جذبہ پیدا کیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ کسی بھی حال میں اسلام کے تیرہ سو سالہ تسلسل اور اسلاف کی وابستگی میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کی شاخوں سے کسب فیض کرنے والے علماء و فضلاء کی اگر فہرست تیار کی جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہوگی۔ علم ظاہر اور باطن دونوں میں یکساں ماہر افراد تیار کیے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی علمی قابلیت اور تقویٰ بے مثال و بے نظیر تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایک لسان عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت شمس تبریز کے واسطے مولانا رومؒ کو لسان بنایا تھا۔ اور مجھ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لسان عطا ہوئے ہیں اور جو میرے قلب میں آتا ہے بیان کر دیتے ہیں۔

ایک اور خواب

ارواح ثلاثہ میں ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے خواب میں دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی جگہ پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر ہے جو

مجمع سے پاؤں سے ٹکرا رہی تھی ہے۔ اس خواب کو انہوں نے مولانا محمد یعقوب صاحب (المتوفی ۱۳۰۲ھ) برادر رشید مولانا محمد اسحاق صاحب (المتوفی ۱۲۹۰ھ) سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی اور وہ بہت پکا حنفی ہوگا اور اس کو خوب شہرت ہوگی لیکن شہرت کے بعد اس کا جلد انتقال ہو جائے گا۔ اور اس خواب کی تعبیر پوری کھل جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت نانوتویؒ ان کے تلامذہ اور دارالعلوم دیوبند نے فقہ حنفی کی جو خدمت کی ہے اس کا کوئی کیا ذکر کر سکتا ہے۔ خود حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بعض مسائل فقہ خلف الامام پر توثیق الکلام اور الدلیل المحکم اور بیس رکعت تراویح پر رسالہ تراویح وغیرہ اور اسی طرح دیگر مسائل مختلف فیہ جو مفصل اور مدلل کتابیں لکھی ہیں وہ علمی دنیا میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔

سادگی و کسر نفسی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بہت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے۔ مزاج تنہائی پسند تھا اور اول عمر سے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر ساکت رہتے۔ اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ ان کے حال سے بھلا ہو یا برا کسی کو اطلاع نہ ہوتی۔ آپ کتنے یہاں تک کہ بیمار بھی ہوتے۔ تب بھی شدت کے وقت کسی نے جان لیا تو جان لیا ورنہ خبر بھی نہ ہوتی۔ اور دوا کرنا تو کہاں۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے چھاپہ خانہ میں جب کام کیا کرتے تھے۔ مدتوں یہ حیثیت رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں کوئی نام لے کر پکارتا تو خوش ہوتے۔ تعظیم سے نہایت گھبراتے۔ بے تکلف مزاج میں سے رہتے جوتا کرتہ مرید ہوتے ان سے دوستوں کی طرح رہتے۔ وہ کہنا ایک تو علم بڑا کرتے کچھ نہ کہتے تھے۔ ایک دن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ اس علم نے خراب کیا۔ ورنہ اپنی وضع کو ایسی خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔ میں جو دوسرا سا شہرت پھیلی کسی نے کیا جانا۔ جو حالات تھے وہ کس قدر تھے۔ کیا ان میں سے ظاہر ہوتے اور سب کو خاک میں ملا دیا اپنا بھلا برا نفع نقصان بھی نہ جانا۔ آئے گئے کے حوالے فرماتے۔ فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر لگانا تو در کنار۔ دل امامت سے بھی گھبراتے۔ فرمایا کرتا ہوا

وطن میں نماز پڑھا دیتے وعظ بھی نہ کہتے۔ جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی (جو اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے) نے اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا۔ اور بہت خوش ہوئے۔

سخاوت و مہمان نوازی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے والد ماجد کو بڑی فکر تھی کہ کچھ ذریعہ معاش اختیار نہیں کرتے اور شادی نکاح کرتے نہیں۔ بالآخر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب سے ذکر کیا۔ حاجی صاحب نے مجبور کیا تو ناچار نکاح پر راضی ہو گئے۔ مگر شرط یہ لگائی کہ میرے ساتھ جیسی حالت میں ہو گا بیوی رہے گی۔ غربت ہو یا تنگدستی۔ سسرال نے یہ شرط قبول کی۔ ایک چھاپہ خانہ میں پانچ روپے ماہوار تصحیح کا کام کرنے لگے مزاج میں مہمان نوازی اور سخاوت، بچے کیا؟ جب گھر آتے تو مہمان بہت آتے۔ بالآخر بیوی کی اجازت سے اس کا زیور فروخت کر دیا۔ وہ بھی نہایت تابعدار تھیں۔ پہلے والدین کی بے حد خدمت کی بعد میں شوہر کی آخر میں اللہ جل شانہ نے کشادگی عنایت فرمائی تو جو کچھ دیا بیوی کو لا کر دیتے۔ اور بیوی بھی ایسی کشادہ دست کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا کوئی مہمان آیا۔ اسی وقت کھانا پکا کر کھلایا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مہمان آیا اور فوراً کھانا نہ ملا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی خود فرمایا کرتے کہ ہماری سخاوت اہلیہ کی والدہ کی بدولت ہے۔ جو میں قصد کرتا ہوں۔ وہ مہمان نوازی میں بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر کے چلے تب قبر میں حضرت جبرائیل تشریف لائے اور آگے سامنے رکھا اور کہا یہ تمہارے اعمال ہیں۔ ان میں ایک نگینہ بہت خوشنما اور نمایاں ہے۔ اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہی سخاوت تھی۔

جہادِ آزادی کا آغاز

انگریزوں کے ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد علماء کے طبقے میں حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ دوسروں کے مذہبوں کو پامال کرنے اور عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے شروع

تاک جھنجھوڑ سے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے انسدادی تدبیریں شروع کر دیں اور ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال دی۔ چنانچہ اس جماعت کے تیسرے امام حضرت شاہ محمد اسحٰق کے 1846ء میں انتقال کے بعد حاجی امداد اللہ کی چوتھے امام مقرر ہوئے۔ جنگ آزادی 1857ء کی ابتداء ہی میں یہ حضرات بھی تیار تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے شریک کار مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عبدالغنی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا شیخ محمد تھانوی سے جہاد و بیعت کے سلسلے میں تبادلہ خیال ہوا۔ مولانا شیخ محمد تھانوی نے بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد و بیعت کی مخالفت کی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ ہم اصحاب بدر سے بھی بے سروسامان زیادہ ہیں۔ حضرت امیر امداد اللہ نے طرفین کی گفتگو سنی۔ فرمایا کہ الحمد للہ انشراح ہو گیا اور جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ امیر امداد اللہ نے امامت قبول کی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سپہ سالار مقرر ہوئے اور مولانا رشید احمد گنگوہی قاضی مقرر ہوئے اسی طرح قصبہ تھانہ بھون دارالاسلام قرار پایا۔

میرٹھ کے بعد دہلی اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر جنگ آزادی چھڑ گئی تھی۔ ان حضرات نے بھی مورچہ لگایا۔ قاضی عنایت اللہ خاں اور ان کے بھائی عبدالرحیم ان کے ساتھ سہارنپور پہنچے اور سرائے میں ٹھہرے۔ ایک مخبر نے انگریز صاحب سے جو انتظام سہارنپور پر مامور تھا، مخبری کی کہ تھانہ کا رئیس بھی کمپنی سے باغی ہو گیا ہے۔ اس کا بھائی دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے آیا ہے اور کئی دن سے سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک گارد بسمت سرائے روانہ کیا گیا اور عبدالرحیم اور اس کے ساتھیوں کو قید کر کے جیل خانہ بھیج دیا اور ان لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دیا اگلے دن قاضی عنایت خاں کو بھائی کی پھانسی کی اطلاع ہوئی۔ یہ اپنے رنج تھا اور دیکھا کہ چند گورے سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی کئی بہنگیاں لدوائے سہارنپور سے کیرانہ کی طرف جا رہے تھے کہ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی وہ اپنے رفقاء اور مجاہدین ساتھ لے کر شیر علی باغ کی سمت سڑک پر چڑھے اور جس وقت وہ سوار سامنے سے گزرے ان پر حملہ کر کے بہنگیاں چھین لیں۔ ایک سوار اس میں زخمی ہو کر بسمت جنگل بھاگا مگر گھوڑے ہی پر گر کر مر گیا۔ اس واقعہ کی خبر مظفر نگر پہنچی تو حاکم ضلع کی طرف سے تھانہ پر فوج کشی کا حکم ہو گیا جس پر عنایت علی خاں اور

اس کے ساتھیوں نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ ایک معرکہ میں حاجی امداد اللہؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حافظ ضامنؒ ہمراہ تھے۔ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوا یہ شیروں کا مجمع بھاگ جانے والا یا ہمت ہارنے والا نہ تھا اس لئے پہاڑ کی طرح مقابلے پر ڈٹ گئے۔ دوسرا گروہ ہاتھوں میں تلواریں لیے بندوقچیوں کے سامنے ایسے جار ہا تھا گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے۔ چنانچہ ان حضرات پر فائر ہوئے اور حضرت ضامنؒ نے زیر ناف گولی کھائی اور شہید ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا کہ کنپٹی پر گولی لگی ہے اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ حضرت حاجی صاحب نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ کیا ہوا میاں۔ عمامہ اتار کر سر جو دیکھا۔ کہیں گولی کا نشان تک نہیں تعجب یہ تھا کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے معرکہ جنگ جاری ہے۔ اسی گھمسان کے میدان میں حضرت حافظ ضامن شہیدؒ نے مولانا رشید احمد گنگوہی کو پاس بلایا اور فرمایا کہ میاں رشید! میرا دم نکلے تو میرے پاس ضرور ہونا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ ضامن صاحب دھم سے زمین پر گر پڑے۔ معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہو گیا۔ حافظ صاحب زخمی ہو کر گرے کہ حضرت مولانا گنگوہی نے لپک کر نعش کو کندھے پر اٹھا لیا اور قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانوں پر رکھ کر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہاں تک کہ حافظ ضامن صاحبؒ کا آپ کے زانو پر وصال ہو گیا لیکن کارمن تحصیل اس جنگ میں کام آئے اور خزانہ پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا جب کچھ سکون ہوا تو تھانہ بھون کو انگریزی فوج نے گھیر لیا اور مشرقی جانب سے گولا باری شروع کر دی۔ دن نکلنے پر فوج قصبہ میں داخل ہوئی اور قتل و غارت گیری کا بازار گرم ہو گیا رات کی تاریکی چھانے سے پہلے شہر پناہ کے چاروں دروازے کھول دیئے گئے اور مکانات پر مٹی کا تیل ڈال کے آگ لگا دی گئی اس کس مپرسی کے عالم میں لوٹ مار خوب ہوئی غرض یہ کہ رات کی تاریکی ختم ہونے سے پہلے تھانہ بھون مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا۔

گرفتاری کے وارنٹ

ان تینوں حضرات۔ حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے تھے کہ تھانہ بھون کے فساد میں شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والے یہی لوگ تھے تھانہ کی بستی کی دکانوں کے چھپراتیوں نے تحصیل کے دروازے پر چھپر جمع کیے اور ان پر آگ لگا دی یہاں تک کہ جس وقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے نہ پائی تھی ان نذر مسلمانوں نے جلتی آگ میں گھس کر خزانہ لوٹ لیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا گنگوہی کو الوداع کہا اور حجاز جانے کے لئے روانہ ہو گئے ان ایام میں مولانا قاسم مرحوم احباب کے اصرار پر تین دن تک روپوش رہے۔

اتباع سنت اور روپوشی

تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم باہر نکل آئے اور کھلے بندوں چلنے پھرنے لگے لوگوں نے پھر نسبت روپوشی کے لئے عرض کیا تو فرمایا تین دن سے زائد روپوش رہنا سنت کے خلاف ہے کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ ہجرت کے وقت غار ثور میں تین ہی دن تک روپوش رہے۔

داد دیجئے اس جذبہ اتباع سنت کی کہ ظالم انگریز ان دنوں اہل ہند عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً سفاکانہ اور قاتلانہ حربے استعمال کر رہا تھا اور نہایت بے دردی کے ساتھ مظلوموں کے ناحق خون سے ہولی کھیلتا تھا اور وہ کونسی حیا سوز اور دل آزار حرکت تھی جو اس ظالم نے مجاہدوں کے خلاف روا نہ رکھی تھی اور وہ کونسی غیر انسانی کارروائی تھی جو اس نے چھوڑ دی تھی؟ اس وقت انگریز کا ظلم و جور اور تعدی و ستم اپنے نقطہ عروج پر تھا۔ لیکن حجۃ الاسلامؒ اپنی حیات سے بے نیاز ہو کر اس موقع پر بھی آنحضرت ﷺ کی سنت اضطراری کو ترک کرنے پر باوجود شدید اصرار کے آمادہ نہ ہوئے اور تین دن کے بعد فوراً باہر نکل آئے اور کھلے بندوں پھرنے لگے اور اس روپوشی کی حالت میں بھی آقائے نامدار ﷺ سے اپنے عشق کا تعلق اور رابطہ مستحکم ہی رکھا اور اس نازک حالت میں بھی سنت پر نگاہ جمی رہی۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

1857ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ کی

قیادت میں ہندوستان سے غیر ملکیوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی۔ لیکن جنگ میں شکست ہوئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور ان میں احساسِ کمتری کے ساتھ ایک عام مایوسی پھیل گئی۔ ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک (ہندوستان) حضرت مسیح کا عطیہ اور امانت ہے۔ اسی لئے اس میں مسیحی مذہب ہی کی اشاعت و ترویج ہمارا نصب العین ہے اور ساتھ ہی کھلے بندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر اعتراضات اور الزامات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے باشندے مایوسی میں جمود زدہ ہو کر اور بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی تہذیب و تعلیم سے لادینیت و دہریت کی رو میں بہنے لگے اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ نسلیں خواہ وہ کسی بھی دور کی ہوں خود اپنے اخلاق، تمدن، تہذیب و کلچر سے یکسر منقطع ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنے نورِ معرفت سے وقت کی رفتار اور اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگایا اور بشارات غیب ہندوستان کے تمام باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطہ نظر میں ڈھال دینے اور قوم میں ایک ذہنی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی تاکہ یہ احساسِ کمتری دور ہو۔ اس لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تعلیم و تربیت کا راستہ اختیار فرمایا۔ جو بے ضرر اور سیاست سے دور تھا۔ چنانچہ 1857ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنی ایمانی فراست سے چھپے ہوئے اقتدار کا نعم البدل یعنی تعلیمی راہ سے حریت فکر کے بقا و ارتقاء کو قرار دیا اور اپنا یہ مقصد ۱۲۸۳ھ (1866ء) میں دارالعلوم دیوبند کا قیام فرما کر بآسانی حاصل کر لیا۔ اس اجتماعی نظام فکر کے تحت دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریت فکر اور استقلالِ وطن کے جذبات کو زندہ رکھنے کی ایک ہمہ گیر مکتب فکر اور عظیم تحریک ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر مدارس قائم فرمانا شروع کیے اور بنفس نفیس خود جا کر مراد آباد، گلاؤٹھی، امروہہ، مظفر نگر وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے اور جا بجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی چنانچہ بہت سے مدارس ہندوستان میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی زندگی میں

قائم ہوئے اور پھر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے حریت فکر نے ان فضلاء کے پورے ملک میں حتیٰ کہ انہیں فضلاء نے ایشیاء افریقہ اور یورپ کے ممالک میں بھی اسی قومی طرز فکر پر تعلیم گاہیں قائم کیں اور میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قومی فکر فروغ پارہا ہے۔ عالمی پیمانے پر ہندوستان میں ملت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب ان کے رفقاء اور صداقت شعار رفقاء کار حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب وغیرہ کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا۔ یہی دارالعلوم دیوبند آج ایشیاء کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی درسگاہ اور یونیورسٹی بن کر ایک خاص مکتب فکر کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت وعظمت کا حامل ہے۔

عشق محمدی ﷺ پر چند واقعات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور آپ کے رفقاء کار اور عقیدت مندوں کی جس درجہ اور جس قدر وابستہ عشق ومحبت اور اخلاق وعقیدت جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے اس کا انکار بغیر کسی متعصب اور سوائے کسی حاسد کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ رومانی افسانوں میں مجنوں بنی عامر کے عشق ومحبت کے بڑے بڑے افسانے زبان زد خلائق ہیں۔ لیکن اگر مجنوں صرف کوچہ لیلیٰ پر فدا تھا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفقاء کار مدینہ طیبہ کی مبارک گلیوں کے ذرات پر قربان ونثار تھے۔ اگر مجنوں لیلیٰ کے عشق میں مجبور ومقہور تھا تو یہ حضرات عشق محمد ﷺ میں بے چین وبے قرار تھے۔ اگر مجنوں لیلیٰ کی اداؤں پر مفتون تھا تو یہ حضرات اپنے آقا ومولا نبی ﷺ کی پیاری سنتوں کے شیدائی تھے اگر مجنوں لیلیٰ کے کسی واقعے میں گرفتار تھا تو یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے تعلق وخلق پر نثار تھے اور آپ کے نقش قدم اور آپ کی پسند وجان عزیز سے بھی زیادہ قیمتی سمجھتے تھے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے اور دل سے مانتے تھے کہ دینی اور دنیوی تمام سعادتوں کا سرچشمہ اسی برگزیدہ ہستی کے ساتھ محبت اور عقیدت ہے جن کے ارشاد وفرمودہ کے مقابلے میں دنیا بھر کے سلاطین ونعمت اکبری دولت اور خزانے قطعاً کوئی وقعت اور حیثیت نہیں رکھتے اور جن کے پیارے اقوال

والافعال اور اسوۂ حسنہ کے مقابلے میں کوئی لذیذ سے لذیذ اور خوش آئند سے خوش آئند چیز بھی ایک رتی بھر کا وزن نہیں رکھتی جن کے اسم گرامی دنیا کی تمام شیرینیوں اور شربتوں سے میٹھا اور جن کی ایک ادنیٰ سنت بھی جواہرات سے مرصع تاج شاہی سے بھی زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہے کیا ہی خوش قسمت ہے وہ قوم جس کو جناب رسول اللہ ﷺ جیسا افضل المخلوقات نبی اور آپ کی شریعت جیسی بیش بہا شریعت مل گئی جس کے بعد کسی اور خوبی کی سرے سے کوئی حاجت باقی ہی نہیں رہتی۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے عشق نبویؐ کے واقعات قولی اور فعلی تو بہت کچھ ہیں جن کے بیان کرنے کے لئے دفتر درکار ہیں۔ ہم صرف چند واقعات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے۔ اور اب بھی پہنتے ہیں لیکن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی تحفہ لا دیتا تو اس کے پہننے سے اجتناب و گریز کرتے اور آگے کسی کو ہدیہ دے دیتے اور سبز رنگ کا جوتا پہننے سے محض اس لئے گریز کرتے کہ سرورِ کائنات آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے گنبد خضراء کا رنگ سبز ہے۔ پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیوں استعمال کئے جا سکتے ہیں؟ چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت استاذنا الاکرم مولانا حسین احمد مدنی (المتوفی ۱۳۷۷ھ 1958ء) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ۔ "تمام عمر سبز رنگ کا جوتا اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا ہے نہ پہنا اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو کسی اور کو دے دیا۔" اندازہ کیجئے اس نظر بصیرت اور فرزانگی کا گنبد خضراء کے ظاہری رنگ کے ساتھ کس قدر عقیدت و الفت ہے جس کے اندر عظیم المرتبت مکین آرام فرما ہیں۔ جن کی نظیر جن کی مثال اور جن کا ثانی خدا کی ساری مخلوق میں نہ آج تک وجود میں آیا اور نہ قیامت تک آ سکتا ہے علامہ اقبال مرحوم نے شاید اسی کی ترجمانی کی ہے ۔

رخ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ .... نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دوری سے پابرہنہ چلتے رہے۔ آپ کے دل اور ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ دیار حبیب میں جوتا

پہن کر چلیں حالانکہ وہاں سخت نوکیلے کنکر اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار ہے چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر حسین گیلانیؒ جناب مولانا حکیم منصور علی خان صاحب حیدر آبادیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں جو اس سفر حج میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رفیق سفر تھے:۔

"مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل آخری شب تاریخ میں اسی طرح نکل کر پا برہنہ پہنچ گئے"

اور نیز حکیم موصوفؒ کے حوالہ ہی سے رقم فرماتے ہیں کہ:۔ "جب منزل بہ منزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا، جہاں روضہ پاک صاحب لولاک نظر آتا تھا، فوراً جناب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبالیں اور پا برہنہ چلنا شروع کر دیا"۔

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مدینہ طیبہ اور گنبد خضراء کے ساتھ کس قدر عقیدت اور کیسی فریفتگی تھی دیکھئے کہ ادب حسن کا کیا ہی بہترین طریقہ اختیار فرما کر اپنی فرط محبت کا اظہار فرمایا اور یہ ساری عقیدت و محبت جناب امام الانبیاء خاتم الرسل حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اس سنگلاخ رقبہ اور پتھریلی زمین کی فی نفسہ کیا قدر ہے؟ جو کچھ بھی ہے اور جتنی کچھ بھی ہے وہ حبیب کبریا ﷺ ہی کی بدولت ہے اور آپ ہی کے واسطہ سے ہے۔

زندگی کے آخری ایام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جب ۱۲۹۵ھ (1878ء) میں حج کے لئے تشریف لے گئے تھے جس سفر حج میں جلیل القدر اور اس دور کے مشاہیر علماء کی ایک جماعت شریک تھی، اس حج سے واپسی میں جہاز کے اندر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سخت بیمار ہو گئے، جہاز میں علاج کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے مرض بڑھتا چلا گیا، جہاز میں وبائی بیماری انتہائی تشویش ناک تھی، ہمارے ملک کی آب وہوا اور مزاج کے لحاظ سے جو علاج ہونا چاہئے تھا وہ میسر نہ آسکا اس لئے کمزوری اور نقاہت اس درجہ بڑھ گئی کہ اٹھنے بیٹھنے سے معذوری ہو گئی، جہاز کے ڈاکٹر نے بعض دوائیں دیں اور مرغ کا جوش پلانے کے لئے کہا اور خود ہی مرغ بھی فراہم کر دیا جس کی وجہ سے قدرے افاقہ رہا۔ عدن کے مقام پر جہاز روک دیا گیا مگر جہاز والوں کو جہاز سے اترنے اور شہر جانے سے منع کر دیا گیا، اسی لئے یہاں بھی ضرورت کی دوائیں میسر نہیں ہوئیں البتہ کچھ لیموں اور

کچھ سفر سے مل گئے جب اس کا استعمال ہوا تو طبیعت قدرے سنبھلی۔ آپ کی بیماری کی حالت میں جہاز بمبئی پہنچا۔ اس سفر میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی اور حکیم منصور آبادی خصوصی تیمار دار تھے، ہمہ وقت ایک شخص آپ کے پاس حاضر رہتا تھا۔ بمبئی پہنچ کر قدرے افاقہ ہوا اور بدن میں اتنی طاقت آ گئی کہ اٹھنے بیٹھنے لگے تھے، لیکن ضعف ونقاہت کی وجہ سے جہاز سے اترنے کے فوراً بعد ہی ریل کا سفر مشکل لگا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہاں کچھ دن ٹھہر کر مکمل علاج معالجہ کے بعد جب جسم میں کچھ طاقت آ جائے تب ریل میں سفر کیا جائے۔ تقریباً تین چار دن آپ حضرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا علاج بمبئی میں کراتے رہے۔ جب طبیعت صحت کی طرف لوٹ رہی تھی جسم میں طاقت بھی بحال ہونے لگی تھی تب ریل کا سفر شروع ہوا اور اپنے وطن کے لئے بمبئی سے روانہ ہوئے۔ وطن آنے کے بعد اصل مرض تو ختم ہو گیا لیکن ضیق النفس اور کھانسی بڑھ گئی، اور دورے پڑنے لگے، جب بھی تھوڑا فرق آتا کھانسی بڑھ جاتی مگر اسی حالت میں آپ نے اسباق شروع کر دیئے اور ترمذی شریف طلباء کی ایک جماعت کو پڑھانے لگے۔ مولانا عبدالرحمن محدث امروہوی نے اسی دور میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور آپ کے اسی درس ترمذی میں وہ شریک تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ایک مخلص عقیدت مند ڈاکٹر عبدالرحمن تھے جو مظفر نگر کے سرکاری ڈاکٹر تھے۔ ان کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی بیماری کی تفصیل معلوم ہوئی تو انہوں نے از خود اپنی خدمات پیش کیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے جب منظور فرمایا تو ڈاکٹر صاحب آپ کو مظفر نگر لے گئے۔ اب معالج بھی وہی تھے اور تیمار دار بھی وہی، بلکہ ساری خدمت وہی انجام دیتے تھے۔ منتقل ہونے کے بعد علاج کے ابتدائی مرحلے میں افاقہ ہوا اور بہتری کی صورت نظر آئی مگر اصل مرض باقی رہا اور ہر وقت خفیف سی حرارت رہا کرتی تھی یونانی علاج بھی تھا اور ڈاکٹری طریقہ علاج بھی اختیار کیا جاتا رہا، بمبئی سے مہنگی اور بیش قیمت سے بیش قیمت دوائیں فراہم کی گئیں لیکن کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سانس کا دورہ بڑھتا ہی جا رہا تھا جس کی وجہ سے لاغری اور ضعف انتہا کو پہنچ گیا تھا اب اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہوتا جا رہا تھا لیکن قوت ارادی اب بھی پہلے جیسی ہی تھی، اور جو آپ کا امتیازی وصف تھا وہ بیماری میں بھی اپنی جگہ قائم رہا۔

وفات......۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ (اپریل 1879ء) کی تاریخ اور جمعرات کا دن تھا کہ بعد نماز

عصر کے قریب ۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے اس دنیائے فانی سے رخ مبارک موڑ لیا" انا للہ وانا الیہ راجعون" ہر طرف صف ماتم بچھ گئی، جو شاگرد اور عقیدت مندوں میں کہرام مچ گیا، ہر چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا انتقال کے وقت آپ کی عمر ۴۹ سال تھی۔

تدفین...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں دفن کیا جائے، حکیم مشتاق احمد دیوبندی نے ایک زمین خرید کر اس کو قبرستان کے لئے وقف کر دیا تھا اسی زمین میں قبر کی جگہ تجویز کی گئی۔ عصر کے وقت جنازہ تیار ہوگیا اور مدرسے کے صحن میں لا کر رکھ دیا گیا، نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے یہاں نماز جنازہ کی گنجائش نہیں تھی اس لئے قصبے کے بڑے میدان میں نماز جنازہ ادا کی اور مغرب کے بعد تدفین عمل میں آئی۔

(سوانح قاسمی)

آئیڈیل شخصیت نمبر ۲

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

دارالعلوم دیوبند کی داغ بیل ان علمائے ربانیین نے ڈالی تھی جو سراپا خلوص وللہیت تھے۔ ان کا دل درد ملت اسلامیہ کے شاندار مستقبل کے لئے بے چین تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو اشاعت دین اور ترویج علوم دینیہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ رب العالمین نے دارالعلوم اور اس کی خدمت کو قبولیت عطا فرمائی اور اس نے ملک اور بیرون ملک کی دینی، علمی، اخلاقی اور اصلاحی جو خدمات عظیمہ انجام دی ہیں وہ کبھی بھلائی نہیں جا سکتی ہیں۔ یہاں سے ہزاروں علماء اور صوفیاء پیدا ہوئے جن میں بہترین محدثین، فقہاء، مصنفین اور مبلغین کا جم غفیر بھی ہے۔ اور رشد و ہدایت اور تزکیہ باطن کرنے والوں کی ایک لمبی جماعت بھی ہے بلکہ ان میں وہ لوگ بھی بڑی تعداد میں ہیں جنہوں نے ملک کی آزادی اور یہاں کے باشندوں کی اصلاح کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اسلامی ورثے کی حفاظت کی۔ اور اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ حضرت نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اعتقادی اور معاشرتی اصلاح کی زبردست جدوجہد کی۔ انہوں نے اسلامی مسائل کو عقلی دلائل سے مستحکم کیا۔ تباہ کن رسم ورواج کی مخالفت کی۔ ان اکابرین نے اسلامی عقائد، اسلامی رسوم اور دینی تعلیم وتربیت اور سیاسی جدوجہد کے گوناگوں مقاصد پورے کرنے کے لئے دینی مدارس کے قیام کو ضروری قرار دیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند معرض شہود پر جلوہ گر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کی تحریک کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ ملک کے

حول و عرض میں ہر طرف لوگوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ اوہام و رسوم اور شرک و بدعت کے جو گھرے بادل ہندوستان کی فضاؤں میں چھائے ہوئے تھے، رفتہ رفتہ چھٹنے شروع ہو گئے اور ان کی جگہ کتاب و سنت کے احکام پر عمل کیا جانے لگا۔ دارالعلوم کو قیام جن مقاصد کے لیے عمل میں لایا گیا ان میں قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد و کلام اور ان کے علوم سے متعلقہ ضروری اور مفید فنون آلیہ کی تعلیم دینے اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، ارشاد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا اور اعمال و اخلاق کی اصلاح و ترتیب کرنا شامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے وصال کے بعد دارالعلوم کے سرپرست ثانی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فقہی طرز فکر کے ساتھ دارالعلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ ابھرا جس سے اصول پسندی کے ساتھ فروع فقہیہ اور جزئیاتی تربیت کا قوام بھی پیدا ہوا اور اس طرح فقہ اور فقہا کے سرمایہ کا بھی اس میراث میں اضافہ ہو گیا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو علم حدیث، فقہ اور تصوف سے بہت زیادہ شغف رہا۔ ہزارہا انسانوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے استفادہ کیا۔ حضرت گنگوہیؒ نے علماء و فقہا کی تربیت فرمائی اور انہیں دین کے بارے میں اتنا راسخ اور مستحکم بنا دیا کہ ان افراد پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز نہ ہو سکا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنے وقت کے امام ملت، قطب عالم، نمونہ علم و عمل، رشد و ہدایت کا مرکز، عظیم مصلح، مربی اخلاق اور قومی و ملکی امور میں مسلمہ قائد تسلیم کیے گئے۔ 1875ء کے انقلاب میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے دوش بدوش قائدانہ حصہ لیا تھا۔ اور چھ ماہ تک اسیر فرنگ رہے تھے۔ جن لوگوں نے ان سیاسی اور جہادی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے خواہ اپنی لاعلمی اور معاملات کی بے خبری کی بنا پر یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے ان کی مصلحت اندیشی اہل علم اور باخبر لوگوں کے نزدیک لغو ہے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ

"1857ء میں خانقاہ قدوسی سے مردانہ وار نکل کر انگریزوں کے خلاف صف آراء ہو گئے اور اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور دوسرے رفقاء کے ساتھ شاملی کے معرکہ جہاد میں شامل ہو کر خوب داد شجاعت دی۔ جب میدان جنگ میں حضرت حافظ ضامن شہید ہو کر گرے تو

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کی لاش اٹھا کر قریب کی مسجد میں لے گئے اور پاس بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی۔ معرکہ شاملی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ گرفتار کر کے سہارنپور جیل بھیج دیئے گئے پھر وہاں سے مظفر نگر منتقل کر دیئے گئے۔ چھ ماہ جیل میں گزارے۔ وہاں بہت سے قیدی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے معتقد ہو گئے اور جیل خانے میں جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگی۔ رہائی کے بعد گنگوہ میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا ۱۲۹۹ھ میں تیسرے حج کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے یہ التزام کیا کہ ایک سال کے اندر اندر پوری صحاح ستہ ختم کرا دیتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ صبح سے بارہ بجے تک طلباء کو پڑھاتے تھے۔ آپ کے درس کی شہرت سن سن کر طلباء حدیث دور دور سے آتے تھے۔ کبھی ان کی تعداد ستر اسی تک پہنچ جاتی تھی۔ جن میں چند بیرون ہند کے طلباء شامل ہوتے تھے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلباء کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ درس کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ ایک عامی بھی سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے درس حدیث میں ایک خاص خوبی یہ بھی تھی کہ حدیث کے معمول کو سن کر اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا۔ جامع ترمذی کی درسی تقریر الکوکب الدری شائع ہو چکی ہے۔ جو مختصر ہونے کے باوجود ترمذی کی نہایت جامع شرح ہے۔

۱۳۱۴ھ تک قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا درس جاری رہا۔ سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ دورہ حدیث میں آپ حضرت گنگوہیؒ کے آخری شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ تھے۔ آخر میں نزول الماء کی وجہ سے درس بند ہو گیا تھا مگر ارشاد و تلقین اور فتویٰ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ذکر اللہ کی تحریص و ترغیب پر بڑی توجہ تھی جو لوگ خدمت میں حاضر ہوتے رغبت آخرت کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے کر جاتے تھے۔ اتباع سنت کا نہایت اہتمام فرماتے تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ہوئے۔ مشکل حالات میں دارالعلوم کی کشتی کو سنبھالا دینا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی بڑی خصوصیت تھی۔ ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی سرپرستی بھی قبول فرمائی تھی۔ تقویٰ اور تصوف میں آپ کا پایہ

(۳) آٹھ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا یعقوب صاحب نے "سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی" میں لکھا ہے کہ۔

"جناب مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب سے اسی زمانے میں ملاقات اور دوستی رہی ہے۔ آخر میں حدیث جناب شاہ عبدالغنی صاحب کی خدمت میں پڑھی اور اسی زمانے میں دونوں صاحبوں نے جناب پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔" چنانچہ انہوں نے بڑی تیزی سے سلوک کی منزلیں طے کر لیں اور صرف چالیس دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز ہو گئے اور گنگوہ واپس آ کر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حجرے میں اپنا تکیہ مقام بنایا۔ اس دوران میں مطب ذریعہ معاش رہا۔ بے شمار افراد کی اصلاح فرمائی۔ اور بڑے بڑے علماء ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اسی طرح سے ان کی متعدد اور خلفاء ایک وسیع حلقہ بن گیا جن میں سے کئی حضرات تو رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور پھر ساری عمر اصلاح و تربیت مخلوق خدا میں مصروف رہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ ان کے ساتھ زہد و تقویٰ اور سنت کی اتباع و فنائیت میں بھی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی۔ سب طلباء کتابیں لے کر اندر کو بھاگے مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وساوس کی کثرت کیوں نہ ہو۔ جوں ہی آپ کی صحبت میں بیٹھے قلب میں ایک خاص قسم کا سکون اور جمعیت حاصل ہوتی، جس کے سبب وہ سب رفع ہو جاتیں اور قریب آپ کے کل مریدوں میں حق تعالیٰ صلاح و دین کی پختگی، خصوصاً حب فی اللہ و بغض فی اللہ جو کمال مشاہدہ کیا جاتا ہے یہ سب برکت قطب الارشاد حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت کی ہے"۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے تفقہ کے مقام و بلندی کی بناء پر "ابوحنیفہ عصر" کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے۔ اسی طرح استاذ محترم امام العصر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ جیسے بلند پایہ عالم و محقق جو علامہ شامیؒ کو "فقیہ النفس" کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو فقیہ النفس فرمایا کرتے تھے۔ بہرحال حضرت کے مقام و مرتبہ اور علم و فضل کا یہ عالم تھا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ۹،۸ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ اذان کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند میں یہ سب سے بڑا حادثہ تھا۔ حق تعالیٰ شانہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے درجات بلند فرمائیں۔

چند واقعات و کرامات

نماز کا شوق اور غیبی حفاظت

ساڑھے چھ سال کی عمر تھی کہ آپ سے ایک ایسی کرامت جیسا امر استغراق و توکل کا ظہور ہوا کہ جس سے آپ کے مقبول بارگاہ صمدیت ہونے کا پتا چلتا ہے۔ آپ بچپن ہی میں نماز کے پابند تھے۔ جمعہ کو قصبہ تو شہر ہی ہوگا۔ عام نمازوں کے اوقات کا بھی خیال رکھتے۔ ایک دن شام کو ٹہلتے ٹہلتے قصبے سے باہر نکل گئے، وہاں غروب آفتاب کا وقت ہو گیا تو احساس ہوا کہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ جنگل میں سے پھولوں کی دو چھڑیاں ہاتھ میں لئے بسرعت الٹے پیچھے گھر آئے اور والدہ کو چھڑیاں پکڑائیں کہ یہ رکھو میں نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ لپکتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے تو جماعت کھڑی تھی۔ وضو کے لئے لوٹوں کی طرف بڑھے تو خالی تھے۔ دیر میں اور دیر ہوئی گھبرا کر پانی کھینچنے کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا تو ڈول بھاری تھا گھبراہٹ میں رسی پاؤں میں الجھ گئی کہ ہاتھ چھوٹ گیا جماعت کے فوت ہونے کے خدشے سے بچتے ہوئے ذرا سا جھٹکا دیا اور دھڑام سے کنویں میں گر گئے۔ نمازیوں کو دھماکے کا احساس ہوا کہ کوئی کنویں میں گر گیا امام صاحب نے جلدی نماز پوری

کرائی۔ اور تمام نمازی جلد کنویں کی طرف لپکے اب ہر ایک کنویں میں جھانکنے لگا اندر سے آواز آئی ہے... "گھبراؤ نہیں میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں" ... قدرت حق تعالیٰ یہ ہوئی کہ ڈول الٹا پانی میں گرا آپ جب گرے تو حواس مجتمع کر کے فوراً اس پر بیٹھ گئے جب آپ کو باہر نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں خفیف سے خراش آئی ہے اور بس... اب اس قصہ سے استقامت و استقلال اور مصیبت میں نہ گھبرانا۔ اطمینان سے نماز ختم ہونے تک بیٹھے رہنا کشائش و فرج من اللہ کا انتظار دوسروں کو اطمینان دلانا خدا پر توکل واعتماد اور مقدرت تمازز میں تکالیف کا ایسا تحمل کہ کلمہ شکایت زبان پر نہ آئے یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ابتدا ہی سے آپ اللہ کی حفاظت ورہنمائی میں فطرت کی راہوں پر چلتے ہوئے عمدہ خصائل وعادات کے حامل تھے۔ (تذکرۃ الرشید)

طلبہ کے جوتے اٹھائے

ایک دفعہ درس حدیث میں بارش شروع ہوگئی طلبہ نے جلدی جلدی کتابیں اور تپائیاں، کتابیں رکھنے والے چھوٹے چھوٹے میز اٹھائے اور چل دیئے۔ اس کے بعد طلبہ نے دیکھا حضرت مولانا نے اپنے کندھے کی چادر میں طلبہ کی جوتیاں ڈالی ہوئی ہیں اور اٹھائے چلے آرہے ہیں۔ طلبہ بہت نادم اور حیرت زدہ ہوئے فرمایا کہ اس میں کون سی بری بات ہے تمہاری خدمت کرنا تو میری نجات کا باعث ہے طلبائے دین کے لئے تو حدیث شریف کے الفاظ میں مچھلیاں سمندر میں چونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے تمہارے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور تم تو مہمان رسول اللہ ﷺ ہو۔ کہ حدیث پڑھنے آئے ہو۔

حضرت طلبہ کی مدارات اور عزت وتکریم میں ہر وقت کوشاں رہتے اگر کسی کو کوئی غم یا فکر لاحق ہوتا تو صبر وتسلی کے کلمات سے تسکین بخشتے جس طرح ان کے اپنے دل میں طلبہ دین کی عزت تھی چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان کی اسی طرح عزت کریں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو یہ ہرگز گوارہ نہ تھا کہ کوئی ان کو بانظر حقارت دیکھے۔ ایک طالب علم کا کھانا کسی جگہ لگا ہوا تھا اس کو دیکھا کہ کھانا کھلا ہوا بغیر کسی کپڑے وغیرہ کے لا رہا ہے پوچھا کھانا کہاں مقرر ہے، اس نے آپ کے کسی رشتے دار کا نام لیا فرمایا کہ اچھا وہاں سے کھانا نہ لانا ہمارے گھر سے آیا کرے گا۔

ادھر اپنے رشتہ داروں سے ناراضگی کے کلمات کہہ ڈالے تھے کہ اس وجہ سے ان کو اس طرح کھانا دیتے ہوئے یہ پریشانی ہوئی کہ ان کو دروازے کا فقیر سمجھا گیا ہو گویا مصداق تھے کہ "ملک خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست" تم اپنی روٹی اپنے پاس رکھو خدا ان کا دوسری جگہ انتظام کرے گا۔ وہ غیرت مآب عورت جن کے گھر سے کھانا آتا تھا حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئیں اور خطا معاف کروائی اور کہا آئندہ دستر خوان میں کھانا دو حصے زیادہ تعظیم کے ساتھ پیش کیا کروں گی آپ نے منظور فرما لیا۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بیک وقت طلبہ کے استاد بھی تھے اور شیخ بھی۔ اگرچہ طلبہ آپ سے رسمی بیعت نہ کرتے ہوں تاہم آپ دونوں چیزوں کو ملحوظ رکھ کر طلبہ کی ہر طرح اصلاح وتربیت فرماتے تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زندگی کا مشن ہی یہ تھا کہ لوگوں کے عقائد واعمال درست کئے جائیں۔ شرک وبدعت کی روک کی جائے تاہم سبق پڑھتے وقت اس کا بہت زیادہ اہتمام تھا شرک وبدعت کا جگہ جگہ قلع قمع فرماتے۔ توحید واتباع سنت کی ترغیب دیتے صرف زبانی نصیحت پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ ضرورت پڑنے پر سرزنش اور سختی بھی فرماتے اور اپنی توجہ قلبی اور روحانی فیضان سے تاریک دلوں کو منور کرتے اور زنگ دور فرماتے۔ بعض اوقات طلبہ کا پورے کا پورا حلقہ محو حیرت ہوتا کہ جلسہ کا جلسہ آسمانی حکمت کے نزول کا احساس کرتا ہے سلوک ومعرفت کے حقائق دوران درس بیان فرماتے کہ طلبہ کو وجد آ جاتا غرض یہ کہ طلبہ کی ہر طرح دیکھ بھال کرتے ان کی نشست برخاست چال ڈھال گفتار وکردار وضع قطع ہر چیز کا خیال رکھتے۔ اگر کسی طالب علم کو دیکھتے کہ وہ اپنے پڑھے ہوئے پر عمل پیرا نہیں ہے تو جب تک اس میں خوشگوار تبدیلی پیدا نہ ہو جاتی حضرت گنگوہیؒ بے چین رہتے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلبہ کی ہر وقت کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ اگر کوئی طالب علم ایسا نظر آتا کہ اس کے متعلق یہ محسوس فرماتے کہ اس میں کچھ کجی ہے جو درست نہیں ہو سکتی اور یہ پڑھ لکھ کر لوگوں کو گمراہ کرے گا یا پھر سلسلہ کی بدنامی کا باعث بنے گا تو اس کا سبق شروع نہ کرتے لطائف الحیل سے ٹال دیتے یا رکھائی دکھاتے کہ وہ خود ہی چلا جائے۔ ہاں جس طالب علم کو سعید پاتے تو اس کی دلداری فرماتے۔ بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے۔

پہلا حج اور کرامات کا ظہور

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دن بڑی غربت اور تنگ دستی میں گزر رہے تھے۔ لیکن حرمین شریفین کی حاضری کے لئے آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے لیکن صورت حال یہ تھی کہ آپ کی اقتصادی حالت اس قدر کمزور تھی کہ بمشکل اہل وعیال کی گزران ہوتی تھی بلکہ یہاں تک کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خواہش یہ ہوتی کہ جس حال میں پڑا ہوں اسی گمنامی و گوشہ نشینی کی حالت میں پڑا رہوں کسی آنکھ یا کان کو اس کی خبر نہ ہو۔ ان حالات میں حرمین شریفین تک آنا جانا کیسے ہو؟ لیکن جب طلب سچی ہو تو اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔ ڈپٹی عبدالحق رامپوری کا قصد حج ہوا اور انہوں نے اپنے اہل وعیال اور متعلقین و وابستگان کا ایک جم غفیر ساتھ لے جانا چاہا۔ حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری جو حضرت حافظ شہید سے خلیفہ مجاز تھے۔ ڈپٹی صاحب کے احباب میں سے تھے۔ ڈپٹی صاحب نے حکیم صاحب کو بھی ساتھ لیا۔ حکیم صاحب قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے عشاق میں سے تھے۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ میرے پیر ومرشد نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زانوں پر جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ حکیم صاحب نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ذکر کیا تو ڈپٹی صاحب بلا ادنیٰ تامل مان گئے بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسا محب رسول متبع سنت ہمارے قافلے میں شریک ہو۔ مولوی ابوالنصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ماموں زاد بھائی جو حضرت کے بچپن کے ساتھی اور جاں نثار رفیق تھے ان کو جب علم ہوا کہ مولانا سفر حج پر جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا ملازمت ہوتے ہوئے چھوڑ کر معیت اختیار کی۔ ان دنوں سفر حج انتہائی دشوار تھا۔ اور فرائض حج کی ادائیگی سب فرائض سے مشکل تھی۔ ابھی بھی ہوا کی دخانی کشتیاں تھیں تین تین چار چار ماہ سمندر میں ہچکولے کھاتی رہتیں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سفر میں سخت طوفان آیا تمام مسافر گھبرا گئے۔ مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نہایت پرسکون تھے لوگوں کی گھبراہٹ پر انہیں یہ کہہ کر تسلی دی کہ "ابھی کوئی مرے گا تو بے شک ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں خود نہیں جا رہے" اور جہاز جب اصلی حالت پر آیا تو کپتان نے

حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خوف کی وجہ سے تمہیں آٹھ دن کی مسافت تین دن میں طے کرا دی ہے۔

دوسرا حج

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے دوسرا حج ۱۲۹۴ھ میں کیا اور اس سفر حج میں اللہ کے ایسے ایسے نیک بندوں نے شرکت کی کہ شاید ہندوستان میں اس سے پہلے اور اس کے بعد کی تاریخ میں ملے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ الہند مولانا محمود حسن، حکیم ضیاء الدین صاحب، مولانا محمد مظہر صاحب بانی مظاہر العلوم سہارنپور کے علاوہ تقریباً سو بڑے بڑے علماء و فضلاء اس قافلے میں شریک تھے۔ اس سفر کی پورے ملک میں شہرت ہوئی۔ لہٰذا حضرت سے لے کر ساحل تک ہر جگہ فقید المثال استقبال ہوا۔ اپنے علماء کے عزم حج پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی جو بارش نازل ہوئی اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کو اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت باوجود ضعف و نقاہت اور پیرانہ سالی کے مکہ معظمہ سے بہر استقبال کے لئے نکل آئے تھے کئی روز سے انتظار کر رہے تھے۔ قافلے کے آنے پر ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ اور سب کو تقریباً اپنے پاس ٹھہرایا۔ ۱۲۹۵ھ میں واپسی ہوئی۔

تیسرا حج

۱۲۹۹ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تیسرے حج کا ارادہ کیا اور ایسے وقت میں کیا کہ بظاہر حج کے دنوں میں پہنچنا مشکل تھا ۲۴ ذی قعدہ کو گنگوہ سے روانہ ہوئے بمبئی سے جب جہاز چلا ہے تو چودہ روز حج میں باقی تھے خدا کا فضل شامل حال تھا۔ نویں دن جدہ پہنچ گئے حالانکہ آج کے تیز رفتار وقت میں بھی چھ روز میں کراچی سے جدہ پہنچا جاتا ہے اور بمبئی سے کراچی کی نسبت جدہ زیادہ دور ہے۔ کامران میں قرنطینہ کے لئے جہاز کا ٹھہرنا لازمی ضروری تھا لیکن غیبی کشش کی بنا پر جہاز کشاں کشاں چلتا رہا اور باوجود کامران میں رکنے کی ہدایت کے نہ ٹھہر سکا جس کی وجہ سے جہاز کمپنی پر جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جب

تک پہنچے ہیں تو اگلے دن ارکان حج شروع ہو گئے۔

ایک گنگوہ کے شخص اسی سال کے حج کے لیے روانہ ہوئے مگر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو خواہش کے باوجود پہلے چل دیے اور واپس میں بھی جلد نکلے نتیجہ یہ نکلا ایک ماہ قرنطینہ کے لیے راستے میں ٹھہرنا پڑا خرچ بھی زیادہ ہوا اور وقت بھی زیادہ لگا قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا جہاز نہ آتے ہوئے رکا اور نہ جاتے ہوئے، حضرت گنگوہیؒ کا تیسرا حج آخری حج تھا۔ اس کے بعد سفر حج کا اتفاق نہیں ہوا بالاستقلال تعلیم و تعلم میں مشغول ہو گئے۔

حوادثات اور صدمات پر صبر

دنیاوی حوادثات و صدمات قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صبر کرنے میں کوہ استقلال تھے۔ ایک دفعہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے پانچ عزیز آپ کا نواسہ، بیٹا، مرحوم بیٹے کی بیوی شیر خوار بچہ چھوڑ کر اور نوی کے بعد دیگر فوت ہو گئے لیکن قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایسا کمال صبر کا مظاہرہ کیا کہ لوگ انگشت بدندان تھے۔ ان کو بھی تذکرہ کرتے۔ زندگی میں تین واقعات ایسے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جانے والوں کا ذکر کیا ہے ایک مرتبہ مولانا یحییٰ کاندھلوی (قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کے نہایت درجہ مشفق و مہربان تھے) سے ایک موقع کی مناسبت سے فرمایا "مولوی یحییٰ تمہاری عقل کو ہیضہ تو نہیں ہو گیا" ان کے جانے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دوسرے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ میں نے مولوی یحییٰ کو ویسے ہی کہہ دیا ورنہ ہمارے گروہ میں بھی ان کو عقل مند مانتے ہیں۔ انہوں نے اسہال کا جواب دیا تو فرمایا... مزاج رانی تو مسعود احمد کی ماں ہی کو تھی..... اس سے قارئین یہ خیال نہ فرمائیں کہ شاید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو ان حوادث کا صدمہ ہی نہیں ہوا۔ صدمہ تو ہر انسان کو ہوتا ہے مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اظہار نہیں فرماتے تھے۔ بس اتنا ہی اظہار ہوتا جتنا سنت سے ثابت ہوتا ہے.... ورنہ صدمہ تو بہت ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ.. محمود احمد (بیٹے کی وفات) نے میری کمر توڑ دی... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک خادم مولوی رحمت اللہ پانی پتی اپنے خطوں میں ہمیشہ محمود احمد کو سلام لکھتے آخر دو سال کے بعد امام ربانی نے ان کے خطوط کے

جواب میں یوں تحریر فرمایا "آپ خط میں حافظ مسعود احمد کو سلام لکھا کریں۔ حافظ محمود احمد مرحوم دو (۲) سال ہوئے کہ اس عالم سے رحلت فرما کر مجھنا کارہ کو پریشان و حیران کر گئے ہیں۔ جب تم اس کو سلام لکھتے ہو مجھ کو بے قراری ہو جاتی ہے۔ آئندہ اس کا نام مت لکھنا۔"

حرمین اور اس کے متعلقات سے محبت

انسان کو جس کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کے تمام متعلقات سے محبت ہو جاتی ہے۔ حضرت امام ربانیؒ کے دل میں حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت از حد راسخ تھی۔ اس لئے حرمین شریفین کے خس و خاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ مدینے کی کھجوروں کی گٹھلیاں پسوا کر رکھتے اور ان کو کبھی کبھی پھانکا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ "لوگ زمزم کے کنوؤں اور گٹھلیوں کو یونہی پھینک دیتے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے"۔ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے مولانا عاشق الٰہی کو دی اور فرمایا کہ اس کو پھانک لو۔ اور ایک دفعہ مدینہ الرسول کی مٹی عطا فرمائی کہ اسے کھا لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا تو حرام ہے آپ نے فرمایا "میاں وہ مٹی اور ہوتی ہے"۔ اگر کوئی مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ سے آپ کے لئے کوئی تبرک یا تحفہ لاتا تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس کو اس قدر خوشی سے قبول کرتے کہ ہدیہ دینے والے کا جی خوش ہو جاتا اور آپ فوراً ہی تمام حاضرین میں اس کو تقسیم فرما دیتے اور اگر کوئی شخص کوئی چیز مانگ لیتا تو فوراً ہی بخش عطا فرما دیتے اور خوش ہوتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے تسبیح مانگی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس بیش قیمت تسبیح تھی۔ ان کے حوالے کی اور فرمایا "پڑھتے رہنا ایسا نہ ہو کہ ویسے ہی رکھی ہوئی سچے"۔ حضرت امام ربانی کا کی پہنچتا تھا ہر شخص حرمین شریفین سے ہو وہاں سے آئی ہوئی چیزوں سے اسی طرح محبت و پیار رکھے جس طرح خود ان کو تھا۔ ایک مرتبہ مولانا محمد اسمٰعیل کو موسیٰ کا ذرا سا ٹکڑا عنایت فرما کر کہا کہ اسے نگل جاؤ اور ایک بار غلاف کعبہ کے ریشم کا ایک تار اتار کر دیا اور کہا اس کو چاٹ لو۔

نماز میں خشوع وخضوع کا منظر

حق تعالیٰ کی عظمت اور جلالت شان چونکہ آپ کی رگ رگ میں پیوست تھی اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کے وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر اکثر حالت کا غلبہ ہوتا اور اگر اغیار سے مجلس خالی ہوتی تو اس کا اظہار بھی ہو جاتا تھا آخری شب میں خالی مکان کے اندر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ آقا کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہوتے اور نوافل میں قرآن مجید شروع فرماتے تو عموماً آپ پر گریہ طاری ہو جاتا اور پڑھتے پڑھتے رک جاتے تھے سسکیاں آپ کا حلق تھام لیتیں اور بکاء پر مجبور کرنے والی حالت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو ساکت و صامت بنا دیا کرتی تھی، آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور رخسار و لحیہ پر گرتے ہوئے موتیوں کی طرح مصلے پر گرا کرتے تھے مولوی عبدالرحمٰن صاحب خورجوی لکھتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ میں حاضر ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام مجید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہی سنایا کرتے تھے ایک شب آپ نے تراویح شروع کی۔ میں بھی جماعت میں شریک تھا قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف و خشیت دلایا گیا تھا، جماعت میں حالانکہ نصف سے کم عربی زبان سمجھنے والے تھے اور باقی سب ناواقف مگر آپ نے اس رکوع کی قرات پر خوف کا اثر سب پر پڑ رہا تھا، کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ تھا اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اس میں رحمت خداوندی کا بیان تھا۔ اس وقت دفعۃً تمام جماعت پر سرور طاری ہو گیا اور پہلی حالت یکلخت منقلب ہو گئی فرحت و انبساط کے ساتھ یہاں تک کہ بعض مقتدی ہنسی ضبط نہ کر سکتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید)

نماز بیٹھ کر کبھی نہیں پڑھی

اپنے معاملہ میں آپ کا تقویٰ و احتیاط اس قدر تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا میں قول راجح اور اقرب الی الاحتیاط کو اختیار فرمایا کرتے تھے باوجود ضرورت کے احتیاط کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہو کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر طاقت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہو کر پڑھ سکیں اس وقت اس طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں کو

بمشکل اٹھایا اور دونوں جانب سے کمر میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو گئے اور قیام، رکوع اور سجود ان ہی کے سہارے سے نماز ادا کی۔ ہر چند خدام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا کر لیجئے مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا۔ ایک روز مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اگر اس وقت بھی جائز نہیں تو پھر وہ کون سا وقت اور کون سی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟" حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر قادر ہوتا ہے اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھا سکتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں۔ الغرض نوبت ضعف اس قدر ترقی کر گئی کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی تو اس وقت چند وقت کی نمازیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے بیٹھ کر پڑھیں۔

(تذکرۃ الرشید)

سبحانہ وتعالیٰ

آئیڈیل شخصیت نمبر۳

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت مجدد ملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی شخصیت اور ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذات والا صفات یگانۂ روزگار اور "آفتاب آمد دلیل آفتاب" مصداق ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین، جامع علم وعرفان اور دینی بصیرت، وثقاہت، تقویٰ وطہارت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بجا طور پر سلف صالحین کے علوم وفیوض کے امین اور وارث تھے۔ حضرتؒ کی کیمیا اثر صحبت اور بابرکت تعلیمات سے ہزارہا بندگان خدا کو یقین ومعروف کی لازوال دولت میسر آئی اور بہت سے تشنگان معروف کو اس چشمہ عرفان سے سیرابی وشادابی ہوئی۔

معاملات ومعاشرات، سیاست عقائد وعبادات غرض کہ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی گراں قدر تجدیدی خدمات موجود نہ ہوں اور دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تجدید واصلاح نہ کی ہو۔ ہر شعبہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف موجود ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف وسلوک، قرآت وتجوید، منطق وفلسفہ وغیرہ تمام علوم وفنون میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حکیم الامت قدس سرہ کی مجددانہ اور حکیمانہ تحقیقات عصر حاضر کا بے مثال منفرد اور مصلحانہ عظیم الشان کارنامہ ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ذکاوت

وفیات کے آئینہ میں بھی سے نمایاں تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی تھی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی زیادہ مستفید ہوئے ہیں۔ پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسند صدارت کی زینت بخشی۔ کانپور میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے درس حدیث کی شہرت سن کر دور دراز سے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ کی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں توکلا علی اللہ قیام فرمایا۔ جہاں تادم واپسیں ۴۷ سال تک تبلیغ دین، تزکیہ نفس اور تصنیف و تالیف کی شاندار اور نمایاں خدمات انجام دیں جس کی مثال اس دور کے کسی دوسری شخصیت نے پیش نہیں کی۔ علم نہایت وسیع اور گہرا تھا جس کا ثبوت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف کا ہر صفحہ دے سکتا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف مواعظ سے لاکھوں افراد کو علمی و روحانی فیض پہنچا۔ ان کے ساتھ ساتھ بیعت و ارشاد کی راہ سے عوام وخواص کا جتنا بڑا حلقہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے مستفیض ہوا اس کی مثال بھی کم ہی ملے گی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ متحدہ پاک و ہند کے بڑے بڑے صاحب علم و فضل اور اہل کمال و تقویٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ حضرت والا کی ذات اقدس علم و حکمت اور معرفت و طریقت کا ایک ایسا سرچشمہ تھی جس سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سیراب و شاداب ہوتے رہے۔ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی عظیم خدمات تقریری و تحریری صورت میں نمایاں نہ ہوں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں مسلمانان ہند کی زندگی میں علمی و عملی زندگی کے ہر گوشے پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر تھی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، عامیوں سے لے کر صوفیوں تک، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر مصروف اصلاح و تربیت رہی۔ پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور خوشی، اور دوسری تقریبوں پر اور

اجتماعوں تک سب کے احوال پر ان کی نظر پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کو الگ الگ کیا۔ رسوم و بدعات اور مفاسد پر بھرپور ضرب لگائی اور پھر ان کو ہٹا کر صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی۔ تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق، عبادات اور عقائد میں دینِ خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی۔ فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان و سلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجدید فرمائی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سامنے دین کی صحیح تصویر تھی۔ اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص تھے ان کے درست کرنے میں عمر بھر مشغول رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی تصویرِ حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنا دیں جو دینِ حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

میری زندگی کی ساخت و پرداخت میں بھی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ احقر کی عمر کا بڑا حصہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں آتے جاتے گزرا۔ مسائل دینیہ میں ان کی فقیہانہ تحقیق، بیدار مغزی، حکیمانہ تنقیحات، معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط و نظم، ان کا وسیع و عمیق علم، ان کی بے شمار تصانیف، ان کی صحبت و برکت اور حکیمانہ انداز تربیت نے زندگی کے بہت بڑے بڑے سبق سکھائے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو خدا رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفائے کرام شریعت و طریقت کے میدان میں اپنی اپنی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام و حلال کا اور جائز و ناجائز کا اہتمام کم ہی ملتا ہے۔ جتنا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جو جائیداد ملی اس کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سرکاری کاغذات و دستاویزات ترکہ سے اپنے از سر نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق پہنچا دیا۔ غرضیکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تحریر، تعلیم و تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی و عملی فیض پہنچایا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح فرمائی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے تلامذہ و خلفاء ملک

کے ہر ہر خطے میں پھیلے اور ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ مؤثر نہ ہو۔ نیز تبلیغ کا ذریعہ ہو تصنیف وتالیف کے ذریعے ہر علم و فن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ہزار سے زائد تصانیف ورثہ میں چھوڑیں اور اصلاح و تربیت کا کام اپنے خلفاء و متوسلین کے حوالے کر کے ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہانِ فانی کو خیرباد کہا اور حافظ ضامن تھانوی شہید کے مزار کے قریب انہیں کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام سے وقف کر دیا تھا، آرام فرما ہوئے۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے درجات بلند فرمائے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ضبطِ اوقات و تنظیمِ کار

ایک سچے مومن ہی کی زندگی نظم و ضبط کا بہترین نمونہ ہو سکتی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی مجددانہ شان کا یہ وصف بھی بہت ممتاز ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے خارجی زندگی اور داخلی زندگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اہلِ حق ایسے بھی ہوتے ہیں اور اہلِ فہم نے سمجھ لیا کہ مصلحانِ دین ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بعض کم عقلوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو بالکل انگریزیت ہے کہ ملنے کے اوقات مقرر، گفتگو کے طریق متعین۔ لیکن ان کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جائے۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

کیونکہ بغیر اس اصولِ زندگی کے نہ خود کو راحت میسر آ سکتی ہے نہ غیر کو، نہ اپنی صلاحیتوں سے استفادہ ممکن ہے نہ غیر کی تربیت و اصلاح، نہ اپنی صحت و توانائی برقرار رہ سکتی ہے نہ اس کی افادیت۔ اسی لئے خانقاہ امدادیہ میں ان زریں اصولوں کو جن کے ماخذ بہر حال اسوہ و ارشاداتِ رسول کریم ﷺ ہی تھے پامال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خارجی زندگی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اوقات اس طرح بٹے ہوئے تھے۔ صبح سے بارہ بجے تک اور نمازِ عصر سے عشاء تک کے اوقات اپنی انفرادی امور مثلاً تصنیف و تالیف وغیرہ کے لئے مختص تھے۔ البتہ اس میں یہ استثنیٰ تھی کہ نو وارد جو پہلی بار ملاقات کرنا چاہے تو تم جو خصوصی ملاقات کا

طالب ہو۔ وہ جس کو کوئی فوری ضرورت لاحق ہو۔ ۱۲ بجے سے نماز ظہر تک بالکل تنہائی اور قیلولہ کا وقت تھا اور اس میں کوئی استثناء نہ تھا۔ نماز ظہر و قیلولہ سے فراغت کے بعد نماز عصر تک عام مجلس ہوتی تھی جس میں ہر شخص شریک ہو سکتا تھا اور بات چیت کر سکتا تھا۔ پھر بعد نماز عشاء کسی سے نہ ملتے لیکن یہ توان کے لئے ہوا جو بر ملا اپنا مدعا ظاہر کر سکتے تھے۔ راز اور تنہائی کے طالبوں کے لئے اصول یہ تھا کہ سہ دری میں آویزاں لیٹر بکس کے اندر یا تو اپنا مدعا لکھ کر ڈال دیں یا اس کے عرض کرنے کے لئے متعین وقت چاہیں۔ اور ہر دو صورتوں میں اپنا پتہ ضرور لکھ دیں (یعنی خانقاہ کے کس کمرے میں مقیم ہیں) تاکہ جواب بآسانی وہاں پہنچ جائے۔ نہ سائل کو تکلیف ہو نہ مسئول کو۔ خانقاہ امدادیہ کا یہ بھی اصول تھا کہ کوئی شخص بلا اجازت صاحب خانقاہ کی خدمت نہ کرے کوئی اس کے ہمراہ اور نہ راستے میں ان سے مصافحہ کرے۔ خود اپنے کام میں مشغول رہے اور حضرت شیخ کو اپنے امور مشاغل میں آزاد رکھے۔

چونکہ پڑھے لکھے غیر تعلیم یافتہ، آداب سے واقف اور بے ادب سب ہی طرح کے لوگ آتے تھے اور ہر ایک کو بار بار سمجھانے میں کافی وقت ضائع ہونے کا امکان تھا۔ اس لئے صحیح تعارف حاصل کرنے کے لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک جدول بنا رکھا تھا تاکہ اس کے مطابق خانہ پری کر کے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دے دیں۔ اس کے عنوان یہ تھے:۔

(۱) نام، (۲) وطن اصلی، (۳) اس وقت کس مقام سے آنا ہوا اور وہاں کی مدت قیام، (۴) شغل و ذریعہ معاش، کوئی موروثی زمین کے مالک تو نہیں، (۵) علمی استعداد اردو، عربی، انگریزی کس قدر ہے، (۶) آنے کا اصلی مقصد کیا ہے محض ملاقات یا کچھ کہنا بھی لکھ کر دیا یا زبانی، مجمع میں یا تنہائی میں، (۷) کسی سے بیعت ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو کس سے؟ (۸) اگر مجھ سے بیعت ہیں تو کتنا عرصہ ہوا؟ تعلیم کس سے متعلق ہے۔ (۹) میرے مواعظ و رسائل کیا کیا دیکھے ہیں؟ اگر (۱۰) مجھ سے کچھ خط و کتابت ہوئی ہے وہ پاس ہیں یا نہیں؟ اگر ہے تو دکھائیں۔ (۱۱) کتنا قیام ہوگا (۱۲) کہاں قیام ہوگا۔ (۱۳) خانقاہ میں پہلی مرتبہ آنا ہوا یا پہلے بھی آئے ہیں (۱۴) یہاں کے انتظام طعام کی خبر ہے یا نہیں (۱۵) باہر والا بڑا قلمی اعلان دیکھ لیا یا نہیں؟ (یہ وہی اعلان ہے جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اوقات فراغت و مصروفیت کی تفصیل ہے)

اس کے علاوہ ہر ہر طبقہ کے افراد کے لئے اصول وضوابط متعین تھے اور سب میں یہی روح کار فرما تھی کہ مرشد ومرید دونوں کو راحت حاصل رہے۔ تضیع اوقات نہ ہو اور بے جا اختلاط نہ رہے اب کوئی بتائے کہ بغیر اس نظم وضبط کے مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وہ کچھ کر سکتے تھے جو انہوں نے کر دکھایا۔ سینکڑوں کتابوں اور رسالوں میں حقائق ومعارف کے خزانے جمع فرماتے ہزاروں خطوط کے گراں بہا جواب لکھے سینکڑوں مواعظ کے ذریعے رشد وہدایت کے دریا بہائے ان گنت ملفوظات کے ذریعہ طریقت کے عقدے کھولے۔ ہزاروں تشنگان حب الٰہی کو سیراب کر گئے یہ سب اسی اصولی زندگی کا نتیجہ تھا۔

داخلی زندگی

وضع وپند اصول وضوابط صرف اغیار کے لئے نہ تھے۔ گھر کی نجی زندگی بھی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر نظر رکھی جاتی تھی۔ البتہ بر موقع ومقام کے لحاظ سے اصول بھی جدا تھے اور ہونے بھی چاہئیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی دو (۲) ازواج مطہرات تھیں۔ اس لئے جو بھی نقد یا جنس کی صورت میں آتا مساوی مساوی کر کے اپنے ہاتھ سے تقسیم فرماتے غیرت کا یہ عالم تھا کہ دونوں کے مہر ادا کر دیئے تھے اور باوجود فریق ثانی کی طرف سے واپس لینا گوارہ نہ فرمایا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سخت گیر نہ تھے۔ کبھی گھر والوں سے تکلف وتحکم کا برتاؤ نہ کرتے بلکہ ہمیشہ لطف وکرم سے پیش آتے اور بہت ہشاش بشاش رہتے تھے۔ اپنی ازواج کے مہمانوں کی پوری مدارت کرتے اور ان کے بچوں سے خوب مزاح فرماتے تھے۔ اہل خانہ پر حتی الامکان کوئی بوجھ نہ ڈالتے تھے حتیٰ کہ کسی خاص کھانے کی فرمائش نہ کرتے البتہ جب خود ادھر سے فرمائش کرنے کا اصرار ہوتا تو اس میں بھی ایسا اسلوب اختیار کرتے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو نہ ان پر بار پڑے۔ فرماتے ”تم ہی چند کھانوں کے نام لو جو بآسانی پک سکیں ان میں سے جو مرغوب ہوگا بتا دوں گا“۔ باوجود کثرت مشاغل کے گھر پابندی سے تشریف لے جاتے تھے تاکہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔ ان کی بیماریوں پر پوری فراخ دلی سے روپیہ خرچ فرماتے اور ضرورت ہوتی تو دور دراز مقامات پر خود لے جا کر علاج کرواتے تھے۔ اس طرح تعلق مع اللہ کے بہانے حقوق تلفی بھی نہ ہونے دیتے

تھے یہ تو ان دکانداروں کا شعور ہے جو سنت رسول ﷺ سے نا آشنا ہوتے تھے جن کے نزدیک عبادت و تعلق مع اللہ کا رشتہ اتنا نازک ہے کہ مسجد خانقاہ کے باہر قدم رکھتے ہی تار تار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اتباع سنت کے تحت ہر فعل جو مسجد خانقاہ میں ہو یا گھر اور بازار میں تو عین عبادت اور ترقی قرب کا موجب ہے اور یہی صفت "بے ہمہ و با ہمہ" کمال کی دلیل ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے تو دو عقد کر کے عدل و انصاف کی وہ نظیر قائم کی کہ اب لوگوں کے لئے عقد ثانی کی جرأت مشکل ہو گئی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی خود فرماتے تھے۔ "میں تو ایک کی باری میں دوسری کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے اس طرف توجہ کم ہو گی۔ اور وہ اس کی حق تلفی ہے۔ اب میں اپنے کپڑے خانقاہ ہی میں رکھتا ہوں۔ کیونکہ اگر میں ایک گھر میں کپڑے رکھتا تو دوسرے گھر والوں کو شکایت ہوتی کہ ہمارے ساتھ اتنی خصوصیت نہیں جتنی دوسری کے ساتھ ہے۔" حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اس شعور کو غور سے دیکھو اور جان لو کہ دین داری میں معاشرت، معاملات و اخلاق اتنے ہی اہم بالشان ہیں جتنے عقائد و عبادات۔ تکمیل دین کے لئے ان پانچوں پہلوؤں پر یکساں ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو رنج ہوتا جب شوہروں کے ظلم و ستم کی روایتیں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تک پہنچتیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہر ایک کو اپنی بیویوں پر صبر و کرم، عفو و درگزر اور پاس مروت کی تلقین فرماتے تھے۔

کچھ واقعات و کرامات

جہاں تم جاؤ گے، وہاں تم ہی تم ہو گے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں چودہ طلبہ دورۂ حدیث میں تھے۔ دستار بندی کی تجویز ہوئی یہ دار العلوم دیوبند کا دوسرا جلسہ تھا جس میں پگڑی باندھنے کا ارادہ کیا۔ تو ان چودہ طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جلسہ رکوانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ہم لوگوں کو پگڑی بندھوائی جائے گی اور ہم بالکل نہیں ہیں جس سے مدرسہ کی بدنامی ہو گی غرض ان چودہ طالب علموں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ جا کر

مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے جلسہ رکوانے کی درخواست پیش کریں۔ حضرت مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند کے اول مدرس تھے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جب ان کی خدمت میں پہنچے آپ کتابوں کے مطالعہ میں مصروف تھے اور انتہائی انہماک کا عالم تھا۔ رعب کا یہ عالم تھا کہ ہر آدمی بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کھڑے ہیں۔ آپ نے پوچھا خیر تو ہے کیسے آنا ہوا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ

"میں نے درخواست پیش کی کہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جلسہ دستار بندی ہو رہا ہے۔ علم کی تکمیل ہے تو ان کی نہیں ہمیں اگر عرض کرنے کا موقع دیں تو ہماری درخواست ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں نالائق ہیں۔ چونکہ مدرسہ ہمارے اکابر اساتذہ و بدنام ہو جائیں گے جلسہ روک دیا جائے اور ہماری نالائقیوں سے پردہ نہ اٹھایا جائے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عیب پر پردہ پڑا رہے"۔

یہ سن کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو جوش آ گیا اور فرمایا: "یہ تمہاری نالائقی کا احساس تمہاری سعادت مندی ہے اور جب آدمی میں اپنی نالائقی کا احساس آ جائے تو یہ اس کے کمال اور اس کی قابلیت و سعادت مندی کی دلیل ہوتی ہے اور ہم جو یہ جلسہ کر رہے ہیں تو وہاں ہم اعلان کر دیں گے کہ "فیصلہ بیننا وبین اللہ" ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہل ہیں اور قابل ہیں جس کی مرضی ہو ان کا کسی بھی فن میں امتحان لے لے۔" حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ ہم لوگ اور بھی ڈر گئے کہ آئے تھے جلسہ رکوانے کو اور یہاں امتحان دینے کا الٹا کہہ دیا گیا۔ بہرحال ہم وہاں سے چلے آئے چلتے وقت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک جملہ فرمایا تھا کہ "دنیا گدھوں سے بھری پڑی ہے جہاں تم جاؤ گے وہاں تم ہی تم ہو گے اور تمہارا ہی غلبہ ہوگا"۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ ہم نے یہ تجربہ کیا کہ جہاں گئے ہم ہی نظر آئے جہاں گئے غالب ہی رہے۔ دین کی خاصیت ہے "الحق یعلو ولا یعلیٰ" غالبیت کے لئے حق ہے اور مغلوبیت باطل کے لئے ہے"۔

تفسیر لکھنے میں آپ کو کتنا روپیہ ملا؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مرتبہ دہلی تشریف لے گئے وہاں ایک انگریز نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملاقات کی اور اول سوال اس نے یہ کیا کہ: میں نے سنا ہے کہ آپ نے کوئی تفسیر لکھی ہے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہاں لکھی ہے اس نے دریافت کیا: "آپ کو اس میں کتنا روپیہ ملا؟" حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب دیا ایک بھی نہیں۔ وہ سن کر بہت حیران ہوا اور دریافت کیا کہ پھر آپ نے اتنی محنت کیوں کی؟ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ: "آخرت کے ثواب کے لئے۔" وہ انگریز کہنے لگا کیا ابھی مسلمانوں میں ایسے خیال کے لوگ موجود ہیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب دیا۔ "بہت کثرت سے"۔

دین اور دنیا، دونوں میں عزتیں ہونگی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا۔ اب تو بالکل نظر نہیں آتے۔ اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے لیا کرتا تھا مولانا نے بعض اوقات استفسار و تحقیق مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے۔ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ مولانا رفیع الدین دیوبندی کے مردانہ مکان میں دروازے کے سامنے جو چبوترہ ہے اس کے کنارے پر ایک چارپائی بچھی ہوئی ہے اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں جو بہت نازک بدن کے دبلے پتلے ہیں اچھا کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مہریں ہیں جو نہایت صاف تھیں اور مہر میں صاف لکھا ہوا تھا (محمد ﷺ آپ کو حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضروری نہیں) اسی خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیل دار کے مکان میں جہاں تک کے متصل جو مکتب تھا اس کے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کیونکر پہنچا) اس میں بھی مہریں بہت مگر صاف نہ تھیں۔ میں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہوں گی (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ سچ

جس کو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اللھم زد فزد)

تین چیزوں کی پابندی سے سلوک طے ہو جائے گا

حضرت محمد شفیع صاحبؒ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے عرض کیا کہ:۔ "حضرت میری تمنا ہے کہ تصوف وسلوک کے مراحل طے کروں مگر سنتا ہوں کہ بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں اور محنت اور فرصت کا کام ہے میں خلقۃً ضعیف بھی ہوں زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں اور فرصت بھی کم ہے اور وقت تمام درس وتدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گزرتا ہے، کیا ان حالات میں بھی مجھے کوئی حصہ نصیب ہو سکتا ہے؟" حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بڑی شفقت سے فرمایا۔ "یہ تم نے کیا کہا؟ کیا اللہ کا راستہ صرف اقویاء کے لئے ہے ضعفاء کے لئے نہیں؟ فارغ البال لوگوں کے لئے ہے کم فرصت لوگوں کے لئے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے۔ ہاں ہر ایک کے لئے عمل کا طریق مختلف ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے۔ "طرق الوصل الی اللہ بعدد انفاس الخلائق" یعنی اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ہیں جتنے انسان" یہاں کوئی عطائی کی دکان نہیں کہ سب کو ایک ہی گولی دے دی جائے ہم آپ کو ایسا طریقہ بتائیں گے جس میں نہ قوت کی ضرورت ہوگی نہ فرصت کی"۔ اس کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ:۔ فرائض وواجبات اور سنن وغیرہ جو سب مسلمان ادا کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کریں ان شاء اللہ سارا سلوک اسی سے طے ہو جائے گا۔" تقویٰ اختیار کریں اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقویٰ صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے۔" جتنا ظاہر میں ہے۔" دوسرا ہر لایعنی (بے فائدہ) کام، کلام، مجلس اور ملاقات سے پرہیز کریں اور فرمایا لایعنی سے مراد وہ کام ہے جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال، اقوال ومجالس میں بہت سا وقت ایسا گزرتا ہے کہ کام کی بات تھوڑی سی اور بے فائدہ زیادہ بس ان سے پرہیز کرنا"۔ "تیسرا بقدر ہمت وفرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں"۔

"اب بتاؤ اس نسخہ میں کون سی چیز محنت یا فرصت کے بغیر نہیں ہو سکتی اگر غور کرو گے تو اس

میں قوت اور زیادہ محفوظ رہے گی کیونکہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ بہت سے ایسے کاموں سے روکتا ہے جو انسان کی قوت ضائع کرتے ہیں اور جب ان بعض کاموں ملاقاتوں، مجلسوں سے پرہیز کرو گے تو تمہاری فرصت علمی مشاغل کے لئے اور بڑھ جائے گی۔" حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے آخر میں فرمایا کہ "ذ تو آپ کے لئے اتنا ہی ہے کہ اگر دل چاہے اور فرصت بھی ہو تو صبح و شام سبحان اللہ، الحمد اللہ، لا الہ الا اللہ سوسو مرتبہ اور استغفار و درود شریف سوسو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ کا التزام کرلو۔"

نومسلم کا جھوٹا پانی پی کر کایا پلٹ دی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ایک مرتبہ کاپی تشریف لے گئے وہاں ایک شخص نہایت صاف ستھرے اجلے کپڑے پہنے ہوئے جو مسجد میں نماز کو آیا اس کے گاؤں والوں سے معلوم ہوا کہ یہ پہلے بھنگی تھا اب مسلمان ہو گیا ہے لیکن وہاں کے چودھری ساتھ کھانا، پانی تو دور کنار اس کے ہاتھ کا برتن بھی نہیں لیتے تھے، وہاں جلسہ تھا اس میں وہ بھی موجود تھا اور وہاں کے رئیس بھی جمع تھے، بعض لوگوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے خواہش کی کہ آپ اس موقع پر ان لوگوں کو سمجھا دیں کہ ایسا پرہیز نہ کیا کریں، اس کی سخت دل شکنی ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے دل میں سوچا کہ زبانی سمجھانے سے کچھ کام نہیں نکلے گا سمجھانے سے تو اس وقت ہاں ہاں کہہ دیں گے پھر بعد کو کون پرواہ کرتا ہے؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک بدھنے میں پانی منگوایا، جب پانی آ گیا تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس نومسلم سے فرمایا کہ ٹونٹی ہی سے منہ لگا کر پانی پیجئے، چنانچہ اس نے پیا، پھر آپ نے اس کے بچے ہوئے پانی سے پیا پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے سب سے فرمایا کہ سب لوگ پانی پئیں اس وقت سوا ان لینے کے کسی سے کوئی عذر نہ بن پڑا سب نے تھوڑے تھوڑے پانی پیا، پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ دیکھو بھائی اب اس سے پرہیز نہ کرنا، کہنے لگے اجی بس اب منہ کیا پرہیز کرنے کا، آپ کی تو بہت ہی ایسی ہے کہ ہمارا سارا بھرم توڑ کے لے لیا۔ اب آپ اطمینان رکھیں۔ اب ہم اسے اپنے ساتھ کھائیں پلائیں گے اس

سے یہ بے چینی زیادہ ہو گیا۔ جب ان کا بھوت چلا گیا تو آپ نے چھوڑ دیا۔

حکیم الامتؒ کے ایک مستجاب الدعوات شاگرد کا واقعہ

حضرت مولانا صوفی محمد شفیع بجنوریؒ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادیؒ کے مرید اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شاگرد رشید تھے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تعطیل تھی، میرے ایک رفیق درس کا خط حافظ محمد شفیع صاحب کے نام آیا جو پر اتفاقاً "عظیمی القاب" "قطب وقت" وغیرہ درج تھے، مدرسہ کی ڈاک صدر مدرس کی حیثیت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس آتی تھی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے صوفی صاحب کو بلا کر تفریحاً ارشاد فرمایا کہ "لیجئے اب تو آپ "قطب وقت" ہو گئے"۔ وہ وہ خط ہاتھ میں دے دیا، حافظ صاحب جھنجھلا کر بولے کہ "یہ لوگوں کا دماغ بھی خراب ہو جاتا ہے خواہ مخواہ مجھ کو رسوا کرتے ہیں"۔ دو ہی چار دن گزرے تھے کہ اس طالب علم کے بھائی کا خط آیا کہ "فلاں تاریخ فلاں وقت وہ طالب علم دفعتاً مجنون ہو گیا، خدا کے لئے دعائے صحت فرمائیں"۔ اب حافظ صاحب بڑے ہی قلق و اضطراب میں مبتلا ہو گئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آنسوؤں کے ساتھ بڑے الحاح و اضطرار کے عالم میں بولے کہ "حضرت! آخر کیا کروں وہ فقرے میں نے کچھ خفگی میں اور جان کے تھوڑے ہی کہے تھے بس جھنجھلاہٹ میں زبان سے نکل گئے تھے میں تو اس نعمت سے عاجز آ گیا ہوں"۔ ایسی الجھنیں عوام ہی کو نہیں خواص و اکابر کو بھی پیش آتی رہتی ہیں اور ایسے ورطہ سے نکلنے کا کام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہی جیسے دقیقہ سنج مصلحین کا ہو سکتا ہے کسی محض بزرگ کا نہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا۔ "اس کا علاج بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے اسی تدبیر سے کام لیجئے جو آپ کے پاس موجود ہے دعا کیجئے کہ اے اللہ اس نعمت عظیمہ کے بار کا تحمل اب مجھ ناتواں سے نہیں ہوتا اسے بدل کر کسی دوسری نعمت سے سرفراز فرمایا جائے، دعا آپ اپنی زبان سے کیجئے، جس کی مقبولیت کے یہ سب کرشمے ہیں آمین میں بھی کہتا جاؤں گا"۔ صوفی صاحب اس تشخیص اور معالجہ کو سن کر باغ باغ ہو گئے عمل اسی وقت کیا اور یہ دعا بھی اسی وقت قبول ہوگئی، یعنی اسی وقت سے وہ خاص کیفیت

سلب ہوگئی، مرض بھی ٹھیک ہوگیا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک اہل علم کی شان

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اپنے ایک اہل علم دوست کی فرمائش پر تشریف لے گئے ساتھ ہی روز گزرے تھے کہ ایک نواب فلاں نواز جنگ کا پرچہ آیا، جو نواب صاحب حیدرآباد (دکن) مرحوم کی ناک کا بال اور ارکان سلطنت میں سے لکھا تھا کہ:۔

"عرصے سے مجھے زیارت کا اشتیاق تھا مگر بدقسمتی سے تھانہ بھونؒ کی حاضری نصیب نہیں ہوئی، یہاں سے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں فلاں فلاں وقت اپنے فرائض منصبی سے فرصت ملتی ہے۔" حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب لکھا کہ: "بے حد مسرت ہوئی کہ آپ کے دل میں دین اور اہل دین کی محبت اور عظمت ہے مگر نیچے کی سطر پڑھ کر افسوس کی بھی کوئی حد نہ رہی کہ اس میں فہم سے کام نہ لیا گیا جس کے ملنے کو زیارت سے تعبیر کیا گیا اس کو تو اپنے اوقات فرصت بتلا کر پابند کیا گیا اور خود آزاد رہے یہ کون سی فہم و تہذیب کی بات ہے؟" اس پر نواب صاحب نے اپنی کج فہمی کی معافی چاہی اور لکھا کہ:۔ حضرت والا ہی اپنی ملاقات تحریر فرمائیں۔ اس پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان کو ایک اور سبق دیا کہ: "اب بھی پورے فہم سے نہیں لیا گیا مردہ بدست زندہ کی طرح مہمان میزبان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لئے سفر میں اوقات کا ضبط غیر اختیاری ہوتا ہے، آپ ساتھ رہیں جس وقت مجھ کو فارغ دیکھیں ملاقات کر لیں۔" اس پر انہوں نے لکھا: بدفہمی پر بدفہمی ہوتی چلی جاری ہے میں نہ اب اپنے اوقات کو ظاہر کرتا ہوں نہ حضرت سے معلوم کرتا ہوں جس وقت فرصت ہوگی حاضر خدمت ہو کر زیارت سے مشرف ہو جاؤں گا اگر فرصت نہ ہوئی تو لوٹ آؤں گا"۔ جب حضرت مولانا تھانویؒ نے دیکھا کہ اصلاح پزیر ہو گئے ہیں تو دل جوئی کے طور پر لکھا: "اب پورے فہم سے کام لیا گیا ہے جس سے اس قدر مسرت ہوئی کہ آپ کا میری زیارت کو جی چاہ رہا تھا اب میرا آپ کی زیارت کو جی چاہنے لگا، اگر فرصت ہو تو آپ تشریف لے آئیے ورنہ مجھے اجازت فرمائیے کہ میں خود حاضر ہو جاؤں"۔

غرض یہ کہ خود آئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ میرا یہ طرز عمل اس لئے

تھی کہ دنیا کے جس قدر دینے والے لوگ ہیں اہل دین کو بیوقوف سمجھتے ہیں ان کو یہ دکھانا تھا کہ اہل علم کی یہ
شان ہے کہ پہلے تو تذلل سے بچنا مقصود تھا مگر جب وہ اپنی خاطر ہی تشریف لا چکے تو اب کھنچا تکبر ہے،
اللہ کا شکر ہے کہ اس نے محفوظ رکھا۔ ملاقات کے دوران میں دو نواب صاحب حیدرآباد دکن کی بیدار
مغزی اور انتظام سلطنت کے واقعات بیان کرتے رہے۔ اس کے بعد کہا کہ نواب صاحب سے
ملاقات ہو جائے تو بہت مناسب ہے۔ آپ (حکیم الامت حضرت تھانوی) نے پوچھا "یہ آپ کی
خواہش ہے یا نواب صاحب کی؟" کچھ سکوت کے بعد کہا کہ "میری خواہش ہے" حضرت مولانا
اشرف علی تھانوی نے سوال کیا کہ "جس وقت آپ نے مناسب اور غیر مناسب ہونے پر غور فرمایا
ہوگا۔ اس پر بھی غور فرمایا ہوگا کہ ملاقات سے نفع کس کا ہے؟" کہا: "نواب صاحب کا" حضرت
مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا "نفع نواب صاحب کا اور ملاقات کی ترغیب مجھ کو دی جارہی ہے
مطلوب کو طالب اور طالب کو مطلوب بنایا جارہا ہے" اس پر کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت مولانا
اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ "میں خود عرض کر رہا ہوں کہ اس صورت میں کہ میں خود ملاقات کو
جاؤں حضرت کی حضرت سے نفع کچھ بھی نہیں۔ اگر میں ملاقات کو گیا تو وہ مطلوب اور میں طالب
ہوں گا اس صورت میں ان کو مجھ سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ ہاں اس سے مجھ کو نفع ہو سکتا ہے اس لئے کہ ان کے
پاس جو چیز ہے وہ مجھے ملے گی یعنی دنیا وہ بقدر ضرورت بھی ان کے پاس نہیں یعنی دین۔ اگر میں گیا
بھی جو ان کے پاس ہے یعنی دنیا، منصب، وظیفہ (وغیرہ) وہ مل بھی گئی تو اس صورت میں ایک خاص
ضرر بھی ہے اگر قبول کرتا ہوں تو اپنے مسلک کے خلاف، اگر قبول نہیں کرتا تو آداب شاہی کے خلاف،
کیونکہ قبول نہ کرنے میں ان کی سبکی اور اہانت ہوگی۔ اور چونکہ اس وقت میں اس کی حدود میں ہوں
اس کی پرورش میں اخراجات وغیرہ جو چاہیں میرے لئے تجویز کر سکتے ہیں تو نواب صاحب کو کوئی نفع نہ
ہوگا اور میرا نقصان ہوگا۔ یہ امر بھی شان سلاطین کے خلاف ہے وہ اپنی رعایا کے مدعو کئے ہوئے شخص
سے ملاقات کریں۔"

یہ سن کر نواز جنگ صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا کہ: "ان چیزوں پر تو ہم لوگوں کی نظر بھی
نہیں پہنچ سکتی" غرض کہ استغنا اور توکل کی وجہ سے حضرت تھانوی ہر جگہ غالب ہی رہتے تھے۔

(ملخص از بیس بڑے مسلمان)

آئیڈیل شخصیت نمبر ۴

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ

مولانا کا وطن اور خاندان

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا ددھیالی اور ننھیالی شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے والد ماجد مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ آخر میں جھنجھانہ کی سکونت ترک کر کے دہلی میں آ کر قیام پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی والدہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی نواسی تھیں۔ مولانا مظفر حسین صاحبؒ مفتی الٰہی بخشؒ کے حقیقی بھتیجے، حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے عزیز شاگرد اور حضرت شاہ محمد یعقوب کے مجاز تھے۔ ان کے تورع اور تقویٰ کا یہ حال تھا کہ آپ کے معدہ نے عمر بھر کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ممتاز شاگرد صاحب فتویٰ، صاحب تصنیف، مجسم مذاق۔ بے مثل ادیب اور عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا شجرہ نسب چھٹی پشت پر مفتی صاحب کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام اختر الیاس ہے۔

مولانا کی اہم خصوصیات

افسوس ہے کہ اس مختصر مقالہ میں حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ چونکہ اس کی گنجائش نہیں اس لئے مختصر طور پر یہاں حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے چند خصوصی صفات کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی سب

سے بڑی خصوصیت ہو۔ آخرت پر کامل یقین اور ہر وقت اس کا استحضار ہے جس کو لوگوں نے
حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کو قریب سے دیکھا ان کا زبانی اور تحریری بیان ملتا ہے۔ حضرت
مولانا محمد الیاس دہلوی کی تمام حرکات و سکنات سے واضح ہوتا تھا کہ جنت اور دوزخ حضرت مولانا
محمد الیاس دہلوی کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی اس دنیا سے اگرچہ نہایت نحیف و ناتواں تھے مگر اس مقصد کے لئے ایسی ان تھک اور اس قدر بے پناہ جدوجہد کرتے تھے کہ میرا اندازہ ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص کے سامنے جنت اپنی ساری نعمتوں اور دوامی قربتوں کے ساتھ اور جہنم اپنی ساری ہولناکیوں سمیت منکشف کر دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اگر یہ کام کرو گے تو یہ جنت ملے گی اور نہیں کرو گے تو اس جہنم میں ڈالے جاؤ گے تو شاید اس کی سعی وجہد اس سے زیادہ نہ ہو سکے گی جو حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کی بالخصوص آخری زمانہ میں تھی۔"

یہ تو حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کا حال تھا اب قال کی بات سنئے۔ مولانا نعمانی حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کے ملفوظات میں لکھتے ہیں:

"فرمایا کہ: اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا۔ اللہ کے وعدوں پر یقین اور اعتماد پیدا کرو اور پھر اسی یقین اور اعتماد کی بنا پر کام کرنے کی مشق کرو۔ اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی خود نہ گھڑو۔ تمہارا علم اور تجربہ بہت محدود ہے اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے مطابق سمجھو اور اس سے یوں ہی مانگو کہ اپنی شان اور قدرت کے شایان اپنے وعدوں کو پورا فرمائے۔

حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کی دوسری اہم صفت مولانا دہلوی کا سوز دروں اور بلند ہمتی ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کا دل اس زمانے کی دینی بے دینی کو دیکھ دیکھ کر جیسا تڑپتا تھا اور مخلوق خدا کی عام گمراہی اور جہالت و بدعملی کی ہمہ گیری کا تصور کر کے آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ گویا اس شعر کی مجسم تفسیر تھے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر .... سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مولانا ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ: "کبھی کبھی دین کے اس درد اور اسی فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے

اور بے چینی بڑھتی تو اٹھ اٹھ کر ٹہلنے لگتے۔ ایک رات والدہ مولانا محمد یوسف صاحب نے پوچھا کیا آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی فرمایا: کیا بتاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک سے دو ہو جائیں۔"

اسی سوز دروں کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی نے ساری زندگی کا اوڑھنا بچھونا دین اور اشاعت دین ہی کو بنا لیا تھا اور حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کی ساری زندگی کی دلچسپیاں اسی تبلیغی کام میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ حتیٰ کہ اپنی جان کو اس راہ میں قربان کر دینا اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور اس راہ کی تمام تکلیفوں اور مشقتوں کو نہایت عالی حوصلگی اور بلند ہمتی سے برداشت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ 1936ء کے ایک سفر میوات کے موقع پر مولانا محمد زکریا صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کو تحریر فرمایا: "اس قدر ضعف ہے کہ خلاف طبع اٹھی ہوئی بات سے اختلاج اور خفقان ہوتا ہے اور آرام کے ساتھ موٹر کی دہلی تک کی سواری سے بخار آتا ہے اس پر الحمد للہ ایک مہینے کی مسافت کیلئے میوات کی سخت ترین بد رسوم اور جہال کی باتوں کے اجتماع کو نشانہ بننے کے لئے موت کے لئے اپنی جان کو پیش کرنے کی نیت سے اس سفر کو کارزار کا میدان تصور کرتے ہوئے مصمم ارادۂ سفر ہے۔ گویا یہ سفر جہاد ہے۔ مگر اپنے ضعف سے اور اپنی مجربہ کم ہمتی سے نہایت خوف ہے کسی جگہ یہ نفس شریر کرب و شدائد کے مقابلہ سے فرار کر کے نامردی سے واپس ہوگا دعا کر دیجئے کہ جانے تک تحمل حق تعالیٰ شانہ شدائد و کرب کا نصیب کریں

"وما ذالک علی اللہ بعزیز" اور یا کام کو پورا کر کے ملاقی کے ساتھ بخیریت عود نصیب فرما دیں۔ اپنے اس سفر کو اہم فریضہ اور صحت کی رعایت کو سنگین ترین معصیت سمجھ کر اپنی زندگی سے مایوس ہو کر سفر کر رہا ہوں۔"

حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کی تیسری خصوصیت حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کی وسیع القلبی ہے۔ جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ کے ہر مکتب خیال اور ہر دائرہ فکر کے لوگ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کے قریب ہو گئے اور اس تحریک کے ساتھ جڑ گئے۔ تمام اہل حق کی طرح حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کو بھی حق تعالیٰ نے ایسی وسیع نظری اور عالی ظرفی عطا فرمائی تھی کہ جس مسلمان کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان تھا اس کی بھی حضرت مولانا محمد الیاس

دعوتی حرکت کرتے تھے اس کا نتیجہ تھا کہ ہندو پاکستان کے تقریباً تمام مشہور دینی مدارس اور مکاتب کے لوگوں کے علاوہ جدید انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لوگ اس جماعت میں کام کرتے ہوئے پائے گئے۔

اسی طرح مختلف ادوار اور مختلف طریق کے مشائخ کے متوسلین نے اس جماعت میں برابر کا حصہ لیا۔ کیونکہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کے دل میں ہر ایک کی قدر و عزت تھی۔ مدارس، یونیورسٹیوں، بازاروں اور خانقاہوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے علاوہ ہر قسم کے کاروباری اور ملازمت پیشہ لوگ بھی حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کی تحریک میں منسلک ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے نفع اٹھایا۔ اکرام مسلم حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کی دعوت کا اہم اصول تھا اور تمام متعلقہ کارکنوں کو بھی اس کی تاکید کی جاتی تھی۔

اس زمانے کی ترقی پذیر جماعتوں اور مذہبی اداروں کے ایک دوسرے سے بُعد، نفرت اور عام مسلمانوں کی افتراق و تشتت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہر جماعت اور ہر شخص اپنے کو سب سے افضل اور تمام خوبیوں کا مجموعہ سمجھتا ہے اور دوسرے شخص اور دوسری جماعت کو تمام خوبیوں سے محروم اور تمام خرابیوں کا سرچشمہ خیال کرتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی نے فتنوں کی اس بنیاد پر اس طرح تیشہ چلایا کہ جماعت کے بنیادی اصولوں میں اکرام مسلم کو داخل کر دیا اور ہر اس شخص پر اس کی پابندی لازمی قرار دے دی گئی جو جماعت میں شامل ہو کر تبلیغ کا کام کرنا چاہتا ہو۔

زمانے کا ایک دستور ہے کہ ہر شخص کو اپنی ذات تو مجموعہ محاسن اور دوسروں کو مجموعہ معائب سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی نے اس بات پر زور دیا کہ اپنے عیب کا تو تجسس کیا جائے اور دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھی جائے۔

ایک کارکن کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا: "کوئی شخص اور کوئی مسلم ہرگز ایسا نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو۔ ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر خرابیوں کے ساتھ نظر انداز اور ستر (پردہ پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور ان کے اکرام کا عام مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جائیں اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنیاد پڑ جائے۔"

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی یہی وہ اہم خصوصیات اور زریں اصول ہیں جنہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کو چشتی سلسلہ کے جلیل القدر مشائخ کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا ہے۔

پروفیسر خلیل احمد نظامی نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ:

"حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی۔ گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے کیا تھا۔

(بیس بڑے مسلمان)

الله

آئیڈیل شخصیت نمبر ۵

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ بمطابق 16 اکتوبر 1879ء کو دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں بوقت گیارہ بجے انگرمو ضلع اناؤ میں ہوئی۔ جہاں حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے والد ماجد مولانا حبیب اللہ صاحب مدرس تھے۔ تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کے والد ماجد بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ذاکر شاغل، بڑے پابند اور باخدا انسان تھے۔

کچھ اوصاف اور واقعات و کرامات

ذوقِ عبادت

رسول اللہ ﷺ کی امتیازی شان بندگی اور عبادت تھی۔ اسی لئے عبدہ ورسولہ کے ممتاز خطاب سے حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کو نوازا گیا۔ جیسے کہ اللہ رب العزت اپنی شان ربوبیت اور معبودیت میں یکتا اور بے مثل ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اپنی شانِ عبدیت اور بندگی میں کامل اور بے مثال تھے۔ اسی کمال عبدیت نے کمالِ رسالت اور رسولوں کی سیادت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ باوجود یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے محبوب ترین بندے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ساری ساری رات قیام و نماز میں گزار دیتے۔ پاؤں پر ورم آ جاتا۔ سوال کرنے پر ارشاد ہوتا۔

"افلا اکون عبدا شکورا" ترجمہ: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

اس جذبہ کی صورت میں محبت رسول اور اتباع سنت نبوی ﷺ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی

کے ذوقِ عبادت کا وہ لوگ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی "کی نماز کو دیکھا ہے۔ ان کی نماز حقیقی نماز ہوتی تھی۔ جس کو حدیث پاک میں معراج المومنین کے نام سے فرمایا گیا ہے۔ اور جس کو احسان کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے کہ:

"اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔" (بخاری شریف)

جب حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی "نماز میں مشغول ہوتے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ بندہ سارے عالم سے دستبردار ہو کر اپنے معبود کے ساتھ سرگوشی میں مشغول ہے اور بارگاہ خداوندی میں باریاب ہے۔ جو آیت بھی نماز میں تلاوت ہوتی تھی سننے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا۔ گویا وحی نازل ہو رہی ہے اور وہ کیفیت ورقت طاری ہوتی کہ جس کا بیان دشوار ہے بار ہا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی "سفر میں ہیں۔ یا سفر کی مشقت برداشت کر کے آئے ہیں اور پھر سفر کرنا ہے۔ مگر جب نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ایسی شان کے ساتھ پڑھتے کہ گویا نہ پہلے تعب تھا۔ نہ آئندہ کوئی سفر کرنا ہے۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی "ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اس کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا۔ جب انتہائی سوز و گداز کے ساتھ "یا حیی یا قیوم برحمتک استغیث" بار بار پڑھتے تھے۔ وصال سے ایک روز قبل کوئی صاحب دم کر رہے تھے کہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی "نے انتہائی بے قراری سے بار بار یہی پڑھا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا کوئی تکلیف یا درد ہے؟ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی "نے ارشاد فرمایا کہ یہی کیا تکلیف کم ہے کہ آپ حضرات مشغول ہیں اور میں بے کار پڑا ہوں عرض کیا گیا حضرت آپ نے تو بہت کام کیا ہے۔ اتنا کام تو ایک جماعت بھی نہیں کر سکتی۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی "نے ارشاد فرمایا۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

رمضان کے مہینے میں ۱۲ بجے تک حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی "خود تراویح پڑھاتے۔ اس کے بعد آدھا گھنٹا آرام فرماتے اور پھر تہجد میں مشغول ہو جاتے اور سارا دن تلاوت قرآن کریم میں بسر ہوتا تھا۔

اتباع شریعت وسنت

ایک مکتوب میں حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں: "آپ ذکر اور اتباع شریعت وسنت پر مداومت کرتے رہئے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح باطن ہوجائے گی۔"

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زندگی اس دور میں شریعت محمدی اور سنت نبوی کا بہترین نمونہ تھی۔ اس لئے ان کی ہر ادا سے انسانیت نمایاں تھی۔ کیونکہ اصل انسانیت دنیا کے سب سے بڑے انسان کے نقش قدم پر چلنے میں ہے۔ جو کوئی دنیا کے سب سے بڑے انسان کی جتنی اتباع کرے گا۔ وہ اتنا انسانیت سے قریب ہوگا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ چونکہ متبع سنت تھے لہٰذا دیکھنے والا پہلی نظر میں بھانپ لیتا تھا کہ واقعی انسان ایسے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی آپؒ سے متاثر ہوتا تو وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔

عزم واستقلال

کوئی شخص سوائے انبیاء علیہم السلام کے پیٹ سے بڑا بن کر نہیں آتا۔ البتہ بڑے بننے کی صلاحیت وقابلیت ہر ایک میں موجود ہوتی ہے۔ پھر جو ان صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور عزم واستقلال اور ہمت وحوصلے سے کارنمایاں انجام دیتا ہے وہی بڑا انسان شمار ہوتا ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو عزم واستقلال اور ہمت وحوصلے کے وہ ہمالیہ نظر آتے ہیں۔ جو کام بھی انجام دئیے پورے عزم واستقلال اور انتہائی ہمت وحوصلے کے ساتھ انجام دیا۔ جس کی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ وہ بوڑھے اور ضعیف ہوجانے کے باوجود ہمت وحوصلے میں جوان مرد تھے۔ جو تمام جوان مردوں سے سبقت لے گئے تھے۔ برطانیہ کا جس شان سے مقابلہ کیا۔ وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ حصول آزادی کے لئے جو جدوجہد کی اس کا کوئی نمونہ پیش نہیں کرسکتا۔

پھر ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت ووقعت برقرار رکھنے کے لئے جو کارنامے انجام دیئے وہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہی کا حصہ تھا اور اگر کچھ اور زندہ رہتے تو بہت کچھ کرتے۔ جو برطانیہ کی سنگینیوں سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ وہ ہندوستانی حکومت سے کسی طرح

مرغوب نہیں ہو سکتا تھا۔ حصول آزادی کے بعد ایک ساتھی نے عرض کیا کہ اب تو حکومت اپنی بن گئی! تو حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے ہنس کر فرمایا۔

"ہمارے لئے تو پہلے بھی جیل خانہ تھا اب بھی جیل خانہ ہے۔"

ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ حیثیت بھی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے عزم و استقلال کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ورنہ مظلوم مسلمانوں کی تباہی، مسجدوں، خانقاہوں اور مدرسوں کی بربادی کس حد تک پہنچتی اور نقشہ کیا سے کیا ہو جاتا۔

سادگی اور بے تکلفی

سادگی اور بے تکلفی بھی اعلیٰ انسانی جوہر ہے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنما کی تھی۔ اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم ملکی ہو یا غیر ملکی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا۔ اس ظاہری عزت و وقار کے باوجود اپنی درویشانہ شان اور بوریہ نشینی اور سنت نبوی کے موافق سادگی کے ساتھ زندگی گزارنا! صرف حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کا ہی حوصلہ تھا۔ یہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ لباس وضع قطع رہائش و بود و باش سب لطیف اور سادہ تھا اور سنت نبوی کا بہترین نمونہ، حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سنت کے موافق چمڑے کا تکیہ استعمال کرتے تھے اور چمڑے کا گول دسترخوان استعمال ہوتا تھا۔ جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم از کم دس بارہ آدمی دسترخوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے تھے ان میں سے ایک حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ بھی ہوتے تھے۔ اور ساتھ کھاتے تھے۔ صبح کو ناشتے کے ساتھ باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا۔ یہی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کا ناشتہ تھا اور یہی تمام مہمانوں کا! ایک دفعہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

""ہم آپ حضرات کے یہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے لاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور مرچ کھانا پڑتی ہے۔" اس پر حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ (جو ان تمام باتوں کے راوی اور محرر ہیں) نے فرمایا کہ: "حضرت باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہے۔"

تواضع اور انکساری

انسان کی انسانیت اور برتری و سربلندی کا اصلی راز تواضع اور انکساری میں مضمر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور رفعت اور سربلندی عطا فرماتے ہیں"۔ یہی تواضع وانکساری اصل شانِ عبدیت ہے۔ جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا۔ وہ مجسمہ تواضع ہوگا اور کبر وغرور سے بالکل مبرا ہوگا۔ جو عبدیت کے بالکل منافی اور متضاد ہے۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ تواضع اور انکساری کا ایک مجسمہ تھے کبھی صدر مقام پر نہ بیٹھتے تھے اور ہمیشہ نشست کے لئے مجلس کا گوشہ اختیار فرماتے تھے۔ ہر ایک چھوٹے بڑے کو "آپ" کے لفظ سے خطاب پر فرماتے تھے اور ہمیشہ اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ گویا چھوٹا اپنے بڑے سے گفتگو کر رہا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ گفتگو کا یہی انداز تھا۔ گویا حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی نظروں میں سب بزرگ تھے اور یہ خورد۔ ہر کام کے لئے خود سبقت کرتے اور ہر محنت ومشقت کے لیے حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ اپنے آپ کو پیش کرتے۔

علامت تواضع اور انکساری کی وجہ سے اپنے مخالفین ومعاندین کا بھی ہمیشہ اچھے الفاظ میں ذکر کرتے اور کسی کو برے الفاظ سے یاد نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ گورنمنٹ برطانیہ جس کی عداوت ونفرت حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی فطرت بن چکی تھی۔ اس کو بھی ہمیشہ ہماری مہربان گورنمنٹ فرماتے تھے۔ اگرچہ اس لفظ "مہربان گورنمنٹ" میں پورا طعنہ ہوتا تھا اور اور بعض تقاریر میں گورنمنٹ برطانیہ کی تمام مہربانیوں کا راز فاش ہوتا تھا۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی یہی خاکساری اور انکساری تھی جس نے مخلوق خدا کو اپنا گرویدہ اور شیدائی بنا رکھا تھا حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ ہر ایک کے سردار اور سرتاج بنے ہوئے تھے۔

آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ سٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو شخص بھی تھے جس کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور الٹے پاؤں بادل ناخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سمجھ گئے فوراً جا کر مٹی کی ڈلیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور وہاں جا کر بیت الخلاء میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے۔ تو جو ہندو صاحب نے دیکھا تھا کہ پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا۔ اور پھر تو عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا "یہ حضور کی بندہ نوازی ہے اور مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔"

راقم الحروف کی یہ بات بھی پہنچی ہے اس واقعہ کو لکھنے پر اسی طرح کے کسی دوسرے موقعہ پر اسی زمانے میں خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم نے اس ڈبے میں ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جواب ملا یہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ ہیں تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہو کر حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرت مدنی نے جلد پاؤں چھڑوائے اور پوچھا کیا بات ہے؟ تو خواجہ صاحب نے کہا:

"سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دئے اور برا بھلا کہا اگر آج آپ کے پاس آکر معافی نہ مانگتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔"

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے فرمایا:

میرے بھائی میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح یہودی اٹھ کر چلا گیا جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے واپس آیا تو دیکھا کہ حضور ﷺ بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔　([illegible] ملتان)

آئیڈیل شخصیت نمبر ۲

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

جلال نامی قصبہ ضلع گوجرانوالہ میں ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ [illegible] کے دن ایک مقدس گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام نامی اسم گرامی "احمد علی" رکھا گیا۔ یہ قصبہ ریلوے اسٹیشن گکھڑ سے چار میل مشرق میں واقع ہے۔ حقیقت ابدی نے اس قصبے کو کس صاحب کمالات اور منبع سعادت کی ولادت سے نوازا۔ اس وقت کی ایک زبان بھی ایسی نہ تھی، جو اس حقیقت کا اظہار کر سکے اور اس وقت کی ایک آنکھ بھی ایسی نہ تھی جو اس مہر ولایت کے طلوع پر خلق خدا کو آگاہ کر سکے لیکن فرشتگان قضا وقدر اس ہستی کے ہر کوچہ بازار میں پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔

ع آمد آں یارے کہ ما میخواستیم

کس کو خبر تھی کہ یہ بچہ جو آج ایک گمنام قصبے کے ایک غریب گھرانے میں جنم لے رہا ہے کسی دن آسمان ولایت پر آفتاب عالمتاب بن کر چمکے گا۔ اس کے فیوض و برکات کی سوتیں زمرد اور زر کی آمیزہ رنگین ہوں گی اور یہ مشرق سے طلوع ہونے والا مہر ولایت مغرب کی وادیوں میں بھی ضیا پاشیاں کرے گا۔ جیسا کہ علامہ علاؤ الدین صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی کی شہادت ہے۔ "میں نے مغربی ممالک کی سیر و سیاحت کے دوران میں اس حقیقت کو بڑے تعجب سے جگہ جگہ دیکھا ہے کہ سیدالمفسرین، عالم ربانی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ارجمند شاگردوں، عقیدت مندوں یا خوشہ چینیوں میں سے کسی نہ کسی مرد حق نے قرآن پاک کے درس و تدریس اور نشر و اشاعت کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا ہے۔"

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے والد محترم کا نام نامی شیخ حبیب اللہ تھا اور آپ سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے۔ بچپن سے حضرت مرحوم اپنے والد کی امیدوں کا مرکز و محور تھے۔ اس مقام پر

روڈ سا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حلقہ ارادت میں آ ئے تو ان کی زندگی کی کایا پلٹ ہو گئی اور وہ اپنے ہاں شادی بیاہ وغیرہ میں سادگی کے خوگر ہو گئے۔ خود حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی زندگی اسی بارے میں نمونے کی زندگی تھی۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

رحمت دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "نکاح میں چار چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے (۱) مال (۲) حسب (۳) ذاتی کمال و جمال (۴) دین"۔ پھر فرمایا تم دین کو پسند کرو ہر چند اس حدیث کے ظاہری الفاظ میں عورت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ عورتیں انہی کمالات اربعہ میں سے کسی وجہ سے پسند کی جاتی ہیں مگر مردوں کو پسند کرنے کا بھی یہی معیار ہے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے دین کو معیار بنا کر اپنی اولاد کا نکاح کیا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ خود برائے تعلیم یہ واقعہ کئی دفعہ بیان فرماتے تھے کہ جب میری بڑی لڑکی سن بلوغ کو پہنچ گئی تو میرے پاس علماء کرام کی ایک جماعت دورہ تفسیر کے لئے آئی ہوئی تھی۔ جب وہ جماعت فارغ ہوئی تو میں نے ایک مولوی صاحب کو علیحدہ لے جا کر پوچھا کہ کیا آپ شادی کریں گے؟ انہوں نے کہا میں پردیسی ہوں مجھے کون رشتہ دیتا ہے میں نے کہا میری لڑکی ہے اگر آپ راضی ہیں تو ابھی نکاح کر دیتے ہیں ورنہ اس کی تشہیر نہ کرنا۔ مولوی صاحب راضی ہو گئے اور اسی روز جلسہ ہوا کامیاب علماء کو سندیں دی گئیں اور مولوی نور اللہ صاحب کو سند دے کر میں نے اپنی بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا کئی سال ہو گئے ہیں مجھے اب تک معلوم نہیں ہے کہ "مولوی نور اللہ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں؟" دوسری نیک اختر مرحومہ کے نکاح کا یہ واقعہ ہے: مولانا عبدالمجید مرحوم سوہدروی (مسلکاً اہلحدیث) ایک دفعہ ملنے کے لئے آئے بوجہ پہلی بیوی کی فوتگی کے انہوں نے نکاح ثانی کی ضرورت ظاہر کی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا: ایک لڑکی ترجمہ قرآن اور فلاں فلاں کتاب پڑھی ہوئی ہے وہ یہ سن کر بولے سکول کی پڑھی ہوئی منظور نہیں ہے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا کہ اپنے گھر میں والدہ سے یہ سب کچھ پڑھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کسی بی بی کو دیکھنے کے لئے بھیجیں گے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا کہ میری لڑکی ہے کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ کو قبول ہے تو ابھی نکاح کر دیتے ہیں ورنہ شہرت نہ کرنا۔ وہ یہ بات سن کر راضی ہو گئے اور کچھ مہلت مانگی پھر آئے اور نکاح ہو کر رخصتی ہو گئی۔

مولانا عبیداللہ انور جو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے جانشین ہیں۔ ان کا نکاح ان کے ماموں ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے گھر ہوا جو لاہور میں بڑی عزت و شہرت کے مالک ہیں۔ انہوں نے برات پر سو آدمی طلب کئے مگر حضرت باپ بیٹا اور مولانا عبدالمجید صاحب تین افراد گئے اور نکاح ہو گیا۔ البتہ گھر آ کر ولیمہ کیا جس میں اعزہ و اقربا، تمام مدعو تھے یہی طریقہ سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہے۔

غمی کے موقعہ پر بھی یہی اتباع سنت ہے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بچے بھی فوت ہوئے اور بچیاں بھی۔ رات کو بچی فوت ہوگئی کسی کو چنداں اطلاع نہیں دی گئی صبح نماز فجر کے بعد حسب معمول درس قرآن دینے کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا کہ میری لڑکی رقیہ فوت ہوگئی ہے اب اس کا جنازہ اٹھایا جائے گا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت مولانا عبیداللہ انور کو وصیت فرمائی تھی کہ صبح کا درس کسی حالت میں بھی قضا نہ ہو لہٰذا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے فرمانبردار بیٹے نے حضرت لاہوریؒ کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی نعش مبارک کو غسل دھلا کر کفنانے کے بعد صبح کے وقت درس قرآن مجید دیا اور نماز ظہر کے بعد آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

پہلے حج بیت اللہ کی تیاری

نوالات اور نظر بندی کے تمام مصائب برداشت کرنے کے بعد 1917ء میں جب حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ لاہور میں تشریف لائے تھے تو اسی سال کے آخر میں یا 1918ء کے ابتداء میں جب حج کا زمانہ آیا۔ تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بھی سفر حج کے لئے تیار ہوئے۔ یہ سفر صرف حج کی غرض سے نہیں تھا بلکہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ آپ اپنے اہل و عیال سمیت حجاز پاک میں ہجرت کر کے تشریف لے جائیں اور بقیہ زندگی مدینۃ الرسول ﷺ میں ہی گزاریں۔ لہٰذا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے پاسپورٹ کی تحریر میں اپنے بال بچوں اور اپنے بھائی رشید احمد کا نام بھی لکھوا دیا۔ درخواست کے وقت آپ کے مخلص دوست خواجہ محمد رشید صاحب دائیں مسجد آسٹریلیا بھی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہمراہ تھے۔ حضرت مولانا احمد علی

لاہوریؒ نے اس معزز رئیس زادہ کو فرمایا کہ وہ ان کی ہجرت کے ارادے کو کسی پر آشکارا نہ کریں۔

جب بدھ کے دن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے حج کے لئے درخواست دی تو حضرت کے گھر میں فقط دس روپے تھے مگر خدائے مسبب الاسباب نے اپنی رحمت واسعہ سے ہفتے تک حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس انیس سو روپیہ بھیج دیا۔ اس عرصے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے آتے۔ دروازہ کھٹکھٹاتے اور کوئی دو سو کوئی چار سو روپے دے کر چلے جاتے۔ گویا تین چار دن کے اندر اندر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے اہل وعیال کے تمام مصارف حج کی رقم فراہم ہوگئی۔ کیونکہ ان دنوں ایک حاجی کے لئے تقریباً دو سو روپیہ کافی سمجھا جاتا تھا۔

سفر حرمین الشریفین کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے بارگاہ حق تعالیٰ میں بطور استخارہ کے استدعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ اگر اس احقر العباد کا ارض مقدس کو ہجرت کر کے جانا ہر لحاظ سے مفید ہے تو اپنے فضل عمیم سے اعانت فرما اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو اپنے حکم سے روک دے۔ جس دن یا سعادت آیا اسی دن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تیار ہو گئے۔ ایک بستر باندھ لیا۔ برتن بوری میں ڈال لیے اور بقیہ سامان کچھ تو فروخت کر دیا اور کچھ ادھر ادھر لوگوں کو دے دیا لیکن مشیت ایزدی کا فیصلہ کچھ اور تھا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ہجرت کا ارادہ باری تعالیٰ کو منظور نہ تھا۔ عین اسی دن آپ کی اہلیہ محترمہ سخت بیمار ہو گئیں اور سفر کے ہرگز قابل نہ رہیں۔ لہٰذا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مکرم المقام خسر حضرت محمد احمد مرحوم باقی اقرباء و اعزا کے ہمراہ تشریف لائے۔ اور اپنی صاحبزادی کی حالت کے پیش نظر ان کو ہمراہ نہ لے جانے کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اس لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بال بچوں کو سپرد خدا کر کے تن تنہا حج پر تشریف لے گئے اور ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور حج کرنے کے بعد بخیر و خوبی واپس تشریف لائے۔

تکبیر اولیٰ اور نماز باجماعت

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نماز باجماعت کا ہر چیز و کام سے زیادہ اہتمام کرتے اور ہمیشہ تکبیر اولیٰ میں شریک ہوتے۔ گرمی و سردی کی شدت حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو مسجد کی

حاضری سے نہیں روک سکتی تھی۔ بیماری اور ضعیفی کی حالت میں بھی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے رہے اور جب بالکل ہی معذوری والا چاری ہوئی تو اپنے حجرے میں نماز پڑھی۔ ایک دفعہ جناب مولا بخش صاحب سومرو وزیر مالیات آئے اذان ہو چکی تھی تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے چلتے چلتے ان سے بات چیت کی اس شخص کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے جو حضرت کے روحانی رتبے کو بھی ثابت کرتا ہے۔ ایک دن درس قرآن کے بعد ایک شخص علیحدگی میں ملا اور کہنے لگا کہ حضور ﷺ نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ اپنے مکانوں میں سے ایک مکان آپ کو دے دوں۔ اس کے چند روز بعد وہ شخص پھر آیا اور یہی کہا کہ پیغمبر ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے آپ چل کر مکان دیکھ لیں۔ چند دن بعد پھر آیا اور عرض کرنے لگا کہ حضور ﷺ مجھ پر خفا ہیں کہ مجھ سے تعمیل ارشاد میں سستی ہوئی ہے لہذا آپ ابھی تشریف لے چلیں چنانچہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ان کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ اور ایک مکان پسند کر لیا لیکن وہ مکان مسجد سے دور تھا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تو مسجد کو روانہ ہوتے راستے میں مصافحہ وغیرہ کرتے تکبیر اولیٰ نکل جاتی اور رکعت رہ جاتی۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اس شخص کو بلا کر کہا کہ اپنا مکان واپس لے لیں۔ اس نے کہا کہ میں نے آپ کو ہبہ کر دیا ہے آپ جو مرضی کریں چنانچہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے وہ مکان بیچ کر موجودہ مکان خضری محلہ میں بنوالیا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہمیشہ یہ حدیث مدنظر رہی کہ حضور ﷺ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور رات کو ہمیشہ عبادت کرتا ہے مگر جماعت پنجگانہ اور جمعہ کے لئے حاضر نہیں ہوتا فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ہمیشہ جماعت سے پہلے مسجد میں تشریف لاتے صف اول میں کھڑے ہو کر سنتیں ادا فرماتے اور ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے۔

حلال و حرام کی پہچان

مولانا عبداللطیف صاحب خطیب گنبد والی مسجد جہلم فرماتے ہیں ایک روز لاہور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص ایک برتن میں دودھ اور دوسرے برتن میں

دوائی لے کر آیا اور عرض کیا۔ حضرت دم کر دیں۔ حضرت نے دیکھا اور فرمایا ''ویسے لے آئیے تو اچھے نہیں ہیں''۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ معنوی توجہ سے حلت اور حرمت معلوم کر لیا کرتے تھے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی وہ دوائیں اشیاء حرام سے ہی حاصل کی گئی تھیں۔ ([illegible])

چوہدری محمد اکبر صاحب خیر پور میاں ضلع شیخوپورہ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ 1941ء میں گرمی کا مہینہ تھا۔ میں نے اپنے گنے کی تقریباً چھ من کھانڈ تیار کی۔ اس میں سے کچھ کھانڈ لے کر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں گیا۔ کھانڈ پیش کی تو حضرت نے فرمایا ''کھانڈ درست نہیں''۔ میں نے پھر اصرار کیا لیکن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے یہی فرما کر لینے سے انکار کر دیا۔ میں حیران ہوا۔ بہر حال واپس آ کر سوچا تو دو باتیں ذہن میں آئیں۔ ایک تو میں نے ابھی تک مشین والے کا کرایہ ادا نہیں کیا تھا۔ دوسرا میں نے ابھی تک چینی کا عشر ادا نہیں کیا تھا۔ میں نے فوراً دونوں کام کیے عشر بھی نکالا اور مشین کا کرایہ بھی مشین والے کو دے آیا۔ تقریباً ایک ماہ کے بعد میں اپنی بیوی کے ہمراہ پھر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں گیا۔ کیونکہ میری بیوی بھی حضرت کی بیعت تھی اسے سبق سننا تھا۔ حاضر ہونے پر میں نے عرض کیا کہ حضرت جی چاہتا تھا کہ تھوڑا سا گھی آپ کے لئے لیتا آؤں۔ مگر کھانڈ کی واپسی کے باعث ہمت نہ پڑی۔ ڈرتا تھا آپ کہیں خفا نہ ہوں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا گھی کہاں پڑا ہے۔ میری بیوی نے بتایا گھر کے فلاں حصے کے کمرے میں پرات کے اندر ڈبے میں ہے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے سر مبارک کو دو منٹ تک سینے کی طرف جھکایا۔ پھر فرمایا گھی تو پاکیزہ ہے۔ پھر فرمایا چینی کہاں پڑی ہے۔ میں نے بتایا تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے پھر توجہ کی اور بعد میں فرمایا اب تو چینی بھی پاکیزہ ہے۔ چوہدری محمد اکبر کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ واقعی عشر اور کرایہ ادا نہ کرنے کے باعث حضرت نے واپس کی تھی۔ حضرت مولانا قاضی حسین احمد شجاع آبادی فرماتے ہیں: ایک دفعہ گفتگو میں حضرتؒ نے فرمایا میں اور میرا لڑکا مولوی عبید اللہ انور تانگے میں جا رہے تھے ایک نئی مسجد راہ میں دیکھی میں نے دیکھتے ہی کہا کہ: ''اس مینار پر حرام کا مال لگا ہے۔'' بشیر احمد صاحب بزبانی موضع میاں علی خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے بتایا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ''میاں علی'' تشریف لائے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس کافی لوگ جمع ہو گئے کہ حضرت مولانا

احمد علی لاہوریؒ نے اچانک فرمایا مجھے تنہائی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آپ سب حضرات تشریف لے جائیں۔ تب مجمع رخصت ہو گیا۔ بعد ازاں موقع پا کر وہ شخص حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اقرار کے بعد توبہ کی اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی بیعت ہوا۔ سچا ہو گیا بقایا عمر شریعت کے مطابق بسر کرنے لگا۔ تا دم تحریر وہ صاحب حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ کی اور شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مرزا جان باز فرماتے ہیں کہ ان سے حاجی دین محمد صاحب مغل نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص محمد حسین جو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مخلص عقیدت مندوں میں سے تھا اور ایک بار حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہمراہ عمرہ کرنے کا بھی شرف حاصل کر چکے تھے۔ لاہور میں اچانک بیمار ہو کے فوت ہو گیا۔ میں نے دوسرے روز حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے اس کی وفات کا ذکر کیا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنے کے بعد فرمایا مجھے بروقت اطلاع کیوں نہ دی۔ ہم نے عرض کیا آپ کی ضعیفی اور سردی کی شدت کے پیش نظر۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔ قبر پر پہنچ کر حضرت نے دعا فرمائی اور مراقبہ کیا۔ پھر فرمایا "محمد حسین کی حالت تو اچھی ہے مگر پاؤں ننگے ہیں۔" عرض کیا وجہ بیت اللہ سے کفن لایا تھا وہ اتفاق سے چھوٹا نکلا۔ اس لیے سر ڈھانپ دیا اور پاؤں ننگے رہنے دیے۔

قبر سے فردوسی خوشبو

تاریخ میں تین چار ایسے بزرگ ملتے ہیں کہ جن کی قبروں سے بعد از دفن ایسی خوشبو آنا شروع ہوئی کہ لوگ اس کو محسوس کر کے حیران ہوئے کہ ایسی عمدہ خوشبو ہم نے دنیا میں کبھی نہیں سونگھی۔ ان میں پہلا نام حضرت امام بخاریؒ کا اور دوسرا نام میاں سید اصغر حسین دیوبندیؒ کا ہے تیسرا اور چوتھا واقعہ پنجاب میں پیش آیا۔ ساہیوال میں حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب اور لاہور میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قبر سے اور یہ نتیجہ ہے کمال اتباع سنت کا۔ لاہور کے باشندوں نے یک زبان ہو کر پکارنا شروع کر دیا کہ حضرت مولانا سید الابرار والاخیار کی تربت پاک سے فردوسی خوشبو آنے لگیں۔ نہایت معتبر افراد نے جا کر پتا لگایا۔ حضرت مولانا احمد علی

لاہوریؒ کی مرقد اقدس کی پاکیزہ مٹی کا ہر طرح کیمیکل معائنہ کیا گیا لیکن یہ معلوم ہوتا تھا۔ تہ ہوا کہ اس شمیم جانفزا کو کس چیز سے منسوب کیا جائے۔ لہذا یہ بات زبان زد خاص و عام ہو کر قدری حقیقت کی صورت اختیار کر گئی کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی لحد پاک "روضة من ریاض الجنة" بن چکی ہے۔ جس طرح حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی زندگی " آیة من آیات اللہ " تھی۔ اسی طرح حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی موت بھی صداقت اسلام کا نام بن گئی اور اب کس کے کان سن سکتے ہیں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی تعبیر اور مشارکت معنوی یوں بھی ہو سکتی ہے کہ سیدنا مولانا کی روح پاک کہہ رہی ہوگی۔ "ذٰلک فضل ربی ما کنت" پروردگار عالم کا مجھ پر مخصوص احسان و امتنان کہ اس نے میرے وجود کو تحت الثریٰ میں بھی طالبان حق کے مشام جان کو معطر کرنے کے لئے سامان فرحت بنایا تھا اور اب بھی میانی صاحب کے مرکز میں سالکان راہ ہدایت کے لئے یقین و اطمینان قلبی کی دولت بنایا ہے۔ سیدنا یحییٰؑ کی زبان سے ارشاد خداوندی سنئے کہ " والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا" اب ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی میں حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کی امت کے علماء خیر کے کمالات و صفات اور حیات و ممات کے حالات بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کے لگ بھگ ہوں گے تو اب ظاہر ہے کہ امت مرحومہ کے علمائے ربانی جو کہ ولایت کبریٰ کے منصب جلیلہ پر فیض الرام ہوتے ہیں "مستجاب اللہ" ان سعادتوں اور رحمتوں سے نوازے جاتے ہیں جو انبیاء سابقین پر رب العزت نے نچھاور فرمائی تھیں۔ دعا یہ ہے کہ خدائے کون و مکان شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ قدس اللہ سرہ کی روح پاک کو " وللاٰخرة خیر لک من الاولیٰ " کا مژدہ سنائے اور اس نعمت نبوی ﷺ کا سہیم و شریک بنائے۔

خطرناک مریض ایک ہی دن میں صحت یاب

حکیم محمد لغاری نے مولانا عبیداللہ انور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ خود سنایا کہ ان کے پیٹ میں (کینسر) پھوڑا تھا۔ جس سے بہت اذیت اور تشویش تھی۔ ایکسرے لیا گیا اور اگلے دن ہسپتال میں داخلے کا انتظام کیا گیا اگلے دن داخلے کے وقت مجھے خیال آیا کہ میں خطرناک بیماری

میں چلتا ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی تدفین کے بعد ہسپتال کی راہ لی۔ حضرت نے فرمایا تھیں کہ اللہ تعالیٰ جلد صحت دیں گے یہ خیال کر کے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی دعا لینے کے لیے حاضر ہوئی۔ حضرت نے بڑی شفقت اور مزید التفات سے میری گزارشات سنیں بعد میں میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے کہ اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ یہ بیماری بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور شفا بھی اسی کی جانب سے ہے۔ بہرحال جب میں بادل ناخواستہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے رخصت ہوئی تو مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میں تندرست ہو چکی ہوں میں نے گھر آ کر اعلان کر دیا کہ علاج ختم کراؤں گی چنانچہ میں ہسپتال نہ گئی شام کو ڈاکٹر صاحب آئے میں نے ان کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا لیکن وہ مطمئن نہ ہوا اور کہا کہ علاج ان دنوں ضرور ہے ورنہ مرض بڑھ جائے گا۔ فیصلہ ہوا کہ ایکسرے کرایا جائے۔ ایکسرے کرایا گیا تو بفضلہ تعالیٰ پھوڑے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ اور میں پہلے ہی دن سے تندرست ہو چکی تھی۔

حافظ صاحب صحیح سالم تھے

ایک دفعہ ایام حج میں شدت حرارت سے منیٰ میں بہت سے لوگ مر گئے مولانا حافظ حبیب اللہ (حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بڑے بیٹے) کے متعلق ان کی والدہ کو تشویش ہوئی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تسلی دیتے انجام کار بذریعہ تار پتہ کرنے کا فیصلہ ہوا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اللہ کی رحمت سے چشم باطن سے دیکھ کر فرمایا کہ حافظ صاحب بالکل صحیح سالم تھے گھر میں جا کر بیگم کو تسلی دی۔ دو دن کے بعد تار کا جواب آ گیا تو حافظ صاحب بخیر و عافیت تھے۔

لڑکی بالکل صحیح سالم ہے

خواجہ نذیر احمد کا بیان ہے کہ ان کی لڑکی سیالکوٹ میں تھی۔ اس کی خیریت کی اطلاع میں دیر ہو گئی ہم کو بڑی تشویش تھی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہے خط بھی آ جائے گا۔ بعد ازاں میری پریشانی دیکھ کر مزید فرمایا کہ لڑکی بالکل تندرست ہے چارپائی پر آرام کر رہی ہے اور فون اس کی فلاں سمت پر ہے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ارشاد کے مطابق دو تین دن کے بعد خیریت نامہ آ گیا۔ اور دوسرا واقعہ بھی

تحقیق کرنے پر حرف بحرف صحیح نکلا۔

عزیز! تمہارا دل تو نہیں مانتا

مولوی احمد دین صاحب ڈوگر (موضع میاں چنوں) شیخوپورہ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں آیا اور بیعت کی درخواست کی آپ نے فرمایا ابھی کچھ اور سوچ لو پھر کئی دن کے بعد آیا آپ نے پھر ٹال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر حاضر ہوا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا عزیز! تمہارا دل تو مانتا نہیں تم کس مجبوری پر میری بیعت کرنا چاہتے ہو۔ تب اس نوجوان نے کہا کہ جہاں میں شادی کرنا چاہتا ہوں وہ سب آپ کے مرید ہیں ان کی یہ شرط ہے کہ میں آپ سے بیعت ہو جاؤں تو رشتہ ملے گا پہلے مجھے واقعی آپ سے عقیدت نہ تھی مجبور آتا تھا مگر اب دل کی کایا پلٹ گئی ہے سچے دل سے تائب ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ہاتھ بڑھا دیا فرمایا واقعی اب ٹھیک ہے۔ اس طرح کے سینکڑوں واقعات کشف و کرامت کے اور ہیں جو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مکمل سوانح کی کتابوں اور احباب سے مل سکتے ہیں۔ یہ چیزیں کثرت ذکر اللہ اور اتباع سنت کی وجہ سے خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں کسی کو زیادہ کسی کو کم جیسا کہ اس کتاب کے دوسرے صفحات پر کئی جگہ لکھا گیا ہے۔ کہ یہ چیزیں مطلوب و محبوب نہیں ہیں۔ اور ہمارے سلف کے بزرگوں میں ان چیزوں کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

کئی دن کی باسی روٹی

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایک مرتبہ گھر میں دیر سے آئے رات ہو چکی تھی گھر میں طبیعت ناساز تھی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے نیند سے جگانا مناسب نہیں سمجھا صاحبزادی نے اٹھ کر کھانا دیا۔ اتفاق سے صاحبزادی کو پتہ نہ تھا کہ تازہ روٹی کہاں رکھی ہوئی ہے وہ غلطی سے کئی دن کی باسی روٹی اٹھا لائی اور سالن برتن میں ڈال کر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت نے جو دیکھا تو روٹی بہت سخت تھی۔ اس پر پھپھوندی (بھوئی) بھی جمی ہوئی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ کے علم میں یہ بات نہیں تھی لیکن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اسے جتانا بھی مناسب نہ سمجھا اور دل سے فیصلہ کر لیا کہ "اللہ تعالیٰ جو روزانہ تازہ روٹی دیتا ہے اگر آج اس نے یہ باسی روٹی

سامنے رکھوادی ہے اس کی نعمت سے کیسے انکار کیا جائے غرضیکہ اس روٹی کو کھالیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے میں کراہت بھی محسوس ہوتی تھی جی متلاتا تھا۔ قے آتا چاہتی تھی مگر نفس کو سزا دی اور چار و ناچار ساری کی ساری روٹی کھائی۔ اس واقعہ کو بیان کر کے فرماتے ہیں یہ دونوں مریدوں (خلیفہ غلام محمد صاحب اور سید تاج محمد صاحب) کی صحبت (اور تربیت) کا نتیجہ ہے۔ کہ انہوں نے انانیت اور نفس کو مسل کر رکھ دیا۔

سامان پہنچانے والا ہی شیخ التفسیر نکلا

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی معیت میں سہارنپور سے کیمبل پور آ رہے تھے ہمارے ساتھ کچھ طلبہ بھی تھے۔ جو دورہ تفسیر میں شرکت کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے۔ اتفاقاً حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیوبند کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ لیکن وہ لوگ متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے۔ اور مولانا عبدالشکور صاحب حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی ناواقفیت کی بنا پر انہوں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے درخواست کی کہ آپ ان طلبہ کو شیرانوالہ کی مسجد میں پہنچا دیں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے بغیر کسی پس و پیش کے ان طلبہ کا سامان اٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچا دیا۔ طالب علموں کو جب یہ معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والا ہی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ہے تو بہت شرمندہ ہوئے۔

نامی گرامی چور کی توبہ

سلطان بابا چک شہانہ تحصیل جڑانوالہ ابتداء سے اپنے بیان کے مطابق چور، بدمعاش اور بدکردار تھے اور عقیدۃً مشرک بدعتی تھے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ روڈ والا روڈ اسٹیشن پر آ رہے تھے۔ ان سے کسی نے کہا کہ ایک بڑے مولوی صاحب آ رہے ہیں لیکن انہوں نے نہایت بے پرواہی سے کہا کہ ہمارا مولویوں سے کیا تعلق؟ اور اس وقت چوری کے کسی پروگرام کے مطابق جا رہے تھے اتنے میں گاڑی آ گئی اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ گاڑی سے نمودار ہوئے۔ سلطان

بابا کی نظر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ پر پڑی اور رقت طاری ہو گئی چوری کا پروگرام ترک کیا اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قیام گاہ پر جا کر بیعت ہو گئے۔ سابقہ گناہوں سے توبہ کی اور با شرع صورت نیک مسلمان ہیں۔

حضرتؒ کے معمولات

اس موقعہ پر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے معمولات کو نہایت اختصار سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام کو اس ربانی شخصیت کی عملی زندگی سمجھنے میں آسانی ہو۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے منجھلے صاحبزادے حضرت مولانا قاری حمید اللہ انور صاحب حضرت لاہوریؒ کی بڑی صاحبزادی صاحبہ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نواسے حافظ عبدالوحید صاحب نے اندرون خانہ معمولات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے جانشین مولانا عبید اللہ انور صاحب کا بیان ہے کہ: ہم نے اپنی والدہ محترمہ سے متعدد دفعہ سنا تھا کہ جب ہم ابھی بچے ہی تھے تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بازار سے سودا سلف خرید کر لایا کرتے تھے۔ والدہ محترمہ کے بیمار ہونے کی صورت میں اپنے ہاتھوں سے آٹا گوندھتے، سالن تیار کرتے اور بیمار کے خاص کھانے کی تیاری بھی خود ہی فرماتے تھے۔ ساری زندگی گھر میں کوئی خادم یا خادمہ رکھنے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ والدہ محترمہ تندرستی کی حالت میں گھر کا تمام کام کاج خود ہی کر لیتی تھیں اور ہماری بہنیں آپ کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ جب ہم قدرے بڑے ہو گئے تو سودا سلف کی خرید ہماری ذمہ داری پر چھوڑ دی گئی۔ ہمارے بچپن کے زمانے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ مکان کے نچلے حصے سے تیسری منزل تک پانی خود ہی لے جایا کرتے تھے۔ اور والدہ محترمہ کا بیان ہے کہ قیام مسجد کے ایام میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ دونوں وقت باہر کنوئیں سے پانی بھر کر لاتے تھے اور کنواں گھر سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ ہفتے میں دو تین دفعہ نماز عصر کے بعد جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے جو جلانے کے کام آتی تھیں۔ اور اسی طرح طالب علمی کے دنوں میں جب آپ امروٹ شریف اور پیر جھنڈا حضرت سندھیؒ اور اپنے چھوٹے بھائیوں (محمد علی صاحب، عزیز احمد صاحب اور رشید احمد صاحب) کے کپڑے دھونا آپ کا روزانہ معمول تھا۔ احقر کی اہلیہ اور ان کی والدہ محترمہ نے

نعمت حسین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ باہر کا دروازہ بند کر لیتے اور جب تک صحت رہی
ہمیشہ اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے صاف کرتے تھے۔ گھر میں چھوٹے بچوں کے کپڑے اماں جی
مرحومہ اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتی تھیں۔ اور جوں جوں بچے اپنی عمر کو پہنچتے گئے اپنا کام اپنے
ہاتھوں سے کرتے رہے۔ حضرت مولانا حمید اللہ انور کا ارشاد ہے کہ آخری عمر میں جب حضرت مولانا
احمد علی لاہوریؒ کو ذیابیطس ہوگیا اور ضعف اعصاب جیسی موذی امراض نے پریشان کیا۔ اور کثرت مشاغل
بڑھ گئی اور ملاقاتیوں کے انبوہ ہجوم آنے لگے۔ تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے مجبوراً
کپڑے دھونے کے معمول کو ترک فرما دیا۔ لیکن حضرت لاہوریؒ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ دھوبی
کپڑے صاف کر لیتے ہیں۔ مگر پاک نہیں کرتے ہیں۔ ایک نیک طبیعت دھوبی نے حضرت مولانا
احمد علی لاہوریؒ کے کپڑے صاف کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی دھوبی کے دھلے ہوئے اور
استری کیے ہوئے کپڑے گھر پر پانی میں تین دفعہ ڈبو کر پاک کیے جاتے تھے۔ حضرت مولانا احمد علی
لاہوریؒ نے ابتدائی عمر سے سفید کھدر کا لباس زیب تن فرمایا تو زندگی کے آخری دن تک وہی لباس
دم تک اپنے کفن کی چادریں بھی سفید کھدر سے تیار کروائیں۔ حج اور عمرہ سے واپس تشریف لاتے تو
احرام کی چادروں کا کفن بنا کر رکھ لیتے اور ان پر دست مبارک سے تحریر فرمایا کرتے تھے ”یہ احمد علی کا
کفن ہے“۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے چودہ (۱۴) دفعہ حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی اور
زندگی کے آخری دنوں میں مع اہل وعیال سفر حج پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا احمد
علی لاہوریؒ نے ساری زندگی حتی الامکان اس بات کی پوری احتیاط فرمائی ہے کہ بے نماز کے ہاتھوں
کا پکا ہوا کھانا نہ کھایا جائے اس سلسلے میں بے شمار واقعات موجود ہیں۔ جن سے حضرت مولانا احمد علی
لاہوریؒ کی اس عادت مبارکہ کی تائید ہوتی ہے۔ مگر اس جگہ صرف ایک دو واقعات پر اکتفا
کیا جاتا ہے۔

جہاز کے بے نماز عملے کا کھانا نہ کھا کر آٹھ دن کی بھوک برداشت کر لی

1946ء میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ مع اہل وعیال بحری جہاز پر حج کے لئے
تشریف لے گئے۔ جہاز میں کھانا پکانے والا عملہ بے نماز تھا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ہر روز

پٹھان گھنٹہ درس قرآن مجید دیا کرتے تھے۔ جہاز میں سندھی حجاج کرام بھی تھے۔ ان کی استدعا پر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سندھی میں بھی تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو فارسی زبان میں بھی مسائل بیان کرنے ہوتے تھے۔ کیونکہ افغانستان کے لوگ بھی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہم سفر تھے۔ علاوہ ازیں آپ اپنے اوراد و وظائف میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے جہاز میں آٹھ دن تک کھانا نہیں کھایا۔ آپ کھانا پکانے والوں کو نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے رہے اور وہ نماز پڑھنے کا وعدہ کرتے رہے مگر آخر دن تک انہوں نے نماز نہیں پڑھی اور نہ ہی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ان کا پکا ہوا کھانا کھایا۔ جب یہ جہاز جس کا نام ایس ایس (SS) انگلستان تھا جدہ شریف میں پہنچا تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے۔ ساحل پر اترتے ہی آپ نے بھنی ہوئی مچھلی کھائی جس کے نتیجے میں آپ کو پیچش کا عارضہ لاحق ہو گیا اور تقریباً ایک ماہ تک آپ اس تکلیف میں مبتلا رہے لیکن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اس بات پر خوش تھے کہ ہم اس سفر میں کچھ حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں کھونے کے لئے نہیں آئے ہیں الحمدللہ بے نمازیوں کا ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھانے سے دل سیاہ ہونے سے بچ گیا۔ اور عبادت الٰہی میں خشوع و خضوع بھی محفوظ رہا۔

(مجالس نور دستاویز خاندان)

مولانا محمد عالم آسی حضرت مولانا العلامہ غلام مصطفیٰ قاسمی اور عالم باعمل عارف کامل حضرت مولانا نور احمد صاحب امرتسری کے علم و فضل کا بہت شہرہ تھا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ان کا بڑے ادب سے فقہ اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ اعظم حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن چانگامی سے حدیث پڑھی اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہؒ سے بھی حدیث کے اسباق تبرکاً لئے قرآن کریم کا گہرا مطالعہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا امتیازی نشان تھا۔

کچھ واقعات و کرامات

شاہ جی کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی

حضرت مولانا داؤد غزنوی صاحبؒ نے شکایت کی کہ مولانا مظہر علی اظہر اپنے بیٹے کی شادی پر باجا بجوا رہے ہیں۔ فرمایا بھئی اس سے گلا نہ کرو۔ وہ تو محرم کے دنوں میں باجہ بجوا کر تعزیے نکالتے ہیں۔ یہ تو بیٹے کی شادی ہے۔ ایک شیعہ نے سوال کیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ میں کیا فرق ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا بڑا فرق ہے۔ حضرت علیؓ حضور ﷺ کے مرید تھے ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہم سوائے حضرت عمرؓ سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مرید ہی تھے۔ اب سائل حیران ہوا کہ سب صحابہ مرید ہوئے تو آخر حضرت عمرؓ کیا تھے۔ پھر ذرا رک کر فرمایا سب صحابہ مرید تھے مگر حضرت عمرؓ مراد تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے خود ان کی آرزو اور اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لئے تھے۔ پھر فرمایا میں بیٹی کی نسبت کا ہوں۔ نفس بھی چاہتا ہے کہ سب کچھ انہیں کی جھولی میں ڈال دوں مگر عمرؓ نہیں چھوڑتے وہ خود کو منواتے ہیں اور بات بھی ٹھیک ہے۔ حضرت عمرؓ کو نکال دو تو تاریخ اسلام میں باقی کیا رہ جاتا ہے۔ (بخاری کی باتیں)

شکار کرنے آئے تھے شکار ہو چلے

مولانا تاج محمود صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے حافظ قائم الدین جو کپڑے کے تاجر نے بتایا کہ تقسیم سے قبل وہ آگرہ میں کاروبار کرتے تھے ایک دفعہ آگرہ میں ڈسٹرکٹ کی چھت پر جلسہ ہوا

۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کر رہے تھے۔ شاہ جی نے جب حجازی لے میں قرآن پاک کی تلاوت فرمائی تو ایک نوجوان تڑپ کر دیوار سے چھت پر جا گرا۔ مرنے سے تو بچ گیا مگر وجد و مستی کی حالت میں تڑپ رہا تھا۔ لوگوں نے اٹھایا تو اس کے پاس سے ایک خنجر برآمد ہوا۔ لوگ اسے اٹھا کر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے پاس لے گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے جب لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا تو وہ چیخ مار کر چونکا۔ جب ہوش آیا تو محبت سے اسے پاس بٹھایا۔ اس نے انکشاف کیا کہ مجھے تو شاہ جی کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا مگر شاہ جی کو قرآن پڑھتے سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

تحریک ختم نبوت کے بعد جب قید سے رہا ہو چکے تھے۔ غالباً 1955ء میں فیصل آباد دھوبی گھاٹ کے میدان میں ضعیفی اور علالت کے سبب بیٹھ کر تقریر فرما رہے تھے۔ دوران تقریر کسی نے ایک چٹ بھیج دی۔ لکھا ہوا تھا کہ جو لوگ ختم نبوت کی تحریک میں شہید ہو گئے ان کا ذمہ دار کون ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے پڑھا تو جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور گرج کر فرمایا۔ مسلمانو! ان شہداء کا میں ذمہ دار ہوں لیکن نہیں آئندہ بھی جو حضور اکرم ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر شہید ہوں گے۔ ان کا بھی میں ذمہ دار ہوں میں کوئی مودودی ہوں کہ مکر جاؤں۔ تم بھی گواہ رہو اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ رہنا شہداء کا میں خود ذمہ دار ہوں اور جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا اگر میں زندہ رہا اور موقع ملا تو پھر بھی ایسا ہی ہوگا۔ اگر کل مسلمان میاں ﷺ کے جوتے کے ایک تسمے پر قربان ہو جائیں تو پھر بھی حق ادا نہیں ہوگا۔ ان جملوں سے سامعین تڑپ اٹھے۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔

اللہ نے تنگ دستی کی لاج رکھ لی

رفیق احمد صاحب (میاں چنوں) بتاتے ہیں کہ ہم تین ساتھی شاہ جی کی خدمت میں ملتان گئے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ پہنچے تو شاہ جی اور قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کھانا کھا رہے تھے۔ علیک سلیک کے بعد سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے پوچھا کھانا کھاؤ گے؟ میں نے عرض کیا ضرور کھائیں گے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری خود اندر تشریف لے گئے چند منٹ گزر رہے تھے کہ ایک آدمی دس بارہ روٹیاں اور بھنا ہوا مرغا لے کر آ گیا۔ قاضی صاحب نے فوراً آواز دی۔ ابا جی! (قاضی

بیان کرتے ہوئے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خدمات کا بھی ذکر کیا اور فرمایا کہ چونکہ شاہ جی نے اپنی ساری زندگی ختم نبوت کی حفاظت میں صرف کر دی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بھی بلند کر دئیے اور انہیں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا۔ مولانا نے اس مجمع عام میں بتایا کہ مجھ سے ایک بہت بڑے عارف اور بزرگ نے اپنا خواب یوں بیان کیا۔ میں ان کا نام عام لوگوں میں نہیں بتاؤں گا۔ ہاں کوئی خاص شخصیت تنہائی میں دریافت کرے تو بتا دوں گا۔ پھر بیان کیا کہ وہ بزرگ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ ایک جگہ تشریف فرما ہیں دائیں بائیں سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ بیٹھے ہیں اور سامنے ایک تو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دوسرے حضرت عبدالقادر صاحب رائے پوری بیٹھے ہیں۔ حضور ﷺ کے پاس دو عمامے ہیں آپ ﷺ نے ایک عمامہ سیدنا صدیق اکبرؓ کو دے کر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ عمامہ ان کے سر پر رکھ دو اس نے ہماری ختم نبوت کی حفاظت کے لئے بڑی محنت کی اور دوسرا عمامہ حضرت رائے پوری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ ان کے سر پر رکھ دو۔ حضرت صدیق اکبرؓ جب عمامہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے سر پر رکھنے کے لئے بڑھے تو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے عرض کیا! حضور ﷺ میں نے جو کچھ لیا اپنے حضرت سے لیا ہے۔ (یعنی حضرت رائے پوری سے) اگر مناسب خیال فرمائیں تو پہلے عمامہ ان کے سر پر رکھیں پھر حضور ﷺ سے اجازت لے کر جناب صدیق اکبرؓ نے حضرت رائے پوری کا عمامہ ان کے سر پر پہنایا اور پھر شاہ جی کا عمامہ شاہ جی کے سر پر پہنا دیا گیا۔ (بخاری کی باتیں)

بشارت (۴)

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے مجھ سے فرمایا۔

جب حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بستر علالت پر تھے ان دنوں تبلیغی جماعت کے حضرات کی ایک جماعت کویت گئی ہوئی تھی۔ امیر حضرت فرماتے ہیں کہ کویت میں ہمارا مرکز کویت کی مرکزی جامع مسجد میں تھا ایک روز صبح کے وقت ایک سن رسیدہ بزرگ تشریف لائے جن کا نورانی چہرہ ہی ان کی بزرگی کی شہادت دیتا تھا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ آپ لوگ پاکستان سے آئے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو پوچھا پاکستان میں کوئی سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نام کے بزرگ ہیں میں نے اقرار کرتے ہوئے شاہ جی کا مختصر سا تعارف کرایا اور تعجب سے دریافت کیا کہ آپ انہیں

کیسے جاتے ہیں۔ ان بزرگ نے بتایا کہ رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ پھر فرمایا میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ ایک وسیع میدان میں ایستادہ ایک سمت یوں دیکھ رہے ہیں جیسے کسی کا انتظار ہو پھر میں نے دیکھا کہ بہت بڑا ہجوم حضور ﷺ کی طرف آرہا ہے۔ ہر شخص کا چہرہ نہایت نورانی، تابناک اور دل آویز ہے وہ ہجوم حضور ﷺ کے پاس آ کر دائیں بائیں دو حصوں میں بٹ گیا۔ کچھ دیر بعد ایسا ہی ایک اور ہجوم نمودار ہوا وہ بھی نہایت خوبرو اور درخشندہ پیشانیوں والے لوگ ہیں۔ حضور ﷺ کے قریب آ کر وہ بھی دائیں بائیں تقسیم ہو گئے۔ مگر حضور ﷺ اب بھی اسی طرح اسی جانب دیکھ رہے ہیں جیسے اب بھی کسی کا انتظار ہو۔ اتنے میں صرف ایک شخص جو نہایت حسین وجمیل ہے آتا دکھائی دیا۔ جب وہ قریب تر پہنچا تو حضور ﷺ آگے بڑھے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ؓ بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے اس شخص سے مصافحہ کیا سینے سے لگایا اور اس کی پشت پر شفقت سے دست مبارک پھیرتے رہے۔ میں نے کہا یہ پہلا گروہ تو انبیاء کرام تھے۔ دوسرا اصحاب کرام کا مگر یہ کون شخص ہے جس کا حضور ﷺ انتظار فرما رہے تھے اور اتنی محبت وشفقت کا اظہار فرمایا۔ تو آواز آئی یہ خادم ختم نبوت سید عطاء اللہ شاہ بخاری پاکستانی ہے خواب بیان کرنے کے بعد اس بزرگ نے فرمایا۔ آپ نے بتایا کہ وہ بیمار تھے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ہو چکی ہے۔ امیر جماعت کہتے ہیں جب شاہ جی کی وفات کا علم ہوا تو ہم نے حساب لگا کر دیکھا ۔شاہ جی کی وفات اسی روز ہوئی تھی جس کی شب کو اس بزرگ نے یہ خواب دیکھا تھا۔

بشارت (۳)

یہ واقعہ تو خواب کا ہے نہ کشف کا بلکہ عالم بیداری اور جیتے جاگتے ماحول کی بات ہے۔ ہمارے شہر شیخوپورہ میں ایک ظریف الطبع ہنس مکھ آدمی جن کی ہر خاص وعام سے بے تکلفی ہے (ان کی عزت نفس کے خیال سے ان کا نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا) ایک روز عصر کے وقت آئے اور میرے ساتھ دوکان کے باہر کرسی پر بیٹھ گئے۔ ہنس کر کہنے لگے شاہ جی آپ سید بادشاہ ہیں۔ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ شاعر بھی بڑے کمال کے ہیں میرے دل میں آپ کی عزت بھی ہے اور محبت بھی۔ کاش آپ وہابی نہ ہوتے۔ ان کی یہ ساری باتیں محض دل لگی کی خاطر تھیں۔ پھر کہنے لگے آپ کے

بخاری صاحب سید بادشاہ تھے۔ غضب کے خطیب تھے کئی بار میں نے ان کی تقریریں سنی۔ خلقت پہ جادو کر دیتے تھے۔ مگر تھے وہ بھی وہابی۔ میں نے بھی مزاحاً کہا وہابی کیا چیز ہوتی ہے۔ کہنے لگے یہی کہ لوگ پیروں فقیروں کو نہیں مانتے۔ میں نے کہا ہمارے شاہ جی تو پیروں فقیروں کو بہت مانتے تھے۔ بلکہ خود بھی اونچے درجے کے پیر فقیر تھے اور ساتھ ہی میں نے شاہ صاحب کا ایک واقعہ جس سے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی عظمت اور بزرگی واضح ہوتی تھی سنانا شروع کر دیا۔ وہ سن رہے تھے اور میں نے ان کے چہرے سے اندازہ لگایا کہ ان کو میری باتوں کا یقین نہیں آ رہا یا یقین کرنا چاہتے نہیں میں نے بات ختم کی تو کہنے لگے یہ بات واقعی سچی ہے میں ابھی کچھ کہنے لگا تھا کہ کہیں سے ایک کنکر اس زور سے ان کی کنپٹی پر آ کر لگا کہ وہ بے اختیار چیخے "ہائے میں مر گیا" اور ساتھ ہی کرسی سے گرنے والے تھے میں نے لپک کر سنبھالا۔ سر دبایا پانی پلایا تب کہیں انہیں ہوش آیا۔ میں نے حیرانی سے چاروں طرف نظریں دوڑائی کہ اچانک یہ بلا کدھر سے آئی۔ دیکھا تو کچھ دور ایک ۹،۸ سالہ لڑکا دزدیدہ نظروں سے ہمارا جائزہ لے رہا ہے۔ میں تاڑ گیا یہ شرارت اسی کی ہے۔ میں بڑی خاموشی سے ادھر ادھر کھسکا ذرا چکر کاٹ کر اس لڑکے کی پشت کی طرف سے اس کے سر پر جا پہنچا اور پکڑ لیا اور وہ گھبرا کر رونے لگا اور روتے روتے مجھ سے ایک بات کہی میں نے اسے دلاسا دیا کہ تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر یہ بات جو مجھ سے کہی ہے اس شخص کے سامنے بتا دے جسے تمہارا پتھر لگا ہے۔ میں اسے ساتھ لے آیا اور کہا اب بتاؤ تم نے اسے پتھر کیوں مارا لڑکے نے کہا اللہ کی قسم مجھے تو یہاں ایک کتا بیٹھا نظر آیا تھا میں نے اسے مارا تھا۔ میں نے لڑکے کو چھوڑ دیا اور ان حضرت سے پوچھا آپ سچ سچ بتائیں آپ نے میری بات کو دل سے جھٹلایا تھا انہوں نے اقرار کیا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگے میری توبہ میں نے ایک سید اور بزرگ کے متعلق دل میں شبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت مجھے سزا دے کر تنبیہ کر دی۔ میری توبہ۔ (بخاری کی باتیں: سید امین گیلانی)

(بشکریہ مقامات و کرامات سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صفحہ ۷۰ بحوالہ حیات امیر شریعت)

حضرت امیر شریعت کا آخری وقت

رات اڑھائی بجے اچانک طبیعت خراب ہو گئی اور سانس اکھڑنے لگی ہچکی شروع ہو گئی مگر

جنازہ جیسے جیسے اپنی منزل کی طرف بڑھتا گیا، ہجوم در ہجوم لوگ اس میں شامل ہوتے گئے۔ کچہری روڈ سے گزرتا ہوا یہ ماتمی جلوس چار بجے کے قریب ایمرسن کالج کے گراؤنڈ میں پہنچا اور جنازہ کی صفیں درست ہونے لگیں۔ تاریخ ماضی اپنی شہادت لے کر آن پہنچی۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی نماز جنازہ کے بعد اس کے دامن میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی نماز جنازہ کا دوسرا واقعہ تھا۔ ورنہ اس سے پیشتر اس قدر ہجوم کسی درویش کے جنازے میں نہیں دیکھا گیا۔ نماز عصر سے ذرا پہلے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی نماز جنازہ ان کے فرزند اکبر سید عطاء المحسن شاہ بخاری نے پڑھائی۔

نماز جنازہ سے فراغت کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا جسد خاکی دو لاکھ سے زائد انسانوں کے کندھوں پر اپنی آخری آرام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے بنا گری قبرستان کے ابتدائی کونے پر (میونسپل کمیٹی کے دیئے ہوئے وسیع قطعہ اراضی کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا خاندانی قبرستان قرار دے کر) سورج کی آخری کرنوں کے دیکھتے دیکھتے لاکھوں انسانوں کے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی پنکھڑیوں میں مٹی تلے لحد میں اتار دیا گیا۔ (حیات امیر شریعت)

آئیڈیل شخصیت نمبر ۸

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوریؒ

سلسلہ نسب

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوریؒ نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور شیخ حضرت سید آدم بنوریؒ کی اولاد میں سے تھے۔

مولد و وطن

بروز جمعرات ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ بمطابق 1908ء بوقت سحر یہ آفتاب علم و عرفان ضلع مردان میں رشکئی اسٹیشن کے قریب "مہابت آباد" نامی بستی میں طلوع ہوا۔ ضلع انبالہ ریاست پٹیالہ کے "بنور" نامی گاؤں میں حضرت شیخ کے جد امجد سید آدم اقامت پذیر تھے۔ اسی نسبت سے وہ "بنوری" کہلانے اور ان کا خاندان "بنوری" خاندان کہلانے لگا۔

ابتدائی تعلیم

قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور ماموں مولانا فضل صمدانی بنوریؒ سے اپنے گھر پر قصبہ میر احمد شاہ پشاور میں حاصل کی، صرف و نحو دیگر فنون کی ابتدائی کتابیں بھی یہیں زیر درس رہیں۔ ابتدائی اساتذہ میں مشہور استاذ شیخ حافظ عبداللہ بن خیراللہ پشاوریؒ متوفی ۱۳۳۱ھ ہیں۔ پھر امیر حبیب اللہ خان کے دور میں کابل (افغانستان) کے ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور فقہ، اصول فقہ، منطق، ادب، بیان وغیرہ علوم و فنون کی کتابیں پشاور اور کابل کے علماء سے پڑھیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے اس دور کے اساتذہ میں قاضی القضاۃ مولانا عبدالقدیر افغانی

افغانی (القاضی ...) اور شیخ محمد ... افغانی وغیرہ

جیسے مشہور علماء سے ہوئی۔ بعد ازاں علوم باطن کی تلاش میں دارالعلوم دیوبند آگئے۔ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۴۷ھ

تک دارالعلوم دیوبند میں طالب علم رہے۔ وہاں محقق العصر مولانا شبیر احمد عثمانی اور امام العصر

محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے اساتذہ میں

سے تھے۔ حوادث ایسا پیش آیا کہ ان کی وجہ سے جب امام العصر اور علامہ شبیر احمد عثمانی دارالعلوم

دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل منتقل ہو گئے تو شیخ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ بھی اپنے شیخ

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے ساتھ چلے گئے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ہی فارغ التحصیل

ہوئے۔ فراغت کے بعد 1930ء میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اپنے والد ماجد کی اصرار و

خواہش پر ایک ماہ کی قلیل مدت میں تیاری کر کے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس

کیا۔ چار سال تک پشاور میں جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم پر سیاسی و دینی خدمات انجام دیتے

رہے اور جمعیت العلماء پشاور کے صدر بنائے گئے۔ بعد میں اپنی جوانی کے اس قیمتی وقت کے

سیاست کے نذر ہونے پر افسوس کا اظہار فرماتے تھے۔ پشاور کے قیام کے دوران بھی حضرت مولانا

محمد یوسف بنوری مدرسہ رفیع الاسلام محلہ بھانہ ماڑی میں تدریس کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے

انجام دیتے رہے۔

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

کے خصوصی اور سب سے بڑے شیخ ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اپنے شیخ کے سچے عاشق اور

محب صادق تھے۔ ان کی ایک ایک ادا کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ ان کی محبت سے آخر تک سرشار

رہے اور کچھ ایسی مناسبت سے اسی انداز سے ان کا ذکر خیر فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی اپنے

شیخ سے مل کر آ رہے ہیں۔ ان کے ملفوظات ایسے محفوظ کر رکھے تھے جو ہو بہو انہیں الفاظ میں بیان کیا

کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نے امام العصر سے ہی اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کئے

اور سب سے زیادہ فیض اٹھایا۔ سفر و حضر میں ان کے خادم اور ایک سال سے زیادہ عرصہ تک شب

و روز ہمہ دم ان کے رفیق رہے۔ شیخ العصر نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی بے انتہائی لگن،

محبت، عقیدت، ہمت و ذکاوت کو دیکھ کر تاڑ لیا کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کو اپنے ساتھ ملحق کر لیا اور

"ضرب الخاتم" کے حواشی "ستارہ ربع" سے نکالنے کا کام حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نے پورا کیا اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی محنت و جانفشانی کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ جو آپ کر رہے ہیں اگر سیف اللہ شاہ دو گھنٹے کرتے تو تھک جاتے اور واقعی حقیقت بھی یہی تھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری چوبیس گھنٹے میں دو تین گھنٹے آرام کرتے اور بقیہ سارا وقت اپنے شیخ کی خدمت میں صرف کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کا صلہ یوں دیا کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کو بھی اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ دیا اور بے نظیر محدث، بے مثل عالم، جلیل القدر محقق، بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ درجہ کا مفسر، اونچے درجہ کا ادیب و شاعر بنا دیا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اپنے شیخ امام العصر کی یادگار اور اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ تھے جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا اور ایمان تازہ ہوتا تھا۔

ان کی صورت دیکھ کر آتی تھی یاد خدا .... نور سے ان کا چراغ راہ عرفان ہو گیا

شیخ العصر کی بے لوث خدمت ہی کا صلہ تھا کہ شیخ العصرؒ کی وفات کے بعد یہ جواں سال شاگرد اپنے شیخ کے لگائے ہوئے باغ کو سنبھالنے ڈابھیل کے جامعہ اسلامیہ کا شیخ الحدیث و صدر مدرس بننے کا شرف حاصل ہوا نیز جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مجلس علمی نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کو مجلس کا باقاعدہ رکن بنایا اور 1937ء میں اپنی بعض کتب کی طباعت کے سلسلہ میں قاہرہ بھیجا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی زیر نگرانی "نصب الرایہ" اور "فیض الباری" جیسی بلند پایہ علمی و تحقیقی کتابیں طبع سے آراستہ ہوئیں جن کے حسن طباعت کی آج بھی دنیا داد دینے پر مجبور ہے۔ اسی سفر میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نے مصر، یونان، ترکی اور حجاز مقدس کا سفر کیا اور متعلقہ علمی خدمت کو انجام دیا۔ ڈابھیل میں قیام کے دوران جمعیت العلماء صوبہ گجرات کے بھی صدر بنائے گئے اور مجلس اوقاف کمیٹی کے بھی منتخب کئے گئے اور پاکستان آنے تک ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

ہجرت

قدرت الٰہیہ اس آفتاب عالمتاب کو صرف ڈابھیل تک محدود رکھنا نہ چاہتی تھی لہٰذا حضرت

مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ہجرت کے اسباب پیدا ہونا شروع ہوئے اور مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا بدر عالم مدنیؒ نے پاکستان آنے پر اصرار کیا چنانچہ 16 جنوری 1951ء کو پاکستان تشریف لے آئے، جب حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ پاکستان پہنچے تو مرکزی وزراء نے آپ کا استقبال کیا، مولانا عثمانیؒ اور مولانا مدنیؒ کے اصرار و دعوت پر دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار (ضلع حیدرآباد سندھ) میں شیخ التفسیر رہے اور وہاں تین سال تک تشنگان علم تفسیر و حدیث کو سیراب کرتے رہے اور پھر بعض ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے وہاں سے کراچی منتقل ہوگئے۔ 1953ء میں نیو ٹاؤن کراچی میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی اور شروع میں فارغ التحصیل علماء حضرات کی تربیت کے لئے درجہ تکمیل کا افتتاح کیا، بعد ازاں دورۂ حدیث کے درجہ کا اجراء کرنا پڑا بالآخر درجہ بدرجہ نیچے کے تمام درجات کرنا پڑے، حضرت شیخ مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے تھے کہ عام طور پر مدارس کا افتتاح تحتانی درجات سے ہوتا ہے پھر اوپر کو ترقی ہوتی ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے یہاں ترتیب اس کے برعکس ہوئی، ہم نے پہلے فارغ التحصیل حضرات کی تکمیل و تربیت کا ارادہ کیا تھا مگر مطلوبہ استعداد کے فارغ التحصیل میسر نہیں آتے تھے اس لئے مجبوراً دورۂ حدیث کا درجہ جاری کیا اور دورۂ حدیث کی تیاری کی خاطر نیچے کے درجے بھی جاری کرنے پڑے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ اوصاف سے نوازا تھا طلبہ کی راحت و آرام کا بہت خیال رکھتے تھے، بہترین سطح کھانے پینے کی عمدہ اشیاء عمدہ اور صاف ستھری جگہ، ٹھنڈے پانی کے کولر، صاف ستھرے و کشادہ اور آرام دہ کمرے، دوا علاج کے مصارف، ماہانہ وظیفہ الگ، صبح ناشتہ کا خصوصی انتظام غرض کہ اپنے بچوں سے زیادہ طلبہ کا خیال رکھنا یہ سب ان کی توجہ، عنایت اور طلبہ سے محبت کا بہترین نمونہ ہیں۔

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ میں تو اضع بے انتہا تھی، نام و نمود اور شہرت سے بہت متنفر تھے، باوجود اس کے کہ مدرسہ کے لئے ساری بھاگ دوڑ خود کی، خون پسینہ ایک کیا، بانی، مہتمم، مدیر، شیخ سب کچھ خود ہی تھے لیکن کبھی یہ پسند نہ کی کہ ان میں سے کسی ایک نام سے انہیں پکارا جائے بلکہ اس سے بچنے کے لئے کسی دوسرے کو آگے بڑھا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اس اخلاص، تواضع اور للہیت کا صلہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی صورت میں روز بروز دے

رہے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے ان ہی اخلاص، بے نفسی، تواضع اور ان کی للہیت کا ثمرہ تھا جو آج ان کے سامنے "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کی شاندار عمارت کی شکل میں ہے جو چند سال پہلے ویرانہ تھا۔

حضرت شیخ مولانا محمد یوسف بنوری ایک مدت سے "وفاق المدارس العربیہ" کے صدر تھے۔ ۱۳۹۴ھ مطابق 1974ء میں آپ کے شدید انکار کے باوجود آپ کو "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا امیر منتخب کیا گیا۔ تحریک کے دوران مسلمانوں نے "مجلس عمل تحفظ ختم نبوت" کی قیادت بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے سپرد کی۔ ۱۳۹۰ھ مطابق 1970ء سے مجلس دعوت و تحقیق اسلامی کی بنیاد رکھی اور اس کے سرپرست رہے۔ کراچی یونیورسٹی کی طرف سے شعبہ معارف اسلامیہ وادب عربی کے لئے انتخاب اساتذہ کمیٹی کے رکن مقرر کئے گئے۔ حضرت مشاغل کی بناء پر اس سے مستعفی ہونا چاہا مگر قدرداں کہاں چھوڑنے والے تھے؟ آخر یہ منظور کیا گیا۔ یہ سب کچھ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے ان ہی اخلاص، للہیت اور تواضع کا ثمرہ تھا۔

چند اوصاف و واقعات اور کرامات

جرأت و مردانگی

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری فراغت کے بعد ایک عرصہ تک سیاست میں بھی پوری دلچسپی لیتے رہے۔ جمعیت علماء ہند کے ناظم منتخب ہوئے۔ اپنی پرخلوص اور مدلل تقریروں سے عوام کو ایک نیا شعور اور احساس دیا۔ دلوں میں اسلامی محبت اور دینی معرفت کی شمع روشن کی۔ اور وادی سیاست کے پرخطر میدان میں پیش آنے والے مصائب کو بصد صبر و تحمل برداشت کیا۔ مخالفین کے بیہودہ اور بے بنیاد الزامات کو مسکراتے ہوئے سہا۔ گرفتاری کی نوبت بھی آئی۔ لیکن جذبہ صادق میں کسی قسم کی لچک اور کمزوری نہیں آئی۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے اس دور سے متعلق ایک واقعہ حضرت مولانا لطیف اللہ صاحب نے سنایا۔ جس سے ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی بے خوفی، بے باکی، جرأت و ہمت اور شجاعت و مردانگی کا پتہ چلتا ہے۔

اسلامیہ کالج پشاور میں قادیانیوں نے اپنے کارندوں کے تعاون سے ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے تلمذ کے ناطے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے دل میں

قادیانیوں کے خلاف عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ نفرت تھی۔ اس لئے حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو اس جلسے کے انعقاد پر سخت پریشانی تھی۔ اور ہم نے اس جلسہ کو غیرت اسلامی کے لئے ایک چیلنج تصور کیا اور اس کے مضر اثرات اور برے نتائج سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے مذکورہ جلسے کو ناکام بنانے کی ٹھانی۔ جلسے کے روز ہم اپنے تلامذہ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اپنے متعلقین و ساتھیوں سے مسلح ہو کر جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ جلسے کے آغاز میں منتظم جلسہ نے اس اجتماع کی صدارت کے لئے ایک قادیانی کا نام لیا۔ صدر جلسہ کا نام سنتے ہی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے کمال شجاعت و مردانگی سے اعلان کیا کہ اس جلسہ کی صدارت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کریں گے۔ میں نے مولانا کی تائید کر دی۔ ہماری اس دلیرانہ جرأت سے قادیانی منتظمین و آپے سے باہر ہو گئے۔ ان کے چہرے سرخ ہو گئے اور آنکھیں انگارے بن گئیں۔ وہ چلا کر بولے صدارت کی نامزدگی کا حق تمہیں کس نے دیا؟ تو تکرار شروع ہو گئی۔ اسی اثناء میں ایک ذلیل قادیانی خاموشی سے میری پیٹھ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن اس نے ابھی لاٹھی اٹھائی ہی تھی کہ ہمارے احباب اور تلامذہ نے اسے پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے دیگر رفقاء بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے قادیانیوں کی وہ درگت بنائی کہ انہیں بھاگتے ہی بنی۔ چنانچہ جلسہ گاہ پر ہم قابض ہو گئے۔ مرزائی اپنی ذلت و پسپائی پر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ جلسہ گاہ میں اپنی چھوڑی ہوئی دریاں لینے کی بھی ان کو ہمت نہ ہوئی اور ان کی لجاجت اور منت و سماجت کے بعد ہم نے ان کو دریاں دیں۔ اس واقعہ کے بعد مرزائیوں کو جلسہ کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔

کفن بردوش سپاہی

ختم نبوت کی تحریک زوروں پر تھی۔ پاکستان کا ہر باغیرت شہری کسی نہ کسی طور پر اس مقدس تحریک میں شریک تھا اور کاروان تحریک کے قائد ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ تھے۔ اس وقت کا ایک واقعہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی نے یوں بیان فرمایا:

"ان دنوں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ پر سوز و گداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی وہ الفاظ کے جامہ تنگ میں نہیں سما سکتی۔ تحریک کے دنوں میں جو آخری سفر حضرت مولانا محمد یوسف

بڑی بڑی پیشکشیں ہوئیں، اور عظیم تر خواہشات انہیں اس راستہ سے نہ ہٹا سکے۔ زخارف دنیا کی چمک دمک سیم وزر کی چکا چوند، ظاہری لذائذ اور عارضی منافع کی کشش حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے پائے استقلال میں جنبش پیدا نہ کرسکی۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اپنے علم وعمل، فہم و ذکاوت، زہد وتقویٰ اور شہرت و عزت کو طلب زر اور حصول منفعت کے لئے کبھی بھی استعمال نہ کیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا معمول تھا کہ تعلیمی سال کے آغاز میں قدیم وجدید طلبا کی تصحیح نیت کے لئے تقریر فرماتے جس میں طلبا سے اس بات کا عہد لیا کرتے کہ وہ اس مدرسہ میں علم دین کو صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی، اسلام کی بقاء اور حفاظت کی غرض سے حاصل کریں گے۔ اغراض دنیا اور ظاہری عیش و راحت کے حصول کی نیت سے نہیں...... اور علم دین کو نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنانے والے کو اس بچے کے ساتھ تشبیہ دیا کرتے، جس کے ہاتھ میں اس کے باپ نے گوہر نایاب تھمادیا ہو مگر وہ کم فہم بچہ اس بے مثل گوہر کے عوض دکان دار سے چنے لے کر خوش ہو جائے۔ اور بڑے غصہ میں فرمایا کرتے کہ "بدبخت اور ملعون ہے وہ شخص جو علم دین کو حصول دنیا کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ایسے بدبخت سے سر پہ ٹوکری اٹھا کر مزدوری کرنے والا بدرجہا بہتر ہے"۔ اور پھر صریح الفاظ میں اعلان فرماتے "جو طالب علم اس مدرسہ میں اسلامی شکل وشباہت اختیار کئے بغیر رہنا چاہتا ہے اور جس کے دل میں علم دین کے ذریعہ دنیا کو حاصل کرنے کی تمنا ہے وہ ہمارے مدرسہ میں نہ رہے۔ ورنہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ اور مدرسے کے ساتھ بدترین خیانت ہوگی"۔

مجھے اللہ دے گا

افریقہ کے کسی ملک کا سرمایہ دار حاضر خدمت ہوا۔ باتوں باتوں میں اس نے اپنی عمارت اور فارغ البالی کا ذکر کیا۔ اور سرمایہ دارانہ مزاج کے مطابق اپنے مال و زر کی کثرت اور کاروبار کی وسعت کا تذکرہ کیا اور پھر کہنے لگا: "اس مدرسہ کو جتنا سرمایہ درکار ہو میں دینے کے لئے تیار ہوں"۔ اظہار اپنا خوب تھا مگر اس میں تعلی اور تکبر کی جو بو تھی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے مزاج لطیف پر گراں گزری۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اسے ایسا جواب دیا کہ وہ اپنا

تک یاد ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی مظلوم نہیں، بالکل لٹ گیا ہوں۔ پھر فرمایا کہ آج وہ واقعہ یاد کر کے ہنسی آتی ہے کہ سرکنڈے جیسی حقیر چیز کی کتنی وقعت و محبت دل میں تھی کہ سرکنڈے جیت لئے تو مالا مال، ہار گئے تو گویا لٹ گئے پھر فرمایا کہ آخرت میں بھی ہمارا یہی حال ہوگا کہ جنت کی نعمتوں کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی نعمتیں ہیچ نظر آئیں گی اور اور ہم اپنی نادانی پر ہنسا کریں گے کہ بھلا دنیا کی حکومت واقتدار، مال و دولت، جائیداد اور ساز و سامان بھی اس قابل چیز تھی کہ ہم ان کو دل میں ذرا بھی جگہ دیتے ہم کیسے نادان تھے کہ ان کے لئے لڑتے جھگڑتے تھے۔

ابتدائی تعلیم

پانچ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ کی تعلیم جناب حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دارالعلوم دیوبند میں شروع فرمائی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع" کی ننھیال قاضی پور ضلع مظفر نگر میں تھی۔ بچپن میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ وہاں بکثرت جانا ہوتا تھا ایک مرتبہ جب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع" قرآن شریف غالباً ناظرہ ہی پڑھتے تھے وہاں کچھ زیادہ دنوں کے لئے جانا ہوا تو تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے آپ کو وہیں کے ایک مکتب میں عارضی طور پر بٹھا دیا گیا طبیعت میں لطافت بچپن سے تھی۔ دیہاتی مکتب کا ماحول اور اسی مزاج کے استاد کا انداز تعلیم سخت اجنبی اور صبر آزما تھا، بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ یہاں کی روزمرہ میں داخل تھی اور مار پٹائی صبح شام کا مشغلہ۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع" کو ایسے ہولناک مناظر سے کہاں واسطہ پڑا تھا ایک روز استاد نے کسی بچے کو رسی سے باندھ کر ڈنڈے سے مارا تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع" فرماتے تھے کہ مجھے یہ دیکھ کر ہی دہشت سے تیز بخار ہو گیا۔ غرض قرآن شریف کی ناظرہ تعلیم بھی دارالعلوم دیوبند ہی میں ہوئی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع" کے والد بزرگوار کی خواہش تھی کہ آپ کو قرآن شریف حفظ کرائیں، کچھ پارے حفظ بھی کئے تھے مگر جسمانی طور پر بچپن سے کمزور تھے، حفظ کی محنت برداشت نہ ہو سکی مگر چند پارے، جو اس وقت حفظ کر لئے تھے عمر بھر یاد رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع" یہ پارے اکثر نفلوں اور تہجد میں پڑھا کرتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں خط و املاء کی مشق اور فارسی کی تمام مروجہ کتابوں کی تعلیم اپنے والد

محترم سے حاصل کی، حساب اور فنون ریاضی اقلیدس وغیرہ اپنے چچا جناب منشی منظور احمد صاحبؒ مدرس دارالعلوم دیوبند سے پڑھے اور فن تجوید اپنے عربی علوم کے رفیق درس جناب قاری محمد یوسف صاحب میرٹھی سے (جو عرصہ دراز تک آل انڈیا ریڈیو سے تلاوت قرآن فرماتے رہے) حاصل کیا۔ عربی نحو وصرف اور منطق کی ابتدائی کتابیں بھی فصول اکبری، ہدایۃ النحو، نور مرقات المنطق تک اپنے والد موصوف سے فارسی تعلیم کے ساتھ ہی پڑھ لی تھی۔ اس طرح تعلیم قرآن کے بعد تقریباً پانچ سال فارسی، ریاضی وغیرہ کی پوری تعلیم اور عربی کی ابتدائی کتب میں صرف ہوئے۔

درس نظامی اور آپ کے اساتذہ

۱۳۳۱ھ میں جب حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی عمر سولہ سال تھی، اصول فقہ اور ادب وغیرہ کی متوسط کتابیں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخل ہو کر شروع فرمائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی اس میں ہر طرف علم وعرفان اور زہد وتقویٰ کے بے مثال پہاڑ تھے جن کی رگ رگ سے علوم ومعارف کے بے شمار چشمے نکل کر عالم اسلام کو سیراب کر رہے تھے، اس روح افزا ماحول میں آپ نے جن یکتائے روزگار اساتذہ سے استفادہ کیا، ان کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کا جنید، کرخی، ابن حجر اور رازی اور غزالی بنایا تھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

"اگر ہم اپنے بزرگوں کے تبحر اور باطنی کمالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کرتے تو ہمیں اپنے قدیم اسلاف، تابعین، تبع تابعین کے حیرت ناک دینی کمالات کا مشاہداتی علم نہ ہو سکتا۔" حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے کمال علم اور پختگی کردار سے قرون اولیٰ کی وہ داستانیں تازہ کر دی تھیں جن پر تاریخ انسانی ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے اساتذہ کرام میں یہ حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) فخر المحدثین حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ۔

(۲) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی صاحب عثمانیؒ

(۳) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد احمد صاحب ابن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ

(۴) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب دیوبندی

(۵) عارف باللہ حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب

(۶) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ

(۷) جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا رسول خان صاحب

(۸) حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صاحب

کچھ واقعات و کرامات اور اوصاف

طلب علم میں انہماک

علمی ذوق حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی زندگی کے ہر شعبہ پر ہمیشہ غالب رہا۔ زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ جس انہماک اور جانفشانی سے اپنے اسباق کی فکر فرماتے تھے اس کی مثالیں دور حاضر میں نایاب ہیں۔ عربی تعلیم باقاعدہ شروع فرمانے کے وقت سے دارالعلوم ہی گویا آپ کا گھر تھا۔ اسباق سے فارغ ہو کر اپنے ہم سبقوں کو روزانہ کے اسباق کی طرح تکرار (اعادہ) کراتے تھے کہ استاذ کی تقریر کا پورا چربہ اتر جاتا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا تکرار طلبہ میں بہت مقبول تھا۔ طلبہ اتنی اہمیت سے اس تکرار میں شریک ہوتے کہ مستقل ایک درس کی سی صورت بن جاتی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ایک مرتبہ طلبہ دارالعلوم کراچی کو تکرار کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "میں مقامات کے تکرار میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی پوری تقریر کا اعادہ اسی ترتیب سے کیا کرتا تھا جس طرح استاذ محترم نے بیان کی تھی۔ بعض اوقات استاذ محترم سے بہتر بیان کی تھی۔ بعض اوقات استاذ محترم مولانا بھی میرا تکرار سنتے اور مجھے بعد میں بتایا کہ وہ اس تکرار سے بہت خوش ہوئے ہیں۔"

تکرار عموماً دارالعلوم میں رات ہی کو ہوتی اور بعض اوقات رات کو کسی جگہ مولسری کے درخت کے نیچے کھلے فرش پر سو جاتے۔ تکرار عموماً رات ہی کو ہوتا تھا اور جب تکرار لمبی ہوتی تو کبھی رات کا ایک بج جاتا کبھی دو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے دارالعلوم کراچی کے طلبہ کو ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"رات کو والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کر کے دیں۔ ان کے انتظار میں مجھے تکلیف ہوتی تھی۔ بڑی منت سماجت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں۔ سردیوں کی راتوں میں شوربا اوپر سے بالکل جم جاتا اور اوپر صاف پانی رہ جاتا۔ میں وہی کھا کر سو جایا کرتا۔"

دیوبند حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا وطن تھا اور مقامی عزیزو اقرباء کے گھر بھی تھے لیکن جانب علمی میں ان کے یہاں جانے کا وقت بھی نہیں ملتا۔ نہ محلے کے ہم عمر لڑکوں سے دوستانہ تعلقات کی نوبت آئی تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کو دیوبند کے جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے تمام راستے بخوبی معلوم نہ تھے۔ تعلیمی انہماک کے باعث کسی اور کام کی فرصت ہی نہ تھی۔ جب کچھ وقت ملتا حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں جا بیٹھتے۔ آپ کی ذہانت علمی ذوق اور صلاح وتقویٰ کے باعث آپ کے اساتذہ کی مشفقانہ توجہ ہمیشہ آپ پر مرکوز رہی۔

ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کے مخصوص شاگرد و مرید اور مدرسہ عبدالرب دہلی کے بانی حضرت مولانا عبدالعلی صاحب تشریف لائے۔ معزز مہمان اور دوسرے اساتذہ کرام کے ساتھ دارالعلوم کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ کھڑے تھے۔ قریب سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بغل میں کتابیں دبائے گزرنے لگے تو مہتمم صاحب نے بلایا اور معزز مہمان سے فرمایا "یہ دارالعلوم کا ایسا طالب علم ہے کہ اسے اپنی کتابوں کے علاوہ کسی چیز کا ہوش نہیں۔ نہ اپنے کپڑے کی خبر ہے نہ جان کی۔ کتاب کا کوئی سوال پوچھو تو محققانہ جواب دے گا۔"

مولانا عبدالعلی صاحبؒ نے دیکھتے ہی فرمایا "یہ تو مولوی یٰسین صاحب کا لڑکا معلوم ہوتا ہے۔" مولانا کا قیافہ مشہور تھا۔

ایک مرتبہ شرح جامی کا امتحان شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے پاس تھا۔ اس وقت تک حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے کوئی کتاب مولانا عثمانی سے نہیں پڑھی تھی۔ تحریر سے نہ پہچان سکے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا نہایت ممتاز اور محققانہ پرچہ دیکھ کر حیرت و مسرت ضبط نہ کر سکے۔ پرچے لے کر فوراً مہتمم صاحب کے پاس آئے اور پوچھا کون طالب علم ہے اس نے تو اس کتاب کی شرح تصنیف کر دی ہے۔ یہ سنتے ہی مہتمم صاحب فرط مسرت سے امتحان گاہ میں تشریف لائے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس وقت کسی اور امتحان کا پرچہ لکھ رہے تھے۔ آپ

کو بلا کر تمام طلبہ کے سامنے کھڑا کیا اور آپ نے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ چٹکی غیر معمولی خوبی کا اعلان فرمایا۔ (اکابر [illegible] ص ۱۵۸)

وقت کی قدر شناسی

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت والد صاحب ؒ کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا اور حضرت والد صاحب ؒ اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتے تھے، اور حتی الامکان کوئی لمحہ فضول جانے نہیں دیتے تھے۔ حضرت والد صاحب ؒ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف کی بات یہ تھی کہ وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے۔ حضرت والد صاحب ؒ سنت کے مطابق گھر والوں کے ساتھ خوش طبعی بھی فرماتے اور بسا اوقات تفریحی مشغلے کے لئے بھی وقت نکالتے تھے لیکن یہ معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کے دل میں کوئی الارم لگا ہوا ہے جو ایک مخصوص حد تک پہنچنے کے بعد آپ کو کسی اور کام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، چنانچہ گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے۔ حضر ہو یا سفر، حضرت والد صاحب کا قلم چلتا ہی رہتا تھا، ریل گاڑی میں تو آپ اتنی روانی سے لکھتے تھے جیسے ہموار زمین پر بیٹھے ہوں، اور تحریر میں کوئی خاص بگاڑ بھی عموماً پیدا نہیں ہوتا تھا۔ احقر نے حضرت والد صاحب ؒ کو موٹر کار بلکہ موٹر رکشہ تک میں بیٹھ کر لکھتے دیکھا ہے۔ موٹر کار اور رکشہ کے جھٹکوں میں لکھنا انتہائی دشوار ہوتا ہے، مگر حضرت والد صاحب ؒ ایسے جھٹکوں میں بھی لکھتے تھے، یہاں تحریر کے طرز میں کچھ تبدیلی پیدا ہوتی لیکن خط پھر بھی آسانی سے پڑھ لیا جاتا تھا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ وقت کی وسعت کے لحاظ سے مختلف کاموں کی ایک ترتیب ہمیشہ ذہن میں رکھتے، اور جتنا وقت ملتا اس کے لحاظ سے وہ کام کر لیتے جو اتنے وقت میں ممکن ہو، مثلاً اگر گھر میں آنے کے بعد کھانے کے انتظار میں چند منٹ مل گئے تو ان میں ایک خط لکھ لیا یا کسی سے فون پر کوئی مختصر بات کرنی ہو تو وہ کر لی، گھر کی کوئی چیز بے ترتیب یا بے جگہ ہے تو اسے صحیح جگہ رکھ دی، کوئی مختصر سی چیز مرمت طلب پڑی ہے تو اپنے ہاتھ سے اس کی مرمت کر لی، غرض جہاں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کو طویل کاموں کے درمیان کوئی مختصر وقفہ ملا، حضرت مولانا

مفتی محمد شفیع صاحب نے پہلے سے سوچے ہوئے مختلف کاموں میں سے کوئی کام انجام دے لیا۔
ایک روز لوگوں کو وقت کی قدر پہچاننے کے لئے نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ تو بظاہر
ناقابل ذکر سی بات لیکن تمہیں نصیحت دلانے کے لئے بتاتا ہوں کہ مجھے بے کار وقت گزارنا انتہائی
شاق معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ جب میں قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو وہاں بھی
خالی وقت گزارنا مشکل ہوتا ہے چنانچہ جتنی دیر بیٹھا ہوتا ہے اس میں اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا، لوٹا
میلا کچیلا ہوا تو اسے دھو لیتا ہوں۔ وہ اسی طرح زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں زاویہ نظر
درست فرما کر انہیں عبادت بنا دینے کی فکر میں رہتے تھے۔

طرز معیشت

حضرت مولانا صاحبؒ کا طرز معیشت ہمیشہ انتہائی سادہ رہا۔ ساری عمر ایک ہی لباس اور
ایک ہی وضع قطع کے پابند رہے۔ طرز بود و باش میں ہمیشہ تواضع، سادگی اور مسکنت کی جھلک
نمایاں رہی۔ آمدنی کے لحاظ سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ پر مختلف قسم کے دور گزرے۔
دارالعلوم دیوبند میں پندرہ (۱۵) روپے سے لے کر پچھتر (۷۵) روپے تک حضرت مولانا مفتی محمد
شفیع صاحبؒ کی ماہانہ تنخواہ رہی۔ اس کے بعد مدت تک کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ پاکستان
آنے کے بعد ابتدائی زمانہ میں بہت عسرت میں بسر ہوا۔ پھر وہ دور بھی آیا کہ بورڈ تعلیمات اسلامی کی
رکنیت کے زمانہ میں ایک ہزار روپے ماہانہ الاؤنس ملنے لگا۔ لیکن اتار چڑھاؤ کے مختلف زمانوں میں
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا طرز معیشت یکساں ہی رہا۔ نہ عسرت کے زمانے میں کبھی بخل
سے کام لیا، نہ فراخی کے دور میں کبھی اسراف سے۔ البتہ آمد و خرچ ہمیشہ انتظام کے ساتھ فرماتے، ہر
قسم کے اخراجات کی الگ الگ مدیں مقرر تھیں، جتنی آمدنی ہوتی ضرورت کے لحاظ سے مختلف
مدوں میں تقسیم ہو جاتی، اور جس مد میں جتنے پیسے ہوتے اسی لحاظ سے خرچ بھی فرماتے۔ زمانہ دراز
تک یہ معمول رہا کہ روزانہ اخراجات کا تحریری حساب رکھتے۔ وہ کاپیاں اب تک محفوظ ہیں جن میں
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ چھوٹے چھوٹے اخراجات بھی لکھ کر رکھتے تھے اور اکثر فرمایا
کرتے تھے کہ تھوڑی آمدنی میں کام چلانے کے لئے بخل کی نہیں، انتظام اور قناعت کی ضرورت

سادگی کو کام میں لیا، اور تنگی سے راحت سے لے کر وسعت وفراخی تک ہر قسم کے سرد وگرم جھیلے، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی محبت حضرت مولانا مفتی صاحب کو چھو کر بھی نہیں گئی جس کی واضح مثال یہ ہے کہ دیوبند میں عمر کا بیشتر حصہ حضرت مولانا مفتی صاحب نے ایک تنگ کمرے میں گزارا۔ آخر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی تو خود اپنے شوق سے ایک کشادہ مکان بنوایا، اس کی ایک ایک اینٹ پر محنت خرچ کی، یہاں تک کہ وہ حضرت مولانا مفتی صاحب کی راحت کا بہترین سامان بن گیا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کو شجرکاری کا بھی شوق تھا، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر نیت صحیح ہو تو درخت لگانا بھی ایک صدقہ جاریہ ہے، جب تک وہ درخت قائم رہے گا، اس سے جتنے آدمی فائدہ اٹھائیں گے، درخت لگانے والے کو ثواب ملے گا۔ چنانچہ دیوبند ہی میں ایک باغ لگایا جس میں بڑے شوق اور محنت سے مختلف پھلوں، بالخصوص آم کے درخت جمع کئے، لیکن اسی اثناء میں پاکستان بن گیا، اور ہجرت کا مرحلہ اس وقت آیا کہ جب باغ میں پہلا پھل آرہا تھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے چلے آئے اور اکثر تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "بفضلہ تعالیٰ جس روز اس گھر اور اس باغ سے قدم نکالا تھا وہ گھر اور باغ میرے دل سے نکل گئے اور اب مجھے بعض اوقات سوچ کر بھی اس گھر کے بعض حصوں کا نقشہ یاد نہیں آتا۔" چنانچہ ساری عمر کبھی ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی صاحب کو اس باغ کا حسرت سے تذکرہ کرتے نہیں دیکھا۔

اسی طرح کراچی آنے کے سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے لسبیلہ ہاؤس میں وسیع اور آرام دہ مکان عطا فرمایا، لیکن چند سال اس میں قیام رہنے کے بعد دارالعلوم کی ضرورت داعی ہوئی کہ آپ قیام یہاں منتقل فرمائیں، چنانچہ اس کشادہ اور آرام دہ مکان کو چھوڑ کر یہاں تشریف لے آئے، اور ایسے تنگ مکان میں سال ہا سال گزارا کیا جس کی چھتیں نا پختہ تھیں، اور برسات کے موسم میں [illegible] کی طرح ٹپکتا تھا، لیکن یہاں آنے کے بعد لسبیلہ کے مکان کی راحت وآرام کو یاد کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ غرض دنیا کی بڑی سے بڑی منفعت کے ہاتھ سے نکل جانے پر کبھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو حسرت کرتے نہیں پایا، اور بہادر شاہ ظفر مرحوم کا یہ شعر جو آپ ایسے موقع پر پڑھا کرتے تھے، آپ کے قلب کی کیفیت کی تصویر تھا:

کچھ بھی رقم آتی تو اس کا ایک متعین حصہ فوراً مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لئے علیحدہ فرما دیتے تھے اور ہمیں بھی یہ ہدایت فرماتے تھے کہ اگر محنت سے حاصل کی ہوئی ہے تو اس کا بیسواں حصہ (یعنی پانچ فیصد) اور اگر کسی محنت کے بغیر حاصل کی ہے (مثلاً انعام، ہدیہ تحفہ وغیرہ) تو اس کا دسواں حصہ (یعنی دس فیصد) فوراً علیحدہ نکال لیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی صاحب کے پاس بیٹھ کر ہر قسم کے اخراجات کی الگ الگ مدیں مقرر تھیں، ایک صندوقچی میں مختلف تھیلے بنا کے رکھے رہتے تھے جن پر اس مد کا عنوان لکھا ہوتا تھا مثلاً "گھر کی اخراجات" "ضرورت کے اخراجات" وغیرہ اسی صندوقچی میں ایک تھیلا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس ہمیشہ رہتا تھا جس پر "صدقات و خیرات" لکھا رہتا تھا۔ تنخواہ کی آمد ہو یا فراخی کا آمدنی کا مذکورہ حصہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فوراً اس تھیلی میں رکھ دیتے تھے اور جب تک یہ حصہ "صدقات و خیرات" کی تھیلی میں نہ چلا جاتا اس وقت تک اس آمدنی کو استعمال نہیں فرماتے تھے۔ اگر دس روپے بھی کہیں سے آتے ہیں تو فوراً اس کے چھوٹے نوٹ بھنوا کر ایک روپیہ اس تھیلی میں رکھنے کو بہتر سمجھا کرتے تھے۔

حضرت مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس طریق کار کی برکت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی خیرات کا مصرف سامنے آتا ہے تو اس وقت سوچنا نہیں پڑتا کہ اس میں رقم کہاں سے دی جائے؟ بلکہ یہ "صدقات و خیرات" کا تھیلا ہر وقت یاد دہانی کراتا رہتا ہے کہ اس کا کوئی مصرف تلاش کیا جائے۔ دوسری طرف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے لیکن ضرورت مند ہیں اور اس قسم کے افراد کی ایک فہرست ہمیشہ نظر میں رکھتے تھے۔ آمدنی کا دسواں اور بیسواں حصہ تو ایک متعین مقدار تھی اس کے علاوہ جب بھی موقع ملا اس تھیلی میں مزید رقمیں شامل فرما دیتے اس طرح کبھی اس تھیلی کو خالی نہیں دیکھا گیا۔ اس کے ذریعے کتنے انسانوں کی حاجت روائی ہوئی اور کتنے مصارف خیر جاری ہوئے یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ نہ جانے کتنوں کا ماہانہ وظیفہ مقرر تھا، کتنے افراد کو کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرا کر معاشی ترقی کے راستے پر لگا دیا، کتنے افراد کی رہائش کا انتظام فرما دیا اور کتنے افراد کی کسی دوسری طرح ضروریات پوری کرنے میں مدد کی۔

پاسنے فرنیچر اور برتنوں سے لے کر قلم دوات کاغذ اور آلپن تک مدرسے کی چیز کمرے میں نہ آنے دیتے، اور اگر کبھی کوئی چیز آجاتی تو فوراً اسے واپس بھیجنے کا انتظام فرماتے، وجہ یہ تھی کہ وصیت نامے میں آپ نے لکھ دیا تھا کہ اس کمرے کا جتنا سامان ہے وہ میری ملکیت ہے، ادھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوے کے انتظار میں تھے، اس لئے یہ خطرہ تھا کہ اگر انتقال کے وقت مدرسے کی کوئی چیز کمرے میں پڑی رہ گئی تو اسے ذاتی ملکیت سمجھ کر ترکے میں شامل نہ کر لیا جائے۔

دوسروں کے جذبات کی رعایت

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مفتی صاحب کو دوسروں کے جذبات کی رعایت کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا، ہر شخص سے اس کے مزاج و مذاق اور اس کی ضرورت کے مطابق معاملہ فرماتے، اور اپنی ہر نقل و حرکت میں اس بات کا خیال رکھتے کہ کسی دوسرے کو آپ کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے کسی کے یہاں جانا ہوتا تو پہلے سے معلوم فرماتے کہ کون سے وقت اس کے لئے ملاقات آسان ہوگی، اگر کھانے کا وقت قریب ہوتا اور وہاں کھانے کا ارادہ نہ ہوتا تو جاتے ہی اس پر مناسب انداز میں واضح فرما دیتے کہ اس کے یہاں کھانا کھانے کا ارادہ نہیں ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ کھانے کا انتظام کرے اور بعد میں تکلیف ہو، کسی کے یہاں کھانے کا ارادہ ہوتا تو اسے پہلے سے باخبر فرما دیتے کہ وہ بآسانی انتظام کر سکے۔ کسی کو ٹیلیفون کرتے وقت اس بات کی رعایت فرماتے کہ اس کے لئے اس وقت فون پر آنا مشکل نہ ہو۔

کسی شخص پر اس کے مزاج کے خلاف اصرار کرنے یا دباؤ ڈالنے کا تو دستور ہی نہ تھا، کسی کی سفارش کرنے سے پہلے بار بار سوچتے تھے جس شخص سے سفارش کی جا رہی ہے اس کی طبیعت پر بار تو نہیں ہوگا اور سفارش کرتے وقت بھی دباؤ ڈالنے کے بجائے یہ فرماتے کہ اگر قواعد و ضوابط میں گنجائش ہو اور آپ کی وسعت میں ہو تو فلاں کام کر دیجئے۔

حضرت مولانا مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کسی ایک شخص کی حاجت برآری کے لئے دوسرے شخص کو ناجائز کام پر آمادہ کرنا، اس کو اصول توڑنے پر مجبور کرنا یا اس کی صحت پر نا قابل

تمام عمر اس اہتمام میں گزری .... کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

اور اس فکر کی انتہا یہ ہے کہ وفات سے دس روز پہلے رمضان کا مہینہ ختم ہوا، اس میں ہوتا تو تھا حضرت مولانا مفتی صاحب کی طبیعت بڑے نشیب و فراز کا شکار تھی، دل کی تکلیف بار بار ہوتی رہی تھی، جب یہ رمضان المبارک ختم ہوا تو ایک دن حسرت کے ساتھ فرمانے لگے کہ: "اس رمضان میں جب میری طبیعت بار بار خراب ہوئی تو بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس مبارک مہینے میں موت کی سعادت عطا فرمادیں لیکن میرا ابھی یہ حال ہے اس خیال کے باوجود میں اس بات کی تمنا اور دعا نہ کر سکا کہ میرا انتقال رمضان میں ہو کیونکہ مجھے خیال تھا کہ اگر یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا تو "امید واروں کو" (یعنی تجہیز و تکفین کے متعلقین اور اس میں شرکت کرنے والوں کو) بہت تکلیف ہوگی۔" اسی مرض وفات کے دوران چونکہ طبیعت بہت کمزور ہوگئی تھی، اس لئے ذرا مزاج کے خلاف کوئی بات ہوئی تو طبیعت میں تغیر آجاتا تھا، اور غنودگی لانے والی دواؤں کی بناء پر بعض اوقات سوچنے کا انداز بھی طبعی حالت پر نہیں رہتا تھا، اس لئے اپنی عادت کے خلاف لہجے میں تیزی جلدی آنے لگی تھی، ایک دن حضرت مولانا مفتی صاحب نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا:

"بعض اوقات میں تم لوگوں کو کسی بات پر تنبیہ کرتا ہوں جو واقعۃً قابل تنبیہ ہوتی ہے لیکن بعض اوقات لہجے میں تیزی کی وجہ ضعف اور علالت بھی ہوتی ہے، تم لوگوں کو دونوں میں امتیاز کرنا چاہئے، اور اس بات پر رنجیدہ نہ ہونا چاہئے کہ لہجے کی تیزی بڑھتی جارہی ہے۔"

کیا ٹھکانا ہے اعتدال فکر و مزاج اور دوسروں کی رعایت کا! ایسی حالت میں بھی جب کہ طبیعت کا غیر طبعی حالت پر ہونا ہر کس و ناکس پر عیاں ہے، خود اپنے انداز گفتگو کا تجزیہ جاری ہے اور دوسروں کی رنجیدگی کا خیال اس حالت میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا، اعتدال و توازن میں ڈھلی ہوئی اس زندگی کی مثال اب ڈھونڈے سے کہاں نصیب ہوگی؟

جھگڑوں سے اجتناب

حضرت مولانا مفتی صاحب کو تنازع اور نزاع و جدال سے طبعی نفرت تھی، اور جب تک کوئی واقعی دینی ضرورت داعی نہ ہو حضرت مفتی صاحب اپنے حق کے لئے بھی کبھی جھگڑوں میں

چنانچہ جن دنوں فرماتے تھے جب جانے زندگی میں کتنے مواقع آئے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے تنازعات سے بچنے کے لئے اپنا جائز اور قطعی حق چھوڑ دیا۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب ایک حدیث سنایا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انا زعيم ببيت في وسط الجنة لمن ترك المراء وهو محق (او كما قال)"

(ترجمہ) "میں اس شخص کے لئے جنت کے بیچ میں گھر دلانے کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔"

اس حدیث پر عمل کی حیرت انگیز مثال یہ ہے کہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے مزار کے قریب (جہاں آج کل اسلامیہ کالج ہے) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے دارالعلوم کے لئے ایک وسیع قطعہ زمین لیا تھا لیکن حضرت مفتی صاحب نے جھگڑے سے بچنے کے لئے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کے ذاتی معاملات میں بہت سے مواقع ایسے آئے کہ لوگوں نے آپ کو دھوکے دئیے، لوگوں نے آپ پر مقدمات قائم کرنا چاہے، لوگوں نے بدنام کرنے کے لئے اخبار واشتہار کا سہارا لیا لیکن حضرت مفتی صاحب نے ان باتوں کا جواب نہیں دیا اور آپ کی یہ حالت تھی کہ اکثر اپنا حق چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ کسی اختلاف ہونے پر مولانا کا جب قدرے بحث ومباحثہ ہوتا تو آپ اسے نزاع وجدال کی حد تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دیتے تھے اور کسی بزرگ (شاید امام زہری) کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے "المراء يذهب بنور العلم" یعنی "جھگڑوں سے علم کا نور جاتا رہتا ہے"۔

تواضع وفنائیت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تواضع وفنائیت کا جو مقام عطا فرمایا تھا وہ حضرت مفتی صاحب کے اوصاف کمال میں سب سے زیادہ نمایاں وصف تھا جس شخص نے آپ کو ایک نظر بھی دیکھا ہو وہ آپ کے اس وصف کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا ہے تواضع اور چیز ہے اور تواضع کا مظاہرہ بالکل دوسری چیز۔ تواضع کا مظاہرہ تو ہر شخص اپنی چاہت کے مطابق تھوڑا بہت کر ہی لیتا ہے لیکن جس شخص نے آپ کا

اپنے آپ کو ناچیز، ناکارہ وغیرہ کہہ دینے سے تواضع کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ حضرت حکیم الامت! تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے آپ کو ادنیٰ سمجھے، اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور ہیچ اپنے ہونے کا قصد کرے" (بصائر حکیم الامت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو تواضع کا جو کمال عطا فرمایا تھا، وہ یہی تھا کہ علم و فضل کے دریا سینے میں جذب کر لینے کے باوجود آپ اس بات کا ہر وقت یقین اور استحضار رکھتے کہ میں کسی رفعت و تعظیم کا مرکز بنا نہیں۔

صرف ایک واقعہ مثال پیش کیا جاتا ہے ساری عمر حضرت مفتی صاحبؒ کا معمول یہ رہا کہ ملاقاتوں کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا، بلکہ جب کوئی آیا خواہ کتنے ضروری کام میں مشغول ہوں، اس سے ملاقات فرمائی اس طرز عمل کے نتیجے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو سخت دشواری اٹھانی پڑتی تھی، بعض اوقات تصنیف و تالیف کے وقت لوگ پہنچ جاتے تھے اور کام میں رکاوٹ پڑ جاتی تھی، اور بعض مرتبہ کسی دوسرے اہم کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص اپنی معمولی سی ضرورت لے کر آجاتا تو اس کی ضرورت پوری فرمانے کی وجہ سے وہ اہم کام رک جاتا۔ صاحبزادوں نے بار بار عرض کیا کہ ملاقات کے لئے ایک وقت مخصوص فرما دیں، تاکہ کسی کو ملنا ہو وہ اسی وقت میں آکر مل لیا کرے، اور بے وقت پریشانی نہ ہو، لیکن حضرت مفتی صاحبؒ ہمیشہ اس بات کو ٹال جاتے تھے، جب اصرار بڑھا تو ملاقات کا وقت تو مقرر فرما دیا لیکن اگر کوئی شخص دوسرے وقت آجاتا تو ملاقات سے انکار بھی نہ فرماتے۔

صبر و شکر

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو "صبر و شکر" کا بھی عجیب و غریب مقام عطا فرمایا تھا، حضرت مفتی صاحبؒ کی زبان اکثر و بیشتر اوقات اللہ تعالیٰ کے شکر سے تر و تازہ رہتی، معمولی معمولی باتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا جزو زندگی بن چکا تھا کوئی ایسی ملی جلی خبر ملتی جس میں غم اور خوشی دونوں کے پہلو ہوتے تو خوشی کے پہلو پر زور دیتے اور غم کے پہلو کا یا تو ذکر ہی نہ فرماتے یا شکر کے بعد غیر اہم انداز میں اس کا تذکرہ کرتے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر آزمائشیں ان کے مقام کے لحاظ سے آتی ہیں، چنانچہ زندگی میں آپ کو بڑے بڑے کٹھن حادثات سے دوچار ہونا پڑا، بیماریاں بھی ایسی تکلیف دہ آئیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، عین عالم شباب ہی سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو طرح طرح کے عوارض لگ گئے تھے، اور عمر کے آخری آٹھ دس سال تو پیہم مختلف قسم کی بیماریوں کا بار بار حملہ ہوتا رہا، لیکن سخت سے سخت اور بڑی سے بڑی بیماری پر بھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو بے صبری کا مظاہرہ کرتے کبھی نہیں دیکھا گیا، اس کے برعکس عادت یہ تھی کہ ہر حادثے اور ہر تکلیف میں قابل شکر پہلوؤں پر غور فرما کر ان کا شکر ادا کرتے تھے۔

محرم ۱۳۹۵ھ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے سب سے بڑے بیٹے مولانا محمد زکی کیفی مرحوم نے اچانک داغِ مفارقت دیا، حضرت مفتی صاحبؒ کو ان سے بے پناہ تعلق تھا، اور نرینہ اولاد میں وہ چونکہ سب سے بڑے تھے، اس لئے زندگی کے ہر مرحلے میں حضرت مفتی صاحبؒ کو راحت بھی سب سے زیادہ پہنچی، ان کی وفات ایسی رات میں ہوئی جب حضرت مفتی صاحبؒ خود مختلف قسم کی بیماریوں کی بنا پر صاحبِ فراش تھے، اور ٹانگوں میں درد کی اتنی اذیت تھی کہ عمر بھر ایسی اذیت آپ کو کبھی یاد نہیں تھی، اس حالت میں آپ کو اپنے جوان بیٹے کی وفات کا صدمہ پہنچا، سب کے لئے یہ بات ناقابل تصور تھی کہ اس عالم میں آپ اپنے جانکاہ صدمے کو کیسے برداشت کریں گے، لیکن اس پیکر تسلیم و رضا نے اس روح فرسا حادثے پر جو تبصرہ فرمایا، وہ جناب مرحوم کے بچوں کے نام ایک خط سے ہوگا۔ اس خط کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے، اس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ والے کس انداز پر سوچتے ہیں، اور ان کی پرواز فکر کے آگے دنیا کے بڑے بڑے حوادث کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

"میرے عزیز بچو! ایسا واقعہ جیسا کرب انگیز و حسرت ناک ہوا کرتا ہے، اس کا اثر مر جانے والے نوجوان صالح کے ماں باپ، بچوں اور بیوی اور بھائی بہنوں پر جو پڑنا ہے جو کچھ ہوتا ہے وہ ایک طبعی اور فطری امر ہے، اور جب تک حدود سے تجاوز نہ ہو شرعاً مذموم بھی نہیں، لیکن یہ سب کرب انگیزی اور غم اور صدمہ کا ایک طرفہ پہلو صرف اس بنیاد پر ہے کہ ہم واقعات کو ناپتے ہیں اور یہاں سے شروع کرتے ہیں ایک پچاس سالہ نوجوان جس کے ساتھ ایک عزیز کی جزاؤں

امیدیں وابستہ تھیں، یکا یک ہم سے رخصت ہو گیا۔ اس کا اثر ظاہر ہے کہ بے چینی اور شدید ترین صدمے کی ہو سکتا ہے۔

آؤ اب واقعات کو ذرا سید عاجز ہو کر صبر آئے، بلکہ شکر کا موقعہ ملے۔ ذرا دیکھو کہ ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان کی عمر کی گھڑیاں اور سانسیں اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ کے دفتر میں لکھے ہوتے ہیں، جانے والا لخت جگر پچاس سال عمر دون کی زندگی لے کر دنیا میں آیا تھا، زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں۔ قضا وقدر کے اس فیصلے میں ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آ سکتا۔۔۔ لیکن ذرا یہ سوچو کہ اس حادثہ جانکاہ کو ہم سب پر آسان کرنے کے لئے حق تعالیٰ جل شانہ نے کیسے کیسے انعامات فرمائے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ الحمد للہ اپنی تمام ہی اولاد کو وہ اس حالت میں چھوڑ گئے جبکہ وہ کسی کے محتاج نہیں تھے۔۔۔ ذرا سوچو کہ اگر معاملہ اس کے خلاف ہوتا تو یہی ایک مصیبت دس گنی بن جاتی۔ دوسری بات یہ دیکھو کہ مرحوم کو جس قدر گہرا تعلق اپنی بیوی اور اولاد سے تھا، ماں باپ، بہن بھائیوں سے بھی اس سے کچھ کم نہ تھا۔۔۔ اس سال جب اللہ جل شانہ کو اس دنیا سے ان کی جدائی ہمیشہ کے لئے منظور ہوئی تو غیر شعوری طور چار مرتبہ ایسے حالات پیدا فرمائے کہ ان کو بار بار کراچی آنا پڑا اور ایک مرتبہ سب بچوں کے ساتھ آنے کا موقعہ بھی مل گیا۔ یہ کس کو معلوم تھا کہ یہ بار بار کی ملاقات اللہ تعالیٰ کے انعامات اور آئندہ پیش آنے والے صدمے پر تسلی کے سامان تھے۔

تیسری بات یہ دیکھو کہ سب سے بڑا ہونہار بیٹا مولوی محمود سلمہ، تین ماہ پہلے اس سے جدا ہو چکا تھا جس سے ملنے کا اس حادثہ جانکاہ سے پہلے بظاہر کوئی امید نہ تھی، قدرت نے غیبی سامان فرما دیا۔ اس سال ان کے لئے حج کا سامان ہو گیا، اور اس طرح وہ حج و زیارت کے فرائض اور حرمین شریفین کے برکات سے بھی بہرہ ور ہوئے، اور سعادت مند بیٹے کو بھی اٹھارہ دن ان کی مکمل خدمت کا موقع مل گیا۔ پھر یہ بھی سوچو کہ عادۃً حج و زیارت میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ تو لگ ہی جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس خوش نصیب بندے کو صرف اٹھارہ دن میں حج و زیارت کے تمام مراحل سے گزار کر ایسے وقت کراچی پہنچا دیا جبکہ ان کی وفات میں صرف سترہ دن باقی تھے۔ اگر ہوائی نظام میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو مرحوم اپنے بیوی بچوں، ماں باپ، بہن بھائیوں سے جدا رہتے ہوئے بحالت غربت

اس دنیا سے رخصت کرتے۔ ذرا سوچو کہ اس وقت ماں باپ اور اولاد اور بیوی پر کیا گزرتی۔ دوسرا یہ کہ اس وقت سے بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ آخری عمر میں اس عزیز کی زیارت سے مشرف فرما کر گناہوں سے پاک فرما دیا اور نیک اوصاف اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔ اب تو گویا مر جانے والے مرحوم کو سال بھر پہلے یہ قطعی اطلاع ہو جاتی کہ شعبان ۱۳۹۵ھ تمہاری عمر کا آخری دن ہے اور وہ خود اپنے مرنے کا سامان کرے تو اس سے بہتر و مرنے کا سامان کیا ہوتا؟"

اس مکتوب میں حضرت مفتی صاحب کا یہ مزاج پوری طرح جلوہ گر ہے کہ وہ سخت سے سخت حادثے میں بھی اس کے تسلی بخش پہلوؤں کا استحضار فرماتے، ان پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے، اور مصائب و آلام کے شکوے کے بجائے راضی برضا رہنے کا سامان پیدا کر دیتے تھے۔

کشف و کرامات

کشف و کرامات کے بارے میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا مذاق وہی تھا جس پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے جا بجا زور دیا ہے کہ وہ دین میں مقصود نہیں، اور ان کے حصول میں پڑنے کے بجائے انسان کو اتباع سنت کی کوشش میں لگنا چاہئے۔ لیکن بہر حال! اس سے کسی صاحب حق کو انکار نہیں ہے کہ یہ کرامات اگر اتباع سنت کے ساتھ اور ان کی حقیقت سمجھتے ہوئے کسی کو حاصل ہوں تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطا ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے بعض خاص مواقع پر اس عطا سے نوازا۔ خصوصاً تھانہ بھون میں رہتے ہوئے آپ کو متعدد مکاشفات ہوئے جن کا تذکرہ حضرت حکیم الامت کے نام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے خطوط میں موجود ہے، اور اس کے بعد بھی کئی مواقع پر آپ کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا گیا، لیکن آپ عموماً اس کا تذکرہ نہیں فرماتے تھے۔ اس سلسلے کی جو باتیں بعض احباب کو معلوم ہو سکیں وہ بھی آپ نے کسی ضرورت سے بیان فرمائی تھیں، ورنہ آپ اس کے ذکر سے احتراز ہی فرماتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کا جب مدینہ طیبہ جانا ہوتا اور روضۂ اقدس پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے لئے حاضری ہوتی تو عام معمول یہ تھا کہ مواجہہ شریف کی جالیوں سے کافی فاصلے پر ایک ستون کے

آئیڈیل شخصیت نمبر ۱۰

حضرت اقدس فقیہ العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

محترم قارئین! اب مرتب کے سامنے اپنی کتاب کی ترتیب کے سلسلے کے مطابق آخری دسویں آئیڈیل شخصیت کا ذکر خیر شروع کر رہے ہیں۔ دسویں آئیڈیل شخصیت نمبر ۱۰ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ہیں، چونکہ کتاب کی ضخامت کافی حد تک بڑھ چکی ہے اس لئے اختصار سے کام لیتے ہوئے حضرت کی شخصیت کے تعارف کے لئے بندہ اپنے بھی مضامین (جو کہ حضرت کی شہادت کے بعد بندہ نے لکھے تھے) پیش کر رہا ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو انہی ان آئیڈیل شخصیات کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ لیجئے اب مضمون ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت اقدس حضرت العلامہ بلند پایہ محقق عالم دین حضرت بنوریؒ کے علمی جانشین تحریک ختم نبوت کے بے باک وفادار جرنیل جامعہ بنوری ٹاؤن کا ایک مہکتا پھول ... مسند حدیث کی زینت ... قلم کا ایک عظیم قدردان ... استاذ الاساتذہ ... ہیرا ایسا ہیرا ... ہر دل عزیز شخصیت ... علم وفضل کے خزانے کا گوہر ... فیض عرفان کا سورج ... مجسمۂ جود وایثار ... پیکر تقدس وتقویٰ ... جامع فضائل وکمالات ... عظیم رہنمائے ملت ... عاقل وفہیم ... ذکی ولبیب ... عابد وزاہد ... سراپا یقین وتوکل ... محدث ومفسر ... مصنف ومفکر ... بقیۃ السلف ..... اختصاراً ..

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی مقدس ارفع واعلیٰ اور بے مثال شخصیت کے بارے میں مجھ جیسے جاہل وکم فہم اور ناکارہ انسان کے لئے اپنا قلم سے صفحہ قرطاس کو رنگین کرنا اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے متعلق کچھ رقم کرنا ایسے ہی جیسے آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

آہ ... بے قرار دل ... بے چین قلب ... بے چین روح ... بے سکون آنکھیں ... مجھے مجبور کر رہی ہیں اس لئے اب اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس قلم کو اٹھانا ہے۔

حیران ہیں جو میرے ضبط پہ کچھ واقف نہیں ان سے ..... جو اشک نہیں گرتے وہ آنسو دل پہ گرتے ہیں

یا خدا۔ کیا کریں کہاں جائیں ۔۔۔ ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نظروں سے اوجھل ہیں ہماری محفلیں سونی سونی ہیں دل دھڑک رہا ہے قلم لرز رہا ہے ہاتھ کانپ رہے ہیں آنکھیں چھلکتی ہیں زبان لڑکھڑا رہی ہے دماغ معطل ہے حواس ماؤف ہو رہے ہیں۔ عقل منجمد ہو کر رہ گئی ہے شدت غم سے دل خون کے آنسو رونے کی ضد کر رہا ہے

صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حال دل اپنا ۔۔۔۔۔۔ یہی قاصد ہو کر تی ہے آخر کوئے جاناں کو

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کیا گئے ہیں کہ ہر طرف عالم یتیمی سا نظر آنے لگا ہے۔ آنکھوں میں پھر ساون کی جھڑی لگ گئی ہے جی ہاں حضرت کے جانے پر آنکھیں موسم ساون کی طرح برس رہی ہیں خیالات پر دیوانگی طاری ہو چکی ہے ایک بار پھر ہنوز کی ناؤ لرز کر رہ گئی ہے۔ اداس اور سوگوار دل کے بام و در آنسوؤں کے فوارے بہا رہے ہیں اس کی صبح کی ضیا پاشیاں ہیں کہ بے نوری ہو چکی ہیں اور کالی کالی گھٹاؤں نے گھر بسیرا کر لیا ہے۔ شام کی چہکتی مسکراہٹ دم توڑ چکی ہے۔ قلوب ہیں کہ کانپ کانپ ہچکیاں لے رہے ہیں طلبہ کی خوشیاں ماند پڑ گئی ہیں کائنات افسردہ افسردہ سی ہے انسانیت سراپا مغموم ہے۔ کراچی شہر ایک بار پھر اپنے محسنوں کو رو رہا ہے اداسیاں اور افسردگیاں اس کی دہلیز پر ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گئی ہیں۔ ہائے وہ عظیم انسان ہمارے درمیان سے اٹھ گیا ہے کہ جس کی جدائی پر شجر بھی آنسو بہا بہا کر سوکھ جانے کو ہیں۔ کلیوں نے مسکرانے سے انکار کر دیا ہے پھول کھلے کھلتے مرجھانے کو ہیں۔

بجھا چراغ اٹھی بزم محفل کے روئے دل ۔۔۔۔۔۔ وہ سب چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

کہنے کو گل ہوا ہے فقط ایک ہی چراغ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سچ پوچھئے تو بزم کی رونق چلی گئی ہے

حضرت اقدس کوئی عام انسان نہ تھے بلکہ ہمارے حضرت تو ان میں سے تھے جو انوکھی اور نرالی شان کے مالک ہوتے ہیں جنکی اداؤں کو دیکھ کر انسانیت رشک کرتی ہے۔ جن کے نورانی چہرے سے ابن آدم کو راستے ملتے ہیں جنکی پاکیزہ حیا کو دیکھ کر کلیاں شرماتی ہیں جن کے

حسن سے پھول جھلملانا سیکھتے ہیں ... جن کی مسکراہٹ سے بلبل چہکنے کا گر پاتی ہیں جن کی کشش سے نجوم جھلملانا سیکھتے ہیں . جن کے جلال سے بجلیاں تڑپنے کا ہنر پاتی ہیں جن کے جمال سے بادِ نسیم چلنا جانتی ہیں ... ذکی قلوب جن کی انفاس سے تقویٰ پاتے ہیں جن کے دامن میں پناہ لے کر رہ گم کردہ قافلوں کے راہرو اپنی تشنگی بجھاتے ہیں جو اپنی چمک دمک سے تاریک دنیا کو علم و عرفان کی کرنوں سے منور کرتے ہیں اور جو ابرِ رحمت بن کر جہالت کی بنجر زمین کو سرسبز و شاداب کرتے ہیں ... جو اپنے عزیز و اقارب ہی نہیں اپنے شہر و وطن بلکہ پوری نسل انسانیت کا افتخار ہوتے ہیں جن کے چلے جانے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید دنیا میں حسن و مسرت اور رنگینیوں و تازگیوں سے تہی دامن ہو چکی ہے جی ہاں ہمارے حضرت بھی ان حسین ہیروں میں سے وہ خوبصورت ہیرے تھے جو انسانی حیات کے پودوں (لڑی) میں پرو دیا جاتا ہے اور شگوفوں میں سے یہ وہ چمکدار شگوفہ تھا جو جہاں کی آنکھوں میں بکھیر دیا جاتا ہے .

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اٹھ جائیں گے . . . تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

اور .

وہ خوشبودار جو نگاہوں کا مرکز تھے .... خدا جانے بچھڑ کر ہم سے کس محور و مرکز میں رہتے ہیں

حضرت لدھیانوی "تقویٰ" کی عظیم دولت سے مالا مال تھے ... عاجزی و انکساری ان کے رگ و پے میں گھر بنائے ہوئے تھی .. محبت و الفت کی چاشنی ان میں نمایاں جھلکتی نظر آتی تھی ..... عشقِ رسالت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اپنے خالق و مالک کی رضا کی جستجو راتوں کو اٹھا اٹھا کر تہجد کے لئے مجبور کرتی تھی ... ہمارے شیخ علم و عرفان کے اک متلاطم دریا تھے عمل کے سراپا مجسمہ تھے .. تقویٰ کے بحرِ بیکراں تھے .. اخلاق کے اک اعلیٰ پیکر تھے ... ہمارے حضرت کی شخصیت نابغہ روزگار شخصیت تھی ... یہ وہ عظیم بلند اور مقدس انسان تھے ... کہ اگر میں یوں نہ کہوں تو ناسپاسی ہوگی .. کہ حضرت کے اخلاق تفسیرِ شریعت تھے ..... ان کی دل کش پگڈنڈیوں میں اسوۂ مشائخ کی خوشبو جھلکتی نظر آتی تھی ...... ان کے حسن میں بلا کی کشش تھی .. ان کے دامن میں علم و حکمت کا شہد تھا ان کا تقویٰ اسلاف کی یاد تازہ کرتا تھا ... حضرت کے چلے جانے سے عالم اسلام میں اک عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے . جو شاید اب مشکل ہی سے پر ہوگا ... کسی

اور چند علماء کی جانب سے ایک شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کی طرف سے اور دوسری حضرت عارف باللہ قدوۃ العرفاء رحمہما اللہ کی جانب سے اور یوں ہمارے حضرت کا سلسلۂ تعلق چند نسبتوں کے بعد حضور اقدس ﷺ تک جا پہنچتا ہے۔

لوگوں کی اصلاح و تربیت اور اللہ سے رشتہ جوڑنے اور اسلام کی محبت دلوں میں اتارنے کے لئے مختلف مقامات پر حضرت اقدس ذکر کی مجالس لگایا کرتے تھے اور اسی طرح کی ایک مجلس جامعہ بنوری ٹاؤن میں بھی لگا کرتی تھی۔ یوں تو حضرت روزانہ ہی جامعہ تشریف لایا کرتے اور دورۂ حدیث کے طلباء کو طحاوی شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت جامعہ کے شرقی گیٹ سے جلوہ افروز ہوتے اور طلباء جو پہلے ہی منتظر ہوتے بڑے ادب و احترام سے کلاس میں لے جاتے اور پھر حضرت کے علمی جواہر لٹتے ہر طلباء اپنی جھولیاں بھر کر ہی اٹھتے حضرت کے درس میں ایک خاص قسم کی برکت ہوا کرتی۔ ایک نورانی کشش ہوا کرتی۔ جس سے ہر طالب علم محظوظ ہوتا دارالحدیث کے بام و در بھی گواہ ہیں کہ حضرت کے آجانے سے یوں لگتا کہ جیسے بہار آگئی ہو۔ غمگین چہرے مسکرا اٹھتے۔ طلباء کے قلوب جھومنے لگتے۔ ایک خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ حضرت کے نورانی چہرے کی کرنیں جب جامعہ کے باغیچے میں کھلتے پھول مسکراتی کلیوں پر پڑتی تو وہ بھی بزبان حال گویا ہوتے کہ۔

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے .... نبوت کے وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر .... انہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہی کی شان کو زیبا ہے نبوت کی وراثت .... انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

غرض یہ کہ حضرت اقدس کا جامعہ میں تشریف لانا ایک سعادت تھی۔ ایک نعمت تھی۔ ایک خوش قسمتی تھی اور مزید خوش قسمتی یہ کہ حضرت ہر اتوار کے دن بھی جامعہ تشریف لاتے اور بعد نماز عصر دارالحدیث میں مجلس ذکر میں شریک طلباء کو پہلے مختصر کر کے معمولات اور ساتھ چند الفاظ میں نصیحت فرماتے پھر ذکر و اذکار شروع فرماتے دیگر طلباء کی طرح میں بھی اس مبارک اور باسعادت مجلس میں شریک ہوتا اور آخر جلدی پہنچ کر پہلی صف میں حضرت کے بالکل ہی قریب بیٹھنے کی کوشش کرتا اور جب حضرت کے چہرے کی نورانیت پر نظر کرتا اپنے قلب میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا

ایک پہلو اسلام کی ترقی اور شمع جل کے لئے کوشاں نظر آتا ہے۔ اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے حضرت نے ساری زندگی مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے رہے حضرت کے قلم نے ہزاروں باشعوروں کو گمراہی کی اندھیر نگری سے اٹھا کر صراط مستقیم کی جانب گامزن کر ڈالا حضرت کی سادہ لیکن پرکشش زبان کی لطافت سے متاثر ہو کر کتنے ہی نوجوانوں کی زندگیاں بدلی کتنے ہی لوگوں کو آخرت کی فکر پر لگایا جہاں حضرت نے علمی اور اصلاحی کام کیا وہاں حق پر چلنے والے مجاہدین کی مکمل سرپرستی فرمائی مجاہدین اسلام کا ہر طرح تعاون فرمایا طالبان سے حضرت کو خصوصی محبت تھی ان سے حضرت کا ہر ممکن تعاون تھا اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ ابھی حال ہی میں حضرت نے افغانستان کا دورہ فرمایا تھا اس دورے میں امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد صاحب حفظہ اور اسلام کے عظیم جرنیل اسامہ بن لادن حفظہ سے بھی ملاقات ہوئی تمام وزراء، مرکزی عہدیداران سے ملے قندھار اور کابل کا دورہ کیا اور ضعف کے باوجود محاذ پر بھی تشریف لے گئے وہاں اللہ کے شیروں سے خطاب فرمایا اور پھر اس مرد قلندر نے کلاشنکوف ہاتھ میں تھامی اور دشمن کی جانب فائرنگ کی اور فرمایا کہ میں نے جہاد جیسی عظیم سنت بھی ادا کر دی ہے... اور پھر حضرت پاکستان تشریف لائے اور شہادت جیسی عظیم دولت سے سرفراز ہو کر جان جاں فرما گئے کہ

ہم سا عاشق نہ پاؤ گے زمانے میں کہیں .... ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لیکر

بہرکیف موت تو برحق ہے اس میں کسی کو کوئی شک نہیں ہر شخص اور ہر ذی روح نے بالآخر موت کی گھاٹی سے گزرنا ہے جو آیا ہے جانے کے لئے آیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ہر ایک جانے کا اثر یکساں نہیں ہوتا شیخ سعدیؒ نے اسے اپنے رنگ میں یوں بیان کیا کہ

یاد داری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں بدند تو گریاں

آنچناں زی کہ وقت مردن تو ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

(ترجمہ)... اے انسان جب تو پیدا ہوا تھا تو تو رو رہا تھا اور تیرے گھر والے سب بہت خوش تھے ہنس رہے تھے . تو اب اس طرح زندگی گزار کہ جب تو دنیا سے جانے لگے تو... تو خوش اور ساری دنیا والے تیری موت پر آنسو بہا رہے ہوں۔

اور آج چشم فلک نے دیکھ لیا کہ حضرت اقدسؒ تو خوشی خوشی اس بے وفا دنیا سے رخصت

ہو کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے لیکن دنیا حضرت کی موت پر اشکبار ہے آج جبکہ حضرت نے چاہنے والوں کے ہاں غم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ آنسوؤں کا دریا گویا کہ بہہ رہا ہے۔ آہوں کا طوفان گویا کہ جیسے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ آج حضرت کے غم میں شہر کے شہر اداس ہیں، بستیاں ویران ویران اجڑی اجڑی سی محسوس ہو رہی ہیں جن کی لحانیت مدھم مدھم سی ہو گئی ہے مدرسے اور خانقاہیں حضرت کے چلے جانے پر سوگوار ہیں عوام بے قرار ہیں طلبہ دل فگار ہیں بہرحال ہمارے حضرت اقدس نے اپنے کردار و عمل کی خوشبو سے فضائے آسمانی کو اس طرح معطر و معنبر کر ڈالا ہے کہ اب وقت کی تیز ہوائیں اور آندھیاں بھی اس خوشبو کو منتشر نہ کر سکیں گی اس کا ماحصل تو یہ ہے کہ...

جدھر جاتے ہیں ہمارے ساتھ چلتی ہے ان کی خوشبو
ہمیں اب بھی دل کے ویرانوں سے آتی ہے ان کی خوشبو

یہ ہمارے دل میں کیسا فلک نما کھلا دیا.......... ہمیں اب اپنے پہلو سے بھی آتی ہے ان کی خوشبو
سر محفل کبھی ہونٹوں پہ آ کر مسکراتی ہے.............. کبھی تنہائی میں آ کر رلاتی ہے ان کی خوشبو

حضرت لدھیانوی کی شہادت کا المیہ

دنیا کی دو چار دن کی حیات حقیقی آخرت کی جانب کوچ کرنے کی تمہید ہے اس عالم بے وفا میں آنے والے ہر ذی روح نے موت کے جام کو پینا اور قبر کے دروازے سے داخل ہو کر بالآخر قبر کی پاتال میں اتر جانا ہے یہ ایک ایسا اٹل قانون اور ضابطہ ہے کہ جس سے کسی بھی انسان کو اختلاف نہیں ہو سکتا آج تک کتنے ہی انسانوں نے اس دنیا کے بے رحم سینے پر قدم رکھا اور پھر ایک دن اس دنیا سے چل بسے تو... یہ عالم بھی کیسا کارخانہ ہے مسافر کی مانند سا جہاں میں کوئی آتا ہے تو کوئی رخصت ہو جاتا ہے... اس کائنات رنگارنگ میں نہ جانے گلشن انسانیت کے کتنے گل کھلے اور مرجھا گئے یہ عالم ہی فانی ہے اسے کسی طرح بھی بقا نہیں اس دنیا میں نہ انبیاء رہے نہ اولیاء نہ امیر رہے نہ فقیر نہ انسان رہے نہ حیوان دو چار دن کی زندگانی ہے کسے پتہ ہے کہ کس گھڑی کس آن ملک الموت علم الیقین کا تحفہ لیکر سر پر پہنچ جائے شاعر نے سچ کہا ہے کہ۔

ثبات کس کو ہے دنیا کے کارخانے میں.......................... ہر ایک چیز ہی فانی ملی زمانے میں

آہ   اس دردناک واقعہ سے سارا سکون اجاڑ ہو گیا   میرے سکھ اور چین کی کشتی ٹوٹ کے پانی کے بے رحم تھپیڑوں کا شکار ہو گئی   دل مغموم و پریشان ہو کر سسکیاں لینے لگا . آنکھیں آنسوؤں سے پھوٹ پڑنے کو بیقرار سی ہو گئی   دل غمگین ماحول زخمی ہو کر کراہ اٹھا کاش کوئی قلم ہوتا جو میرے احساسات . میرے غم .. میرے دکھ   اور میرے کرب کو صفحہ قرطاس پر سمو سکتا .

ڈھایا ہے میں نے ظلم جو اپنا سا شاطر ہے .... دنیا بچھڑی ہے بہت شاداں ہوں میں

یہ تو میرا رب ہی خوب جانتا ہے کہ اس ناکارہ کو اپنے حضرت سے کس قدر محبت تھی اور کتنی چاہت تھی شہادتیں تو اس سے قبل بھی ہوتی آئی ہیں اس سے پہلے بھی اکابرین ہم سے جدا ہوئے ہیں لیکن حضرت کے فراق سے میرے قلب کو وہ دھچکا لگا ہے کہ شاید اس کی کسک ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی .

جو ذرا کسی نے چھیڑا تو چھلک پڑیں گے آنسو .... کوئی مجھ سے یہ نہ پوچھے میرا دل اداس کیوں ہے

وقت گزر جاتا ہے اور جو چوٹیں اور ضربیں اس کی سنگ دلی کی وجہ سے لگی ہیں وہ بھی اس کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مندمل ہو جاتی ہیں زخم تو ضرور مٹ جاتے ہیں لیکن ان کے نشانات ان کی یاد دہانی کے لئے قائم رہتے ہیں.   یہ دردناک واقعہ گزر چکا ہے . دنیا کی رنگینیاں ہمیشہ کی طرح واپس لوٹ آئی ہیں . پھر فضا معطر ہونے لگی ہے   زندگانیاں مسکرانے لگی ہیں. لیکن حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے چاہنے والے اب بھی خون کے آنسو رو رہے ہیں واقعی کچھ لوگ محفلوں میں تو ہنستے ہیں لیکن تنہائیوں میں روتے ہیں سچ کہا ہے .

سجائے رکھتے ہیں چہرے پہ جو خوشی کی کرن .... چھپائے روح میں کتنے شگاف رکھتے ہیں

ہم یوسف ہمارے حضرت ابر رحمت تھے کہ جہالت کی خشک زمین کو سرسبز و شاداب کر کے ہم سے دور جا چکے ہیں اب ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ حضرت کے نقش قدم پر چل کر حضرت کے مشن کو لے کر آگے بڑھتے رہیں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی ہمارے لئے ایک نمونہ ہے   ایک مشعل راہ ہے .. اگرچہ حضرت کی شہادت پر غموں کا جو طوفان برپا ہوا ہے وہ آسانی سے اپنا عمل و دخل ختم نہیں کرے گا بقول فانی بدایونی کے اب تو یہ حال ہے کہ .

اپنی منزل مقصود کی جانب بھاگتی رہی بالآخر نہ جانے کتنے نشیب و فراز پر سفر کرتے ہوئے بارہ گھنٹے
بعد یہ قافلہ افغانستان کی سرحد پر پہنچ گیا دن کا وقت تھا گرمی عروج پر تھی سورج سوا نیزے پر اپنا مکمل قبضہ جما
رہی تھی آفتاب اپنے شباب پر پہنچ کر زمین والوں کو جھلسانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جب یہ حضرات
علماء کرام امارت اسلامیہ کی مقدس سرزمین میں داخل ہوئے چونکہ بارڈر کراس کرنے کے قریب ہی تو
تبدیل ہونا تھا اس لئے افغانستان کے پہلے شہر سپین بولدک کی فوجی چھاؤنی میں امارت اسلامیہ کی
سرکاری گاڑیوں کا پہلے سے انتظام کیا ہوا تھا کیونکہ طالبان جانتے تھے کہ آج پہلی مرتبہ عالم اسلام
کی وہ عظیم شخصیت ان کے ملک میں داخل ہو رہی تھی جو علماء دیوبند کے علمی وارث تھی وہ عظیم شخص
آ رہا تھا کہ جو اپنی مثال آپ تھا جو فقیہ امامت تھا جو حضرت بنوریؒ کا جانشین تھا وہ عظیم شخص جو
(طالبان کا سب سے زیادہ معاون کرنے والا ادارہ) جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث تھا جو
پاکستان کا عظیم پیر و مرشد تھا یہ کون جانتا تھا کہ حضرت حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی آٹھویں
دن بعد اس فانی دنیا کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے دار بقا کی جانب کوچ کر جائیں گے۔

مبارک ہو امارت اسلامیہ کے جہاد کو کہ آخری وقت میں ہمارے حضرت مولانا محمد
یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس سرزمین پر پہنچے اور اس دھرتی کو اللہ کے ایک عظیم ولی کا دیدار نصیب ہوا۔
بہرحال اس چھاؤنی میں طالبان کی جانب سے وزارت خارجہ کے ایک اعلیٰ افسر ملا عبدالرحمن نے
حضرت کا پر جوش استقبال کیا اور پھر کچھ دیر بعد یہ قافلہ وہیں سے روانہ ہوا اور اسپین بولدک سے ہوتا
ہوا تقریباً تین بجے قندھار شہر میں داخل ہوا قندھار میں طالبان کی جانب سے اس قافلے کے لئے شہر
کے قریب واقع اس کالونی میں رہائش کا انتظام کیا گیا جو کسی بیرون ملک کی تعمیراتی کمپنی نے اپنے
استعمال کے لئے تعمیر کی تھی لیکن اب ان میں سے یہاں کوئی بھی فرد باقی نہیں ہے اور طالبان اس
کے ایک حصے کو مہمان خانے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں چنانچہ قافلے کے تمام حضرات نے
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی معیت میں یہاں قیام کیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد شام کے وقت
حضرت اقدس اور بعض دوسرے حضرات قندھار شہر کے نواح میں واقع اس تاریخی قبرستان میں
تشریف لے گئے جس میں وہ مبارک ہستیاں مدفون ہیں جنہوں نے اپنے جوان لہو سے سرزمین
افغانستان کی آبیاری کی جنہوں نے تحریک طالبان کے مقدس پرچم کو اپنے خون کے نذرانے

پیش کر کے علم توحید بلند کیا اور اللہ کی دھرتی پر ایک ایسا خطہ قائم کیا ہے کہ جس کے ایمان کی ضیا نے ساری دنیا کو خیرہ کر دیا یہاں یہاں وہ مجاہدین مدفون ہیں۔

بہر حال کچھ وقت تک حضرت شہداء اسلام اس گلشن شہداء میں رہے اور پھر واپس اپنی اقامت گاہ پر پہنچے یہاں کافی دیر سے قندھار کے کور کمانڈر ملا اختر عثمانی اور امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کے جواں سال مشیر طیب آغا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا انتظار کر رہے تھے آج کے دن کی میزبانی کے فرائض انہی دونوں حضرات نے انجام دیئے تھے چنانچہ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر تک حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی میزبان حضرات سے گفتگو فرماتے رہے اس مختصری نشست کے بعد سب شرکائے قافلہ سفر کی تھکان سے سبکدوش ہونے کے لئے بستر پہ دراز ہو گئے لیکن اس حالت میں بھی حضرتؒ اپنے دائمی معمولات نہ بھولے تھے سونے سے پہلے حضرت نے اپنے دستی بیگ سے کتاب نکال کر مطالعہ ضرور فرمایا تھا صبح فجر کی نماز کے بعد ناشتے سے فارغ ہوئے تو کچھ دیر بعد گورنر قندھار ملا محمد حسن رحمانی صاحب اور ان کے نائب گورنر تشریف لے آئے اور پھر شرکائے قافلہ کے ساتھ ان کی کافی طویل نشست رہی جس میں ان حضرات نے حضرتؒ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا کہ آپ اس ضعف کی حالت میں بھی ہمارے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ ہماری خواہش تھی کہ ہم زندگی میں امیر المومنین اور امارت اسلامیہ کی زیارت کر لیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری زندگی میں ہماری خواہش پوری ہو گئی اور یوں کافی دیر تک یہ مبارک مجلس جاری رہی اسی دوران گورنر صاحب نے یہ خوشخبری سنائی کہ آج دوپہر کے بعد امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد مدظلہ سے ملاقات کا وقت طے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد چونکہ بارہ بجے افغان سپریم کورٹ قندھار بینچ کا دورہ طے تھا اس لئے تمام حضرات وہاں جانے کے لئے تیار ہو گئے حضرت لدھیانوی کو گورنر صاحب نے اپنی گاڑی میں بٹھایا اور خود ایک دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے ٹھیک ایک بجے شرارے برساتی اور چلچلاتی دھوپ میں یہ قافلہ سپریم کورٹ آف افغانستان کی قندھار بینچ پہنچ گیا۔

یہاں قندھار کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اور دیگر معززین نے حضرت اقدس اور دیگر حضرات کا استقبال کیا اس عدالت کے نگران اعلیٰ مولوی شہاب الدین دلاور صاحب ہیں ان

سے تقریباً ایک گھنٹہ نشست رہی جس کا موضوع افغانستان کا عدالتی نظام تھا مولوی شہاب الدین
دلاور صاحب نے حضرت اقدس کو اپنے عدالتی نظام کے بنیادی اصول وضوابط اور اس کے طریقہ کار
کی مکمل تفصیل بتائی جسے حضرت نے بہت پسند کیا مجلس کے اختتام پر حضرت اقدس نے دعا فرمائی
اس کے بعد یہ قافلہ واپس اپنی رہائش گاہ پر تشریف لے آیا اور ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر تمام حضرات
قیلولہ کے لئے بستر پر دراز ہوگئے ٹھیک تین بجے تمام حضرات کو بیدار کیا گیا اور بتایا گیا کہ امیر
المؤمنین سے ملاقات کے لئے جانا ہے ہاں وہ امیر المؤمنین جو ایک خادم دین ہے، ایک اسلامی
ملک کا حکمران ہے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے قلوب میں بسنے والا سلطان ہے، جو شریعت محمدی
کا پاسبان ہے ختم نبوت کا قدر دان ہے جی ہاں یہ وہ اسلامی حکمران ہے کہ جس کی ایمانی طاقت
کے آگے بڑے بڑے جابر و کافر سلطنت سر تسلیم خم کرتے نظر آتے ہیں، بڑی بڑی طاقتیں ان
کے جرأت کی قصیدہ خواں ہیں، جس کا نام سنتے ہی امریکہ اور روس جیسے قیصر و کسریٰ پر کپکپی طاری
ہو جاتی ہے جسے طرز سیاست کو دیکھ کر اس زمانہ کی تاریخ کے نئے دور نے اپنے آپ کو منتخب
کرانے والے خود انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں جب یہ قافلہ قصر امارت پہنچا تو تمام حضرات
حیران رہ گئے کیونکہ یہ کوئی بہت بڑا محل نہیں تھا کوئی عالیشان کوٹھی نہیں تھی، بلکہ سادگی سے مزین وہ
عام سی عمارت تھی کہ جس پر نقش و نگار کا نام و نشان تک نہ تھا یہ وقت کے جابروں سے ٹکرانے والے
امیر المؤمنین کی رہائش گاہ تھی، ان تمام مہمان حضرات سے پہلے امیر المؤمنین کے مشیر خاص طیب
آغا صاحب ملے اور پھر امیر المؤمنین مدظلہ العالی کے کمرہ خاص میں تشریف لے گئے جہاں پہلے
سے منتظر ایک نورانی ہستی کھڑی تھی قدرے طویل قد بالکل سیاہ داڑھی سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ
باندھے جسم پر اونی سا لباس جس کی قیمت بمشکل تین چار سو روپے کی ہوگی اور کپڑے کے اوپر افغانی
طرز کے مطابق ایک واسکٹ مگر پرانی اور موٹے کپڑے کی۔ یہ تھے وہ امیر المؤمنین حضرت ملا محمد عمر
مجاہد مدظلہ جس کے نام سے دنیائے کفر لرزاں و ترساں ہے۔ سب سے پہلے حضرت لدھیانوی سے پر
تپاک انداز میں ملے اور پھر سب حضرات نے آگے بڑھ کر دنیائے اسلام کے عظیم قائد سے مصافحہ
کی سعادت حاصل کی اور پھر سب وہیں زمین پر بچھے ہوئے گدوں پر بیٹھ گئے امیر المؤمنین نے گاؤ
تکیہ حضرت کی جانب سرکا دیا ابتدائی تعارف کے بعد علماء کرام نے اپنے اپنے جذبات کا اظہار

جمعرات صبح ساڑھے نو بجے ۱۴ صفر ۱۴۲۱ھ بمطابق 18 مئی 2000ء کے دن خالق السموات والارض نے اس ہمدرد ملت کو شہادت کا مخملی جامہ پہنا دیا گیا۔ حضرت تو کامیابی اور کامرانی کے اعلیٰ درجوں پر پہنچ گئے اب ہماری کامیابی و سرفرازی اسی میں ہے کہ ہم حضرت کے پیغام کو سمجھیں اور حضرت کے مشن کو لے کر آگے بڑھتے رہیں اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ آخر میں نذرانۂ عقیدت کے طور پر چند اشعار ...

اے شہید مصطفیٰ تو کی تیری شجاعت پر نثار .... زندگی تابندہ تر تیری شہادت پر وقار

رہ وفا میں جان دینے کی تمنا تھی تیری .... شاد باش اے شیخ لدھیانوی سرخرو کامیاب

تیری عزت کا امین ہے جامعہ بنوری ٹاؤن .... تا قیامت یاد رہے یہ تیری یادگار

اک دن آزاد ہوگی ظلم سے انسانیت .... ہوں گے دیوانے شہیدوں کے لہو سے لالہ زار

بحمد اللہ آج بروز جمعہ یکم فروری 2006ء کو یہ کتاب اپنی لائبریری میں بیٹھ کر مکمل کر رہا ہوں۔ خداوند قدوس سے دعا کرتا ہوں کہ یہ کتاب میرے لئے اور میرے تمام پیارے اور قابل قدر قارئین کیلئے فائدہ مند ہو اور اللہ رب العلمین اپنی بارگاہ میں اسے قبول و منظور فرمائے آمین یا رب العلمین۔ آپکی دعاؤں اور مشوروں کا طلبگار آپ کا خیر اندیش۔

(محمد ہارون معاویہ فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی، ساکن میر پور خاص سندھ)

خطبات حکیم الاسلام ..... حضرت قاری طیب صاحبؒ

فضائل صدقات ..... حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

فضائل اعمال ..... حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

مجالس مفتی اعظمؒ ..... حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ

خطبات حکیم الامت ..... مولانا اشرف علی تھانویؒ

ملفوظات حکیم الامت ..... مولانا اشرف علی تھانویؒ

خطبات اکابر ..... ادارہ تالیفات اشرفیہ

خطبات مدنی ..... مولانا حسین احمد مدنیؒ

خطبات حضرت لاہوری ..... حضرت لاہوریؒ

خواتین کے لئے شرعی احکام ..... حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ

آپ کے مسائل اور ان کا حل ..... حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ

اصلاح معاشرہ اور اسلام ..... حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ

اسلام اور تربیت اولاد ..... حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ

اصلاحی مواعظ ..... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

حقوق الوالدین ..... حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ

خطبات علی میاں ..... حضرت ابوالحسن علی ندویؒ

خطبات مسیح الامت ..... حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ

خطبات جمیل ..... حضرت مولانا طارق جمیل صاحب

رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں ..... حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

زبان کی حفاظت ..... حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ..... حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ

کام کی باتیں ..... حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ

جو تم مسکراؤ تو سب مسکرائیں ..... حضرت سید رضی الدین صاحب

نورستان ..... جناب حکیم سعید شہیدؒ

اصلاحی خطبات ..... حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب

خطبات فقیر ..... حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی صاحب